دارِ ارقم

تاریخ کے آئینے میں

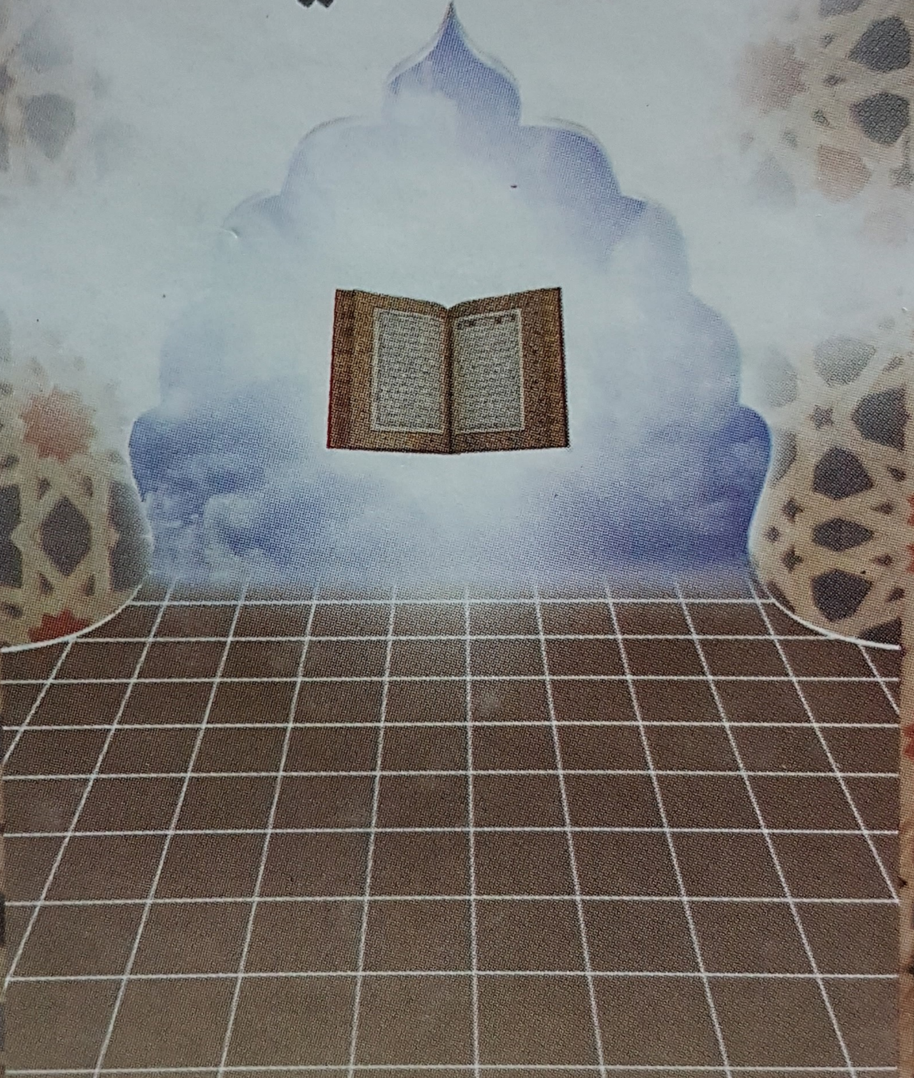

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

جنگ پبلشرز

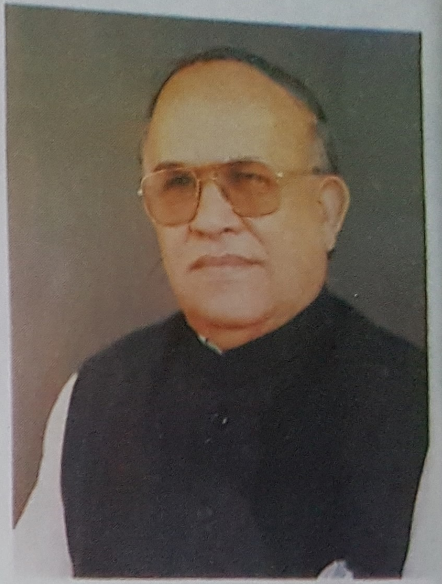

● ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (ایم اے پی ایچ ڈی) سابق ڈین پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ضلع خوشاب (پنجاب) کے خطہ مردم خیز وادیٔ سون سکیسر کے ایک دور افتادہ گاؤں (بھکی) میں ایک کسان گھرانے میں 1937ء میں پیدا ہوئے۔

● تمام تعلیم حتیٰ کہ میٹرک بھی پرائیویٹ طور پر مکمل کی، 1961ء میں ایم اے عربی اور 1962ء میں ایم اے اسلامیات امتیازی درجات میں پاس کئے، پھر 1969ء میں عربی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔

● 1963ء میں گورنمنٹ کالج بہاولپور میں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہوئے اور پھر اسی سال کے آخر میں پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں جدید عربی کے لیکچرار مقرر ہوئے، 1983ء میں پروفیسر عربی مقرر ہوئے، جہاں سے 1997ء میں بحیثیت صدر شعبہ عربی، ڈین علوم اسلامیہ و مشرقیہ اور پرنسپل اورینٹل کالج ریٹائر ہوئے۔

● الازہر یونیورسٹی، مصر اور عین شمس یونیورسٹی قاہرہ میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے پڑھایا، بغداد کی عربی اکیڈیمی ادبیات کے اعزازی رکن اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کی پاکستان شاخ کے صدر ہیں جو عالم اسلام کے شعراء اور ادباء کی عالمی تنظیم ہے۔

● عربی، اردو اور انگریزی میں پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں اور ان زبانوں میں پانچ سو سے زائد تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ اخبارات ورسائل کے ہزاروں مضامین اس کے علاوہ ہیں، 1984ء میں سیرت نبویؐ کے متعلق کتاب ''فصاحت نبویؐ'' پر پہلا صدارتی انعام حاصل کیا، اسلامی نگارشات پر حکومت پاکستان نے ستارۂ امتیاز عطا کیا۔

● ادارہ المجمع العربی الباکستان کے صدر اور اس کی عربی تحقیقی مجلہ کے ایڈیٹر ہیں، مجلہ ''الاحباء'' کے چیف ایڈیٹر ہیں جو گزشتہ پینتیس سال سے عربی اور انگریزی میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرت طیبہ کا ایک اہم گوشہ

دار ارقم

تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

جنگ پبلشرز

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ

ہر عمر اور ہر ذوق کے قارئین کے لئے

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

جملہ حقوق محفوظ

ناشر : میر شکیل الرحمٰن

تاریخ اشاعت : جولائی 1999ء

قیمت : 150 روپے

سرورق : انیس یعقوب

ایڈیٹر انچارج : مظفر محمد علی

پبلشر : جنگ پبلشرز لاہور (جنگ انٹرپرائزز

پرائیویٹ لمیٹڈ کا ایک ذیلی ادارہ)

مطبع : جنگ پبلشرز پریس

13 سر آغا خان روڈ لاہور

انتساب

امت مسلمہ کے نام

عنوانات

حرف اول 9

دارارقم: کاروان اسلام کی پہلی منزل 15

صاحب خانہ سیدنا ارقم فخروحی: شخصیت وکردار 31

دارارقم اور دارالندوہ 45

مدنیہ العلم کا دارارقم میں فیض عام 53

مکی عہد کی وحی ربانی اور دارالاسلام دارارقم 67

دارارقم کے ماخذ ومصادر کا مفصل وتجزیاتی مطالعہ 111

امرھم شوریٰ اور دارالشوریٰ 139

دارارقم مکی عہد نبوت کے بعد 177

آخری بات 191

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

سیرت نبوی ؐ کے بہت سے اہم گوشے ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں اور علم و ایمان کی دولت رکھنے والوں کے لئے کھلی دعوت کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے ہر گوشہ ایک مستقل موضوع بننے کا حق رکھتا ہے، بالخصوص سیرت پاک کے وہ گوشے جو عہد نبوی کے تیرہ سالوں سے عبارت ہیں اور مکہ مکرمہ میں بسر ہوئے، مکی عہد نبوت کے یہ گوشے جہاں صبر آزما اور کٹھن مراحل کی حیثیت رکھتے ہیں وہاں یہ اہل ایمان کے لئے ہمت و عزیمت کی روشن کرنیں اور نور بصیرت کا سامان بھی ہیں، مکی عہد مبارک کے ان اہم گوشوں میں سے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ارقم میں فروکش ہونا اور اس کا کاروان اسلام کی اولین منزل بننا بھی ہے۔

کاروان اسلام کی اسی منزل اولین کے یہ کچھ نقوش ہیں جو عصر حاضر کے روشن ضمیر مگر سرگرداں انسان کے لئے سنگ میل ہی نہیں زاد راہ بھی ثابت ہوں گے، اسی طرح یہ نقوش ملت بیضاء کے بہی خواہوں اور درد مندوں کے لئے نور بصیرت کا کام بھی دیں گے، یہ نقوش جہالت، غفلت، ملوکیت اور احترام آدمیت کے نبوی اصولوں سے اعراض کے باعث دانستہ اور نادانستہ طور پر فراموش کر دیئے گئے مگر یہ اوراق تاریخ کے فراموش شدہ گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں اور چودہ صدیوں کی مہیب اور طویل فراموشی کے بعد شاید آج اپنوں کو بھی انوکھے اور اجنبی لگیں، لیکن یہ ہیں سچے اور سچے جو مدھم اور دھندلے سہی مگر غور کرنے والوں سے پوشیدہ بھی نہیں رہیں گے اور کاروان اسلام کی اولین منزل کا پتہ بتانے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کی راہوں کو اجاگر کرنے میں بھی مدد دیتے رہیں گے۔

دار ارقم کے یہ نقوش کٹے پھٹے اور مٹے مٹے سے تو ہیں مگر پھر بھی ربط ملت، اسلامی اخوت و مساوات اور اسلام کے شورائی نظام کی فراموش شدہ داستاں سنا رہے ہیں، ان نقوش سے اللہ تعالیٰ کے دین توحید کے اس ترانہ حق کی گونج بھی سنائی دیتی ہے جس سے کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت لرز اٹھے تھے اور بالآخر ذلت کے ساتھ سرنگوں ہو گئے تھے۔ یہ نقوش اس قافلہ حق کی راہوں کا بھی پتہ دیتے ہیں جو صبر و عزیمت کے ساتھ غار حرا سے ایک نسخہ کیمیا لے کر اترنے

والے اور آدمیت کا بول بالا کرنے والے میر حجازؐ کی قیادت میں انسانیت کا مقدر سنوار نے چلا تھا اور جو عہد اول کا کردار تو ادا کر چکا ہے مگر عہد آخر کا کردار ابھی باقی ہے اور ارشاد نبوی کے مطابق اس قافلہ حق کے دونوں عہدوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گا!

دار ارقم کے یہ نقوش جاوداں آنے والے زمانوں میں کاروان اسلام کے لئے عزم و حوصلے کا سرچشمہ، اہل حق کے لئے سامان عبرت اور معرکہ زندگی میں آگے بڑھتے رہنے کے لئے امید کی کرنیں ثابت ہوں گے، یہ ایک ایسی دعوت عمل بھی ہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ زور دار تحریک عمل کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے اور اس سے اعراض کا نتیجہ پیام مرگ کے مترادف ہے، آج بھی کرۂ ارض پر مختلف بہانوں اور متعدد عنوانوں سے کاروان اسلام صبرو آزمائش کے مرحلے سے دوچار ہے جو دار ارقم کے عہد میں اس وقت کے قافلہ حق کو درپیش تھا، فرق صرف اتنا ہے کہ صبرو آزمائش کے اس مرحلے میں قافلہ حق کا دائرہ وادی بطحا تک محدود تھا مگر آج کاروان اسلام صبرو آزمائش کی جس بھٹی میں ڈال دیا گیا ہے اس کا دائرہ روئے زمین کے گوشے گوشے اور کونے کونے کو محیط ہے، جس طرح فتح مکہ کے بعد پوری سرزمین حجاز وادی بطحا سمیت اسلام کا قلعہ بن گئی تھی اسی طرح آج کا زخم زخم اور لہو لہو کاروان اسلام جب سرخ رو ہو گا تو پورا کرۂ ارض عدل کا گہوارہ اور حق کا پرستار بن چکا ہو گا، صبرو آزمائش میں جس قدر شدت آئی ہے اور آگ کے شعلے جس قدر بلند اور خون کی ندیاں جس قدر ابھرتی اور بپھرتی رہی ہیں صبح امید اسی قدر قریب آتی محسوس ہوتی ہے۔

عالم پیر کا دم واپسیں ہے، اس کے کچھ اعضاو جوارح تو موت کی نیند سو چکے ہیں اور کچھ لب گور ہیں، فتنہ مزدکیت سرخ آندھی بن کر اپنا سحر باطل دکھا چکا اور قصہ پارینہ بن کر ماضی کی گود میں اپنا ماتم کر رہا ہے، سرمایہ پرستی کا سفینہ بھی آخری جھرجھری لے کر ڈوبنے کو ہے، اب جہان نو کا طالب انسان راہوں میں سرگرداں ہے، اسے ایک ایسے متوازن و متعادل نظام زندگی کی ضرورت ہے جو اسے لولی لنگڑی تاریک و سیاہ سینے کے ساتھ منہ پہ غازہ مل کر انسان کو فریب دینے والی تہذیب سے نجات دلا دے، تاکہ وہ جسم و روح اور دنیا و آخرت کے معتدل اور متوازن نظام زندگی کو اپنا سکے، وہی نظام زندگی جو دار ارقم میں فروکش مختصر سی اسلامی جمعیت کا نظام زندگی تھا!

جس طرح کمیونزم کی ناکامی کے نتیجہ میں مزدوروں کی جنت (اور بقول امریکی صدر ریگن اشراکیت کی شیطانی شہنشاہیت) بکھر کر رہ گئی اور ایک بڑی طاقت تاریخ کی عبرت بن گئی اور امریکہ بہادر انا ولاغیری کا نعرہ بلند کرتے اور نیا عالمی نظام نافذ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے دنیا کی واحد بڑی

طاقت بن گیا ہے بالکل اسی طرح ظہور اسلام کے وقت کسریٰ کے ہاتھوں قیصر کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تو خسرو پرویز کسرائے فارس دنیا کی واحد طاقت بن گیا تھا، لیکن سورہ روم میں ایک قرآنی پیشین گوئی کے مطابق چند ہی سالوں میں قیصر پھر اٹھا اور کسریٰ کا کام تمام کر گیا مگر اس کی فتح بھی عارضی فتح ثابت ہوئی تھی، آخری فتح دین حق کی ہوئی تھی جس کے بعد قیصر رہا نہ کسریٰ۔ اسی طرح تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دوہراتی ہوئی نظر آتی ہے، قیصر و کسریٰ کا ظلم ان کے انجام بد کا سبب بنا، اسی طرح سرخ سامراج کی شیطانی سلطنت نے انسانوں کا خون پانی کی طرح بہایا اور ظلم کے پہاڑ توڑنے کے نتیجے میں اپنے عبرتناک انجام کو پہنچی، اسی طرح سفینہ سرمایہ پرستی کا ملاح اور نئے عالمی نظام کا علمبردار بھی اپنی عیاری و ناانصافی کے باعث اپنے انجام کو پہنچے گا، باقی صرف اللہ رب العزت اور اس کا دین عدل ہی رہے گا۔

ایسے میں اسلامی دنیا کی بیداری جہاں اہل حق و انصاف کے لئے امید کی کرن اور بشارت ہے وہاں عدل و انصاف اور احترام آدمیت کے دشمنوں کے لئے پیغام موت کی حیثیت بھی رکھتی ہے، صیہونیت کے خفیہ ہاتھ پھر سے صلیبیت کو ہلال کے مقابلے میں صف آرائی پر اکسا رہے ہیں، اہل ایمان کے ازلی دشمن مشرک و بت پرست اور یہودی مغرب کے وفادار گماشتے بن کر اہل اسلام پر مظالم توڑ رہے ہیں مگر کاروان اسلام میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کے احساس زیاں میں پوری شدت آگئی ہے، وہی لوگ جو اشک سحر گاہی سے وضو کرتے ہیں اور جن سے ابلیس ملعون بھی لرزاں رہتا ہے!

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو!

بندہ مومن اپنی متاع گم گشتہ کی دریافت و بازیابی کے لئے بیدار نظر آتا ہے، کاروان حجاز نے اپنے ضابطہ حیات و دین فطرت کو اپنا رہنما بنا لیا ہے اور یہی وہ ضابطہ حیات دین فطرت ہے جو قافلہ اسلام کی منزل اولین دار ارقم کا دستور العمل تھا، اس کی روشنی میں کاروان حق رواں دواں ہوا تھا اور اسی کی روشنی میں اب پھر راہ حق پر گامزن ہو گا، انشاء اللہ!

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

یہ حقیقت ہے کہ اگر شرک و بت پرستی کی چیرہ دستیاں نہ ہوتیں اور دار الاسلام دار ارقم کی معاشرتی روایات کو پنپنے دیا جاتا، یا اگر مشرکین مکہ یثرب تک رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظالمانہ و سنگدلانہ تعاقب نہ کرتے، یہود و منافقین کی دسیسہ کاریاں اور سازشیں نہ ہوتیں اور یثرب کی نوزائیدہ مملکت اسلام کو اپنے تاریخی بلکہ تاریخ ساز آئین "میثاق مدینہ" کے مطابق سنبھلنے اٹھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا جاتا، یا جزیرہ عرب کے اندر اور باہر سے ہولناک سازشوں کے جال نہ بچھتے اور مدینۃ النبیؐ کے خلاف مفسدانہ یلغاروں کا طوفان نہ اٹھایا جاتا تو کاروان اسلام دنیائے انسانیت کو منزل حق پر پہنچا کر ہی دم لیتا اور آج دنیا کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہی ہوتا! مگر ایسا نہ ہو سکا! کاروان اسلام کو قدم قدم پر روکا گیا، راہ حق سے ہٹانے کے جتن کئے گئے، قافلہ حق کو اس کے اولین دار الاسلام سے نکلنے پر مجبور کیا گیا، پھر فتنہ و فساد کا طوفان بلاخیز اٹھا جو بدر سے شروع ہو کر تبوک تک پہنچا، پھر خدا ترس اور انسان دوست خلفائے راشدین جو حکمرانی میں اپنی مثال آپ تھے، اندرونی اور بیرونی سازشوں سے شہید کئے گئے اور بظاہر باطل نے حق کے خلاف اپنی جنگ جیت لی!!

اس کے ساتھ ہی ایک المیہ یہ بھی پیش آیا کہ اولین دارالاسلام دار ارقمؓ کی معاشرتی روایات اور اصول و ضوابط بھی پس منظر میں چلے گئے، کاروان حق کے نقوش پا دھندلا گئے، ان روایات، اصول و ضوابط اور نقوش کو محفوظ کرنے والے یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے، خلافت حق ملوکیت باطل میں ڈھل گئی تو سب کچھ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، ان روایات اصول و ضوابط اور نقوش پر غفلت و جہالت اور استبدادی روش کے دبیز پردے پڑ گئے، وہ دار ارقم جہاں مربی حق و مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم تدریس و تفہیم قرآن، تعلیم و تربیت، تزکیہ نفوس، وعظ و اصلاح، دعوت حق اور شورائیت کی عملی تربیت سے مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے قائد و رہنما تیار فرماتے رہے تھے، اس کے نقوش تو کیا محفوظ ہوتے اس کے مقاصد و اہداف بلکہ ذکر تک یادوں سے محو ہو گیا۔ دار ارقم کو دار الاسلام کہنے کی بات تو پردہ اخفا میں چلی گئی مگر تاریخ نے اسے محض ایک پناہ گاہ بنا چھوڑا جہاں کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کچھ صحابہ کرامؓ چھپنے اور پناہ لینے کے لئے آگئے تھے، یوں کاروان اسلام کی اولین منزل محض ایک متبرک مقام کی حیثیت سے یادگار رہ گئی!

لیکن کاروان اسلام کی اس منزل اولین کی روایات و نقوش بالکل محو نہیں ہو سکے صرف

مدھم پڑ گئے تھے اجمالی اشارات زندہ و پائندہ ہیں بس جابرانہ ملوکیت کے صدقے اس کی تفاصیل تاریخ کے بخل و حقارت نے نگل لی تھیں، ان مدھم اور دھندلے نقوش سے دار ارقم کی ایک تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور اجمالی اشارات کی روشنی میں تفاصیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے! یہ سعی نا تمام اور جہد حقیر شاید ان اشارات سے تفاصیل کی تکمیل تو ثابت نہ ہو مگر ان تفاصیل تک رسائی کے اشارات کا کام ضرور دے گی، اس لئے یہ حقیر سی کوشش کاروان اسلام کی منزل اولین کی نذر ہے، اس امید کے ساتھ کہ یہ اسلام کے آنے والے کل میں عمل اور امید کی روشن کرن نہ سہی ایک دھندلا سا اشارہ تو ضرور ثابت ہوگی

"ایں دعا از من و از جملہ عالم آمین باد"

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

صدر شعبہ عربی

پنجاب یونیورسٹی لاہور

دار ارقمؓ ! کاروان اسلام کی پہلی منزل

سیرت طیبہ کے اہم ترین مگر تشنہ تحقیق ابواب میں سے ایک دار ارقمؓ بھی ہے، یہ ان مقامات میں سرفہرست ہے جنہیں سیرت نبوی اور تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، غار حراء، ہجرت حبشہ، شعب ابی طالب، بیعت عقبہ اولی وثانیہ، سفر طائف، اسراء ومعراج اور غار ثور کی طرح دار ارقمؓ بھی بے شمار ابواب سیرت اور بے اندازہ حوادث تاریخ اسلام کے لئے سر عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔

کہنے کو تو دار ارقم ایک ایسا رہائشی مکان تھا جو مکہ مکرمہ کے کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا اور ساتویں (اور بعض روایات کی رو سے دسویں یا بارہویں ا ؎) نمبر پر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والے ایک قریشی نوجوان کی ملکیت تھا جو قریش کے ایک معزز قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا، مگر تاریخ نے اس رہائشی مکان یا حویلی کو جو عظمت اور شان عطا کی ہے اس کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ حساب، یہ حویلی یا رہائشی مکان تاریخی نہیں بلکہ تاریخ ساز کردار کا حامل ہے۔

مگر حسرت و تاسف کی بات یہ ہے کہ اس بے نظیر و بے مثل عظمت و شان کے مالک تاریخ ساز مکان کے متعلق تاریخ کے صفحات نے بڑی بے نیازی اور بخل سے کام لیا ہے، تاریخ کا یہ بخل اور بے نیازی اس جہالت اور اعراض کی پیداوار ہے جو شورائی جمہوریت کے امتیاز کے مالک دین اسلام کو استبدادی ملوکیت کے ہاتھوں گوارا کرنا پڑا، خود پرست و خود غرض استبدادی ملوکیت نے شورائی جمہوریت اور احترام آدمیت کے علمبردار دین اسلام کو اپنے مفادات و مصالح کے لئے مسخ کر کے رکھ دیا، اگر آج ہم اس دین حق کے اس پہلو کے اصلی اور حقیقی رنگ روپ کو دیکھنا بھی چاہیں تو اس کے لئے ہمیں بے اندازہ کھدائی کر کے بہت گہرائی میں اترنا پڑتا ہے۔

تاہم ابتدائی ادوار کے سیرت نگار و مورخین اور خصوصیت کے ساتھ محدثین و مفسرین قرآن ہمارے تشکر و امتنان کے مستحق ہیں جنہوں نے استبدادی ملوکیت کی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں کے عام ہونے سے قبل یا ان سے مکمل طور پر بے نیاز ہو کر اسلام کی شورائی و جمہوری روایات کے متعلق کچھ نہ کچھ تاریخی اشارات دیئے ہیں۔ ان اشارات اور روایات میں سے کچھ دار ارقم کے متعلق بھی ہیں دار ارقم کے متعلق میسر آنے والے تاریخی اشارات مفصل اور تسلی بخش نہ سہی مگر ان مجمل اور ناکافی تاریخی اشارات کی مدد سے بھی سلسلہ حقائق کے صفحات مفقودہ تلاش کیے جاسکتے ہیں اور ان دھندلے نقوش سے بھی احترام آدمیت و شورائی جمہوریت کے علمبردار دین اسلام کی ایک تاریخ کی دلکش تصویر کاغذ پر اتاری جاسکتی ہے۔

دار ارقم کے متعلق یہ تاریخی اشارات کچھ تو وضاحت اور صراحت کا رنگ لئے ہوئے ہیں مگر بیشتر ضمنی طور پر وارد ہوئے ہیں، ان واضح اور ضمنی اشارات کی مدد سے اس تاریخی مکان کے تاریخ ساز کردار کی ایک ایسی تصویر ابھرتی ہے جو اسلام کو ایک دین اخوت و مساوات، ضابطہ شفقت و ہمدردی اور تعاون و احترام باہمی کے علمبردار نظام زندگی کی حیثیت سے سامنے لاتی ہے جو اپنی اصل میں دین و دنیا کا جامع اور متوازن دین ہے اور عملی شکل و صورت میں ایک جمہوری و آفاقی ضابطہ ہے۔

دار ارقم کہنے کو تو ایک حویلی تھی جو چار دیواری، صحن اور چند کمروں سے عبارت تھی مگر تاریخ میں اس کے لئے قافلہ اسلام کی پہلی منزل ہونا مقدر ہو چکا تھا، مکی عہد نبوت میں اس مکان نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کرنا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے مکی عہد کو ہم کئی ایک نمایاں مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں، پہلا مرحلہ غار حرا میں عطائے نبوت اور پوشیدہ دعوت کا مرحلہ ہے۔ اس نازک مرحلہ میں افضل البشر کا رشتہ خالق البشر سے قائم ہوتا ہے۔ زمین کے آسمان سے روابط کا آغاز ہوتا ہے اور قلب نبوت پر وحی ربانی کا نزول عالم بشریت کے لئے دنیا و آخرت کی راہیں روشن کرنے کا سامان کرتا ہے، یہ رشتہ، یہ روابط اور یہ وحی ربانی جہاں ہادی برحق کی ذات کے لئے اضطراب اور قلق کی کیفیت پیدا کرتی ہے وہاں اس پیغام حق کے اولین بشری رد عمل کا کٹھن کام بھی درپیش ہے، مزمل و مدثر اولین دعوت حق کے مرحلہ سے سرخروئی کے ساتھ "انذر عشیر تک الاقربین" (اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کیجئے) اور "فاصدع بما تومر" (جو حکم ملتا ہے اسے کھلے بندوں بیان فرمایئے) کے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں اب دعوت حق کی روز افزوں اشاعت و تقویت مشرکین مکہ کے لئے خطرہ بن جاتی ہے اہل اسلام کے لئے، گھاٹیوں،

گوشوں اور زاویوں میں ذکر و عبادت اور تزکیہ نفوس کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ ۲۔ یہاں سے دار ارقم کاروان اسلام کی پہلی منزل بنتا ہے اور تبلیغ دین کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، چوتھا مرحلہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے شروع ہوتا ہے، چنانچہ اب بیت اللہ شریف میں کھلے عام نماز ادا ہوتی ہے، عرب کے میلے اور مواسم میں قبائل عرب کو اسلام کی دعوت عام قریش کی رکاوٹوں اور مخالفانہ پراپیگنڈے کے باوجود زور پکڑتی چلی جاتی ہے جس سے مستکبرین مکہ و سرداران قریش جل اٹھتے ہیں تب مکی عہد کا پانچواں، فیصلہ کن مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

ان تمام مراحل میں تیسرا مرحلہ سب سے اہم اور بار آور مرحلہ ہے۔ دار ارقم میں ایک ایسے معاشرہ، ایک ایسی کمیونٹی اور ایک ایسے نظام حیات کی بنیاد ڈالی جاتی ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی اور بعد کے زمانے جس کی نظیر نہیں لا سکتے۔ تاریخ انسانی میں پہلی بار ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب کے لئے ایک تحریک کا آغاز ہوتا ہے اور اس کے لئے انسان بنائے جاتے ہیں، کارکن تیار کئے جاتے ہیں ہر کام اور ہر میدان کے لئے افراد کی تربیت کا اولین تصور سامنے آتا ہے، اس تمام کام کا مرکز و آماجگاہ دار ارقم ہے جو قبیلہ بنو مخزوم کے ایک دانا و بینا، پرعزم اور پرجوش نوجوان کی ملکیت ہے، یہ نوجوان بعثت نبوی کے وقت اس قبیلہ کے تین سرکردہ نوجوانوں میں سے ایک ہے جن کو تاریخ آج بھی یاد کرتی ہے۔ ۳۔ ان تینوں سرکردہ مخزومی نوجوانوں کا پڑدادا تو ایک ہی تھا مگر جس طرح ان کے مقدر مختلف تھے اسی طرح باپ اور دادا بھی الگ الگ تھے، ان میں سے ایک تو ابوالحکم عمرو بن ہشام تھا جو دعوت حق کا سب سے بڑا دشمن، ہادی برحق کو سب سے زیادہ ستانے والا، مستضعفین اسلام کو ہولناک اذیتیں دینے والا اور تحریک اسلام کا راستہ روکنے والا الدا الخصام (ڈھیٹ دشمن) ابو جہل بن کر راندہ درگاہ ٹھہرا، بنو مخزوم کا دوسرا نوجوان آگے چل کر خالد سیف اللہ بننے والا تھا مگر تیسرا سرکردہ مخزومی نوجوان ارقم بن عبد مناف بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا جو عموماً ارقم بن ابی ارقم کہلاتا تھا، رضی اللہ عنہ، ابو جہل جس قدر اسلام اور اہل اسلام کا دشمن تھا ارقم اس سے کہیں زیادہ دین حق، ہادی برحق اور اہل حق کے غمگسار و مددگار ثابت ہوئے چنانچہ حضرت ارقمؓ نے اپنا گھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کر دیا، یہی دار ارقم اسلام کا مرکز اول، ملت کا اولین دارالاسلام اور قافلہ اسلام کی سب سے پہلی منزل قرار پاتی ہے، ۴۔ یہ حویلی اسلام کی تاریخ کی سب سے پہلی وقف عمارت کی حیثیت سے تبلیغ دین، دعوت حق، تزکیہ نفس، عبادت و ذکر اللہ، تعلیم و تربیت اور ایک زندہ و پائندہ اور پرعزم و پرجوش مسلم کمیونٹی کی تمام اجتماعی سرگرمیوں کا ایک محفوظ مرکز بن جاتی ہے۔ ۵۔ اس حیثیت سے دار ارقم تاریخ اسلام کا ایک منفرد و غیر فانی باب بن جاتا ہے، تاریخ نے اس باب پر پردہ ڈالنے کی لاکھ کوشش کی۔ اس

سے متعلق واقعات و حوادث کو مفصل طور پر ریکارڈ کرنے میں بے حد بخل سے کام لیا مگر پھر بھی اس کی عظمت و اہمیت چھپ نہ سکی۔

اس میں شک نہیں کہ دار ارقم کے حوالے سے ذہن میں اٹھنے والے تمام سوالات کا جواب تاریخ سے نہیں ملتا، کیونکہ تاریخ نے اس معاملہ میں نہ صرف بخل سے کام لیا ہے بلکہ اعراض اور چشم پوشی کو بھی شعار بنایا ہے، مگر بایں ہمہ تاریخ کے صفحات نے دبی زبان سے کچھ منتشر و متفرق ٹکڑے برداشت کر ہی لئے ہیں، ان ٹکڑوں کو باہم جوڑنے سے دار ارقم کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ نہ تو اس قدر دھندلی ہے کہ حقیقت شناسی میں مد و معاون نہ ہو اور نہ ایسی ادھوری ہے کہ اسے ایک حقیقت تسلیم کرنے سے انکار کیا جا سکے، کیونکہ یہ منتشر و متفرق ٹکڑے جن حقائق کو واضح کرتے ہیں وہ یوں ہیں کہ!

۱۔ دار ارقم بنو مخزوم کے ایک دانا و بینا، پر عزم و پر جوش نوجوان کی ملکیت ہونے کے باعث ایک محفوظ و مامون پناہ گاہ تھی جہاں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ آزادی و اطمینان سے تشریف فرما رہتے تھے۔ ۶۔

۲۔ دار ارقم دعوت و تبلیغ کا اولین مرکز تھا جہاں طالبان حق افراد اور گروہوں کی شکل میں وارد ہوتے، اسلام کی باتیں سنتے اور اس دعوت حق کو قبول کر کے سعادت دارین سے مشرف ہوتے، پھر خوشی و مسرت اور امیدوں اور آرزوؤں سے اپنے سینوں کو سجا کر لوٹ جاتے تھے۔ ۷۔

۳۔ اس تاریخ ساز مکان میں کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس خود معلم بشریت اور محسن انسانیت فرماتے تھے، احکام الٰہی سے آگاہی میسر آتی، وعظ و نصیحت اور حکمت و دانش کی باتیں ہوتیں، عقیدہ توحید، آخرت پر ایمان، اعمال صالحہ کی ترغیب سے تزکیہ نفوس اور انفرادی شخصیت کی سیرت سازی اور تعمیر کردار کا کام انجام پاتا تھا، یہ سب کچھ براہ راست نور نبوت کے فیضان سے مکمل ہوتا تھا۔ ۸۔

۴۔ دار ارقم کا ایک حصہ بطور عبادت گاہ بھی استعمال ہوتا تھا، قیاس یہی ہے کہ یہاں قبلہ اول قدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز حق ادا ہوتی تھی اور ذکر اللہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ۹۔

۵۔ حکم ربانی وامرھم شوریٰ بینھم ۱۰۔ (ان کے معاملات تو باہم مشاورت سے طے پاتے ہیں) کے مطابق دار ارقم قریش کے دار الندوہ کا کردار بھی ادا کرتا تھا، یہاں مبلغین اسلام کی کارکردگی کا جائزہ بھی لیا جاتا، تبلیغ کے آئندہ منصوبے بنتے اور خود مبلغین کی تربیت کا

کٹھن کام انجام پاتا تھا، نیز اہل اسلام کی حالت زار زیر بحث آتی، مستقبل میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے عملی و تاریخ ساز کردار کے متعلق سوچ بچار ہوتی، اقامت دین و نظام حیات کی عظیم ذمہ داریوں کے لئے ہر قسم کے افراد امت کی تیاری و تربیت کا کام انجام پاتا، تاکہ دین اسلام کو ایک عالمگیر تحریک اور ہمہ گیرو ہمہ جہت مکمل انقلابی تبدیلی کا نقیب بنا دیا جائے!۱۱۔

۶۔ مسلم کمیونٹی کے مسائل و مشکلات کے حل کے لئے فوری اور دیرپا وسائل و ذرائع سوچے جاتے تھے، خصوصاً زیردست، مستضعفین اور بے آسرا و بے سہارا مسلمانوں کی خبرگیری، کفار کی اذیت سے محفوظ کرنے اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے عملی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں۔ ۱۲۔

۷۔ اس بات کے اشارات بھی ملتے ہیں کہ تمام امور مہمہ کی مانند حبشہ کی جانب ہجرت اولیٰ اور ہجرت ثانیہ کے علاوہ ہجرت مدینہ منورہ کے متعلق مشاورت بھی اسی دار ارقم میں انجام پائی، اور تمام فیصلے امت کی مجلس شوریٰ نے قائد انسانیت و ہادی امت صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور وامرھم شوریٰ بینھم کے حکم ربانی کے مطابق طے کئے۔ دار ارقم کی یہ شورائی فضا ہجرت کے بعد بدر، احد، خندق، حدیبیہ اور حنین کے تمام مراحل میں بھی چھائی رہی، شفقت و رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے تکریم واحترام آدمیت اور حریت و مساوات کو اپنا معمول بنائے رکھا، تربیت کا یہ طریقہ اور قیادت کا یہ انداز وامرھم شوریٰ کے مطابق دار ارقم میں سنورا اور نکھرا تھا۔ ۱۳۔

دار ارقم کے حوالے سے تاریخ سے چند سوال کرنے ضروری ہیں جن کے جواب سے اس حویلی کے تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز کردار اور مرتبہ و مقام کا تعین ممکن ہو گا، ایک تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس مکان کے لئے منزل اور بیت کے بجائے ماخذ میں صرف دار کا لفظ کیوں مستعمل ہوا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ کیا دار ارقم کا کردار صرف اتنا تھا کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے ساتھیوں کو چھپنے کے لئے ایک محفوظ جگہ میسر آگئی تھی اور بس یا اس حویلی کا کردار اس سے کچھ اور زیادہ بھی تھا؟ اگر یہ کردار کچھ اور زیادہ بھی تھا تو تاریخ نے اس کردار کو اجاگر کرنے کے بجائے فراموش کر دینے کو ترجیح کیوں دی؟ اور کیا اس کردار کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ میں بھی کوئی اشارہ ملتا ہے؟

بعثت نبوی کے وقت جزیرۂ عرب کی بیشتر آبادی قبائلی اور خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہی تھی۔ بہت تھوڑا سا حصہ شہری زندگی سے آشنا تھا، مکہ اور طائف دو بڑے شہر تھے جو قریش کے زیر

YASIR BROAST
على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

YASIR

اثر ہونے کے باعث نمایاں اہمیت کے مالک تھے، ۱۴۔ وادی یثرب کی بستیاں اگرچہ شہری زندگی کا رنگ لئے ہوئے تھیں مگر ابھی یہاں مدینۃ النبی ؐ آباد ہونا تھا تب جا کر اسے ایک تاریخی شہری حیثیت نصیب ہونا تھی، ان شہری آبادیوں میں عموماً بڑے گھروں کے لئے دار کا لفظ استعمال ہوتا تھا، بیت یا منزل کی حیثیت دار سے کم تر تھی۔ دار سے مراد ایسا مکان یا رہائش گاہ مراد ہوتی تھی جس کی محفوظ چار دیواری ہوتی تھی، صحن اور خواب گاہیں یا کمرے بھی ہوتے تھے، ۱۵۔ بیت اسے کہتے تھے جہاں رات بسر ہو سکتی تھی اور منزل سے مقصود وہ جگہ ہوتی تھی جہاں فروکش ہونا اور پڑاؤ کرنا ممکن ہوتا تھا، ابن منظور نے لسان العرب میں ابن جنی کا قول نقل کیا ہے کہ جہاں لوگ محفوظ اور آزادانہ گذر بسر کر سکتے ہوں اسے دار کہتے ہیں، ۱۶۔ اس سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ دار کا لفظ کسی معمولی گھر یا مکان کے لئے نہیں بولا جاتا تھا، آج کی عرب دنیا میں ایسے مکان کے لئے دار کے علاوہ ولا (فیلا) یا کوٹھی بھی مستعمل ہے۔

دار ارقم کے متعلق حافظ ابن الاثیر ۱۷۔ کا بیان بھی قابل غور ہے جو لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر میں چھپتے تھے جو کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا، مسلمان بھی مشرکین کے ڈر سے آپ کے ساتھ رہتے تھے، جب تعداد چالیس ہو گئی اور حضرت عمر بن الخطابؓ بھی ان میں شامل ہو گئے تو مسلمان باہر آئے اور کھلے بندوں بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرنے لگے، یہ بیان صرف ابن الاثر کا ہی نہیں بلکہ بیشتر تذکرہ نگار اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسا کہ آپ نے ملاحظہ بھی فرمالیا ہے۔ اس عبارت اور اس جیسی دیگر عبارات سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ حضرت ارقم کی یہ حویلی اتنی محفوظ تھی کہ اس میں مشرکین مکہ کے شر سے محفوظ طور پر چھپا جا سکتا تھا اور یہ اتنی کشادہ بھی تھی کہ اس میں چالیس کے لگ بھگ اہل اسلام بخوبی سما سکتے تھے، دار ارقم کا محفوظ اور کشادہ ہونا تو اس حقیقت سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ بعد کے ادوار میں اس مکان پر بڑے بڑے لوگوں کی توجہ مرکوز رہی اور موجودہ ارقم لائبریری کی عمارت بھی اس کی تائید کرتی ہے لیکن اس عبارت پر اور اس جیسی دیگر عبارات پر دو سوال وارد ہوتے ہیں، ایک سوال تو یہ ہے کہ ایک عبارت سے تو بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ اور صحابہ کرامؓ یہاں اس وقت تک چھپے رہے جب تک ان کی تعداد چالیس نہ ہو گئی اور حضرت عمر بن الخطابؓ بھی ان میں شامل نہ ہو گئے، حالانکہ حقیقت حال یہ تھی کہ جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو صحابہ کرام کی ایک معقول تعداد دوبارہ ہجرت حبشہ کے لئے بھی جا چکی تھی ۱۸۔ تو اس لحاظ سے گویا یہ چالیس مسلمان ان مہاجرین حبشہ کے علاوہ تھے جو قبول اسلام کے بعد تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے، چنانچہ بعض تذکرہ نگاروں نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے، ۱۹۔ پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ

دعوت اسلام خفیہ مرحلے سے گذر کر قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت حق دینے اور "فاصدع بما تومر" کے حکم کے مطابق کھلی دعوت کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی، حقیقت یہ ہے کہ دار ارقم کے پر سکون ماحول میں تو صرف عبادت اور تربیت کا کام خفیہ طور پر ہوتا تھا، مسلمان جہاں بیت اللہ میں کھلے بندوں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے وہاں یہ بات بھی تھی کہ اسلام کے نئے حلقہ بگوشوں کی عملی تربیت اور تزکیہ نفوس کا کام بھی علیحدگی اور پر سکون ماحول کا متقاضی تھا۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ارقم کا اس مقصد کے لئے انتخاب کرنا کئی مصلحتوں کا آئینہ دار تھا، ایک تو یہ کہ مکہ مکرمہ کی قیادت اور قریش کی امامت اب قبیلہ بنو مخزوم میں آگئی تھی، ایک طرف قریش کا دانشور بزرگ ولید بن مغیرہ تھا جس کی زبان دانی، فصاحت و بلاغت، علم و دانش اور حکمت و تدبر کا سکہ چلتا تھا لیکن عداوت اسلام میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ ۲۰ ؎ دوسری جانب عمر بن ہشام ابو جہل تھا جو تحریک اسلام کی مخالفانہ سرگرمیوں کی قیادت کر رہا تھا اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے اور حضورؐ کو ستانے میں پیش پیش رہتا تھا، اس کا تعلق بھی بنو مخزوم سے تھا۔ ایسے میں حضرت ارقمؓ جیسے عاقل قریش اور پر عزم نوجوان کا قبول اسلام اور پھر کاروان اسلام کی پہلی منزل کے طور پر اپنی حویلی کی پیشکش کرنا ایسے ہی تھا جیسے فرعون کے گھر میں موسیٰ پیدا ہو جائے۔ ایسے میں حضورؐ نے بنو مخزوم ہی کے نوجوان کے گھر کو اپنے مشن اور مقاصد کی تکمیل کے لئے کام میں لانے کو قابل ترجیح تصور فرمایا، یہ جہاں ولید اور ابو جہل جیسے دشمنان اسلام کے لئے چیلنج تھا وہاں تحفظ اور سلامتی کے روشن امکانات کا حامل بھی تھا۔

یوں تو نظر نبوت کی کیمیا گری سے اہل ایمان کے لئے ایک نگاہ بھی کافی ہوتی تھی مگر صحبت کا طویل موقع اور تربیت کی گہری توجہ کا اپنا اثر اور اہمیت ہوتی ہے۔ ہجرت کر کے حبشہ جانے والوں میں عبداللہ بن جحش بھی تھے جو وہاں جا کر عیسائی ہو گئے تھے۔ مربی برحق اور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے اور ان پر مزید توجہ فرمانے کی ضرورت محسوس کی ہو گی اس لئے بھی دار ارقم میں تربیت و تزکیہ نفوس پر زیادہ توجہ دینا ضروری خیال فرمایا ہو گا، بقول شاعر!

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چوں محمل راگراں بینی

تو گویا حافظ ابن الاثیر وغیرہ کے بیان اور ہماری اس گفتگو سے یہ باتیں واضح ہوتی ہیں کہ:

۱۔ دار ارقم اہل اسلام کے محض چھپے رہنے کی جگہ نہ تھی بلکہ اس خفیہ کاری کا ایک بلند تر مقصد تھا یعنی سکون و اطمینان کے ساتھ تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس کا کام انجام دینا، یہ کام نہ

صرف اہم، مفید اور مشکل تھا بلکہ نبوت و رسالت کی تاریخ میں نیا بلکہ انوکھا بھی تھا، تحریک اسلامی کی ہر قسم کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے انسان تیار کئے گئے، ہمہ گیرو ہمہ جہت بلکہ عالمگیر اور اثر انگیز انقلاب کے لئے یہ ساز و سامان ضروری تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی تاریخ میں ایسے جاں نثار تیار کرنے کی مثال نہیں ملتی مگر بعد کے زمانوں کی تمام تحریکیں اسی طریقہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خوشہ چیں نظر آتی ہیں لیکن روحانی دولت سے تہی دامن ہونے کی باعث اور اخلاص نیت کے ساتھ ساتھ تائید الٰہی سے محروم ہونے کی وجہ سے ناکامی سے دوچار ہوتی رہتی ہیں۔

۲۔ وحی مکی کی ایک سورت (شوریٰ) میں اہل ایمان کی قرآنی خوبیوں میں سے ایک وامرھم شوریٰ بینہم (ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں) ۲۱ ۔ بھی ہے، یہ دراصل شورائی جمہوریت کی اولین تربیت کا مرحلہ تھا جس کا فیضان چاروں خلفائے راشدین، بڑے بڑے فاتحین و سپہ سالاران اسلام، روحانی تربیت و تبلیغ اسلام کے علمبردار اور علم و حکمت کے سرچشموں کو جاری کرنے والے اصحاب رسولؐ کا مقدر بنا تھا، پھر نبوت کے مدنی عہد میں وشاورھم فی الامر (معاملات حکومت میں انہیں شریک مشورہ کیا کیجئے) ۲۲ ۔ کے حکم ربانی کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و سیرت طیبہ نے امور سلطنت میں عامتہ المسلمین کی براہ راست شرکت کے احساس، احترام و مساوات اور آزادانہ اظہار رائے کے ایسے خوبصورت نمونے اور مثالیں قائم کیں جو آج کی مغربی جمہوریت اور پارلیمانی نظام کے ظاہری ڈھکوسلوں کو شرماتی اور مات کرتی ہیں۔ آپؐ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنا جاں نشین نام زد کرنے سے انکار فرما کر موروثی ملوکیت اور شہنشاہیت کی جڑ کاٹ دی خلفائے راشدین کے انتخاب کو امت کے سپرد کر کے انفرادی و اجتماعی آزادی رائے اور خود اعتمادی کے جوہر پر مہر تصدیق ثبت فرما دی، پھر آپ کے خلفائے راشدین کے شورائی جمہوری طرز عمل نے یہ بھی پوری طرح ثابت کر دیا کہ دار ارقم، صفہ اور مسجد نبوی کی تربیت موثر، جامع اور مکمل تھی۔

۳۔ مشرکین مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بیت اللہ میں آزادانہ نماز ادا کرنے سے روکتے اور یاد خدا میں خلل انداز ہوتے تھے بلکہ دست درازی کرتے اور ذلیل انداز میں اذیت پہنچاتے تھے، ۲۳ ۔ گوشوں اور گھاٹیوں میں نماز ادا کرنا بھی محفوظ اور آزادانہ طور پر ممکن نہ تھا، اسلامی تعلیمات کی رو سے گھروں میں انفرادی عبادت کے بجائے اجتماعی انداز میں ذکر اللہ اور عبادت کی ایک شان ہوتی ہے، اس لئے مسلمان دار ارقم میں مشرکین

کی نظروں سے اوجھل اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کے لئے اور درس قرآن کے علاوہ ہدایات نبوی اور مشاورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے بیت اللہ شریف میں آزادانہ نماز آسان ہو گئی۔ ۲۴۔

۴۔ اس پوشیدہ مقام پر اہل اسلام کے اجتماع کا مطلب اور مفہوم یہ بھی ہرگز نہیں کہ جو مسلمان ہوتا یہاں آکر پناہ لیتا اور پھر چھپا ہی رہتا. یہاں پر مسلمانوں کا آنا جانا تو کسی سے پوشیدہ نہیں تھا اور نہ ہی تیس چالیس بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ کا کثرت سے آتے جاتے رہنا اتنی تھوڑی سی آبادی والے شہر مکہ میں پوشیدہ رہنا ممکن تھا بات صرف اتنی تھی کہ جو کچھ دار ارقم والی حویلی کے اندر ہوتا تھا وہ سکون و اطمینان کا حامل بھی تھا اور مشرکین کی نظروں سے اوجھل بھی تھا۔

۵۔ اس ضمن میں مؤرخین و تذکرہ نگاروں کو غالباً دو باتوں سے غلط فہمی ہوئی ہے ایک تو یہ کہ غلامان مکہ، زیردست اور بے سہارا یا مستضعفین اپنے آقاؤں، حلیفوں اور اولیائے نعمت سے ڈرتے تھے اور آتے جاتے ہوئے چھپتے چھپاتے تھے، ۲۵۔ یہاں سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ شاید دار ارقم محض چھپنے کی جگہ تھی اور یہاں جو بھی آتا چھپنے کے لئے آتا تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی سے حضورؐ کا پتہ پوچھا تو انہوں نے ڈرتے ہوئے بتایا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دار ارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا اکٹھا ہونا حضرت عمرؓ کو معلوم نہ تھا ورنہ حضرت نعیم بن عبداللہ کے بتانے پر راستہ بدل کر اپنی بہن کے گھر آنے کے کوئی معنی نہ ہوں گے، حضرت عمر دار ارقم ہی جا رہے تھے اور وہیں سے راستہ بدل کر اپنی بہن کے گھر آئے، مگر بات صرف اتنی پوچھی تھی کہ اس وقت حضورؐ کہاں تھے اور بہن نے فوراً بتانے میں ہچکچاہٹ سے کام لیا، اس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت عمرؓ پر دار ارقم میں حضورؐ اور اہل اسلام کا جمع ہونا پوشیدہ تھا، مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔

دار ارقم کا کردار صرف یہی نہ تھا کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپنے کے لئے ایک پناہ گاہ میسر آگئی تھی، اس حویلی میں اگر کوئی بات پوشیدہ طور پر ہوتی تھی تو صرف اتنی کہ اہل اسلام یہاں اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی نماز پڑھ لیتے تھے، لیکن جونہی دعائے نبوی کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور احد الرجلین میں سے سیدنا عمر بن الخطابؓ اسلام میں داخل ہو گئے تو ہجرت حبشہ کے لئے نہ نکلنے والے یا بعد میں نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والے چالیس آدمی

اللہ اکبر کہتے ہوئے باہر نکل آئے اور بیت اللہ شریف میں سب نے نماز ادا کی۔ ۲۶۔ لیکن تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ دار ارقم میں تعلیم کتاب اللہ بھی ہوتی تھی، تعمیر سیرت اور تزکیہ نفوس کے لئے دین اسلام کی حقانیت پر خطبات نبوی بھی ارشاد ہوتے اور دعوت بھی دی جاتی تھی، تبلیغ اسلام کے پروگرام اور مبلغین کی روانگی کا کام بھی یہیں طے ہوتا تھا، وامرھم شوریٰ بینھم کے مطابق غلاموں کو آزادی دلانے، زیردستوں اور مظلوموں کو چھڑانے اور امت اسلام کے مستقبل کے متعلق سوچ بچار اور منصوبہ بندی بھی یہیں ہوتی تھی۔ ۲۷۔

ابتدائی دور کے تذکرہ نگار اور مؤرخ جیسے ابو الولید الازرقی، محمد بن سعد صاحب طبقات کبیر، ابو جعفر ابن جریر طبری ابو عبداللہ حاکم صاحب مستدرک اور ابن الاثیر صاحب الکامل وغیرہ دار ارقم کے حقیقی کردار اور اہمیت سے آگاہ تھے یہ لوگ دار ارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فروکش ہونے کو اتنا اہم واقعہ تصور کرتے ہیں کہ واقعات سیرت و تذکرہ صحابہ کرام کے ضمن میں یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ یہ واقعہ دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل کا ہے اور یہ اس کے بعد کا ہے، گویا جس طرح عام الفیل اور حلف الفضول جیسے واقعات کے حوالے سے تاریخی واقعات کا تعین ہوتا تھا اسی طرح مکی عہد میں سیرت و تاریخ اسلام کے واقعات کا تذکرہ و اندارج بھی دار ارقم میں ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے فروکش ہونے کے حوالہ سے ہوتا تھا۔ لیکن جن باتوں کو یہ متقدمین بزرگ بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں انہیں بعد میں آنے والے درخور اعتنا ہی تصور نہیں کرتے، متاخرین مؤرخین و تذکرہ نگار نہ یہ بتائیں گے کہ دار ارقمؓ میں ایک بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی جن میں سیدنا صہیب، عمار، حمزہ اور عمر بن الخطاب جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے نہ یہ ذکر کریں گے کہ پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کتاب اللہ، دعوت اسلام اور اپنے جاں نثاروں کے دکھ سکھ سننے کے علاوہ انہیں صبر و ہمت کی تلقین بھی یہیں فرماتے تھے بعد میں آنے والے ان حضرات کے لئے افراد امت کا احترام، آزادی رائے اور شورائی طرز حکمرانی ایک قصہ ماضی اور ناقابل فہم اقدار بن گئی تھیں، دراصل اسلام اور امت اسلام کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہوگئی کہ جن اقدار کی برتری، واشاعت کے لئے خاتم الانبیاءؐ آئے تھے وہ دشمنان اسلام و انسانیت کے لئے تو پیغام موت تھیں ہی خود مسلمان جب خلافت کے نام پر بدترین استبدادی شہنشاہیت کے شکنجے میں جکڑے گئے تو ان کے لئے بھی ناقابل فہم باتیں بن گئی تھیں یوں بعد میں آنے والوں کے لئے دار ارقمؓ کی اہمیت صرف اتنی رہ گئی کہ یہاں کبھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ پناہ لی تھی اور بس، چنانچہ یہاں پر ایک مسجد نما زیارت گاہ بنانے پر ہی اکتفا کر لیا گیا، الغرض یہ ہے وہ پس منظر جس نے تاریخ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ دار ارقم کے تاریخ ساز

کردار کو اجاگر کرنے کے بجائے نسیان و فراموشی کے سپرد کرنے کو ترجیح دے، یہ بالکل اسی طرح کا حادثہ فاجعہ ہے جو اسلام کے شورائی جمہوری نظام، انقلاب آفریں اصول اجتہاد اور اسلام کے عطا کردہ بنیادی انسانی حقوق کو غصب کرنے کے سلسلہ میں روا رکھا گیا۔

لیکن تاریخ دار ارقم ؓ کے تاریخ ساز کردار کو مکمل طور پر نسیان و فراموشی کے سپرد کرنے سے عاجز رہی ہے، کیونکہ کتاب و سنت کے ابدی نقوش اس کردار کو تحفظ دینے کے ضامن بن گئے ہیں، کتاب و سنت کے حاملین یعنی محدثین و مفسرین اور سیرت پاک اور تذکرہ نگاران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ضمن میں قابل صد تحسین کارنامہ انجام دیا ہے، کتاب اللہ کی مکی سورت شوریٰ میں اہل ایمان کے جو ستودہ اوصاف بیان کیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک وصف امرھم شوریٰ بینھم ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد جہاں میثاق مدینہ کی شکل میں دنیا کا اولین ریاستی دستور مرتب کروایا اور شورائی طرز حکومت کو نہ صرف اسلامی نظام حکومت کے امتیازی نشان کے طور پر قائم و دائم رکھا بلکہ امرھم شوریٰ بینھم میں اہل ایمان کے نظام زندگی کے جس دائمی امتیاز اور نمایاں وصف کو جملہ اسمیہ (جو تسلسل و استمرار پر دلالت کرتا ہے) کی شکل میں پیش کیا تھا اسے وشاورھم فی الامر (معاملات حکمرانی میں اپنی امت کو شریک مشورہ کیجئے) کے جملہ انشائیہ کے انداز میں حکم ربانی بھی بنا دیا وہاں دار ارقم کی روایت کو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے زندۂ جاوید بنا دیا، صفہ اور مسجد نبوی نے تو دار ارقم ؓ کے نظام باطن اور روح پرور روایت کو سنبھال لیا مگر رسول اکرم ؐ نے حضرت ارقم ؓ کو بنو زریق کے علاقہ میں ایک خاص قطعہ زمین عطا کر کے ظاہری کردار کو بھی محفوظ فرما دیا، یہ جہاں ایک جاں نثار کی قدر دانی اور احسان شناسی تھی وہاں اس سے مکی عہد نبوت میں دار ارقم کی عامتہ المسلمین کی خدمت اور دین اسلام کے اہم مقاصد کی تکمیل میں اس کے اہم کردار کی نشاندہی بھی فرما دی گئی۔ ۲۸۔

مکی عہد نبوت کے دوران میں دار ارقم کے کردار کا ایک پہلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ضمن میں نمایاں ہوتا ہے، اہل اسلام اپنے ہادی و مربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جو مجالس ذکر الٰہی اور تزکیہ نفوس منعقد کرتے تھے ان میں اجتماعی دعا بھی ہوتی تھی، عمرو بن ہشام ابو جہل یا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کے لئے دعا کا تذکرہ واضح طور پر کتب تاریخ، سیرت اور تذکرہ صحابہ ؓ میں جا بجا ملتا ہے۔ ۲۹۔

ابن سعد اور امام حاکم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہا کی پختگی ایمان اور آیات قرآن سے متاثر ہو کر حضرت عمر ؓ نے قبول اسلام کے لئے رغبت و میلان کا اظہار کیا تو حضرت خباب بن الارت ؓ نے انہیں خوشخبری و بشارت سناتے ہوئے کہا کہ عمر! معلوم

ہوتا ہے کہ آپ حضورؐ کی اس دعا کا ثمر ہیں جو آپ نے جمعرات (بعض کے نزدیک پیر اور بدھ کے دن) فرمائی تھی کہ! ۳۰۔

"اللھم! اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ھشام! یعنی اے اللہ تو دونوں میں سے اپنے پسندیدہ بندے کے ذریعہ اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما، عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام!"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوہ صفا کے دامن والے مکان یعنی دار ارقم میں فروکش تھے، حضرت عمرؓ جب دروازہ پر پہنچے تو لوگ گھبرا گئے مگر اللہ و رسول کے شیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تو یہ ہے عمر! اسے آنے دو، اگر تو اللہ نے اس کے مقدر میں بھلائی لکھ دی ہے تو قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار بن جائے گا اور اگر دوسری بات ہوئی تو یہ اب بچکر نہیں لوٹے گا! ۳۱۔

دار ارقمؓ میں پیش آنے والے اس واقعہ سے سورہ شوریٰ میں بیان کردہ اوصاف مومنین میں سے ایک اور وصف کا بھی عملی ثبوت سامنے آتا ہے جو وامرھم شوریٰ بینھم کے علاوہ ہے، یعنی مشرکین مکہ کی بدسلوکی کا ترکی بہ ترکی جواب دینا، اور یہ فیصلہ باہمی مشاورت سے اسی دار ارقمؓ میں انجام پایا جو دار الاسلام اور اہل ایمان کا اولین اجتماعی اور شورائی مرکز تھا! ۳۲۔

محمد بن سعد، ابو الولید الازرقی، امام ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری اور محمد لبیب بتنونی نے دار ارقم کے متعلق بہت مفصل اور قیمتی معلومات درج کی ہیں، ان میں سے بتنونی تو آخری دور سے تعلق رکھتا ہے جس نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل مصر کے بادشاہ کے ہمراہ حج کیا اور دار ارقمؓ کے متعلق اپنے سیاحت نامہ میں بعض وقیع معلومات جمع کر دی ہیں جو اور کہیں نہیں ملتیں، لیکن ابن سعد متوفی ۲۰۷ھ اور ازرقی متوفی ۲۲۳ھ عہد نبوی کے قریب ترین زمانے سے یعنی دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ حاکم نیشاپوری چوتھی پانچویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے ابن سعد کی معلومات پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ ۳۳۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ مکی عہد نبوت میں مرکز اسلام بننے کے بعد دار ارقم کو دار الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اسلام کی اولین وقف عمارت ہونے کے باعث انہوں نے اسے وقف علی الاولاد کے طور پر وقف فی سبیل اللہ قرار دے دیا تھا، ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کو وقف فی سبیل اللہ قرار دینے سے متعلق جو نوشتہ تحریر کیا تھا اس کی نقل میں نے خود پڑھی ہے اس پر یہ عبارت لکھی تھی!

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ فیصلہ ہے جو ارقمؓ نے اپنی حویلی کے متعلق دیا جو کوہ صفا کے

ساتھ واقع ہے، حرم پاک کے پاس ہونے کے باعث یہ حویلی بھی مثل حرم محترم قرار دی جاتی ہے، نہ یہ فروخت ہوگی نہ وراثت میں جائے گی، اس پر ہشام بن عاص اور مولی ہشام بن عاص گواہ ہوئے۔" ۳۴ ۔

یہ حویلی اس کے بعد ہمیشہ وقف رہی، اس میں ان کی آل واولاد مقیم رہتی تھی جو خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عہد تک اسے کرایہ پر دیتے رہے اور معاوضہ بھی وصول کرتے رہے، حضرت ارقمؓ کے پڑپوتے یحییٰ بن عمران بن عثمان کا بیان ہے کہ مجھے آج بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ابو جعفر کے دل میں کیا خیال پیدا ہوا تھا، وہ حج کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا، ہم مکان کی چھت پر ایک خیمہ کے اندر تھے، وہ ہمارے نیچے سے اس طرح سے گزرتا تھا کہ اگر میں اس کی ٹوپی اتارنا چاہتا تو اسے پکڑ سکتا تھا، صفا کی طرف چڑھتے ہوئے نشیبی جگہ سے وہ ہماری طرف دیکھتا چلا جاتا تھا۔ ۳۵ ۔

پھر امام محمد بن عبداللہ بن الحسن نے جب مدینہ میں علم بغاوت بلند کیا تو حضرت ارقمؓ کے ایک پوتے عبداللہ بن عثمان بن ارقم بھی ان کے پیروکاروں میں شامل تھے مگر انہوں نے بغاوت میں شرکت نہیں کی تھی مگر ابو جعفر نے انہیں بھی اس میں ملوث کر لیا اور مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ انہیں بھی زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے، پھر حاکم مدینہ کے پاس اپنا ایک خاص آدمی شہاب بن عبدالرب روانہ کیا اور لکھا کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے، یہ شہاب جب قید خانہ میں عبداللہ بن عثمان بن ارقم کے پاس پہنچا تو وہ لوہے کی بیڑیوں کے بوجھ اور قید خانہ سے تنگ آچکے تھے، ان کی عمر اس وقت اسی سال سے اوپر تھی، شہاب نے کہا! اگر میں آپ کو رہائی دلا دوں تو آپ دار ارقمؓ مجھے فروخت کر دیں گے؟ کیونکہ امیر المومنین اسے خریدنا چاہتے ہیں، اگر آپ فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں تو میں آپ کو ان سے معافی دلا سکتا ہوں، عبداللہ نے کہا کہ یہ تو وقف جائیداد ہے مگر میں اپنا حق انہیں دے سکتا ہوں، اس میں میرے ساتھ اور بھائی بھی حصہ دار ہیں، شہاب نے کہا کہ آپ اپنا حصہ دے دیجئے تو آپ بری ہیں، چنانچہ گواہوں کی موجودگی میں سترہ ہزار دینار پر معاہدہ تحریر ہوا، پھر ابو جعفر نے باقی بھائیوں سے بھی رقم کا لالچ دلا کر ان کے حصے خرید لئے چنانچہ یوں دار ارقمؓ کی عمارت ابو جعفر منصور کے تصرف میں آگئی، ۳۶ ۔ پھر یہ مکان خلیفہ مہدی نے ملکہ خیزران کو دے دیا جو خلیفہ ہارون الرشید عباسی کی ماں تھی، خیزران نے یہ مکان از سر نو تعمیر کرایا اور یہ دار الخیزران کہلایا پھر یہ جعفر بن موسیٰ امیر المومنین کے تصرف میں آگیا، اس کے بعد شطوی اور عدنی صوفیہ کے پیروکار یہاں سکونت پذیر ہوتے رہے، پھر یہ مکان غسان بن عباد نے خرید لیا تھا جو موسیٰ بن جعفر کی اولاد میں سے تھا۔ ۳۷ ۔

امام ابو الولید الارزقی نے "اخبار مکہ و ماجاء فیہا من الاثار" کے عنوان سے مکہ مکرمہ کی مفصل تاریخ مرتب کی ہے جو نہایت مستند اور اصلی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ موصوف نے دار ارقم کے متعلق بھی تفاصیل درج کی ہیں اور وہ اسے ربع آل ارقم بن ابی ارقم (یعنی ارقم بن ابی ارقم کی اولاد کا ڈیرہ یا حویلی) کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کے عہد میں یہ دار الخیزران کے نام سے مشہور ہو چکا تھا اور مسجد کی شکل میں ایک زیارت گاہ خلائق بن چکا تھا، وہ کہتے ہیں! ۳۸ ۔ "یہی وہ حویلی ہے جہاں، حضورؐ مشرکین سے الگ تھلگ رہتے تھے، ارقم کے ہاں آپؐ اور صحابہ کرامؓ جمع ہوتے تھے، آپ انہیں قرآن سکھاتے، ان کی تعلیم و تربیت فرماتے اور یہی وہ مکان ہے جہاں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔"

امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی مستدرک میں ابن سعد کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے البتہ ان کے یہ الفاظ دوسروں سے مختلف اور قابل غور ہیں ۳۹ ۔ کہ "یہی وہ حویلی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے، لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے چنانچہ یہاں بہت سے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے" اور اپنے سفرنامہ الرحلۃ الحجازیۃ میں مصری دانشور محمد لبیب بتنونی لکھتا ہے! ۴۰ ۔ "جہاں تک دار ارقمؓ کا تعلق ہے جو دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے تو یہ صفا کی جانب اوپر جاتے ہوئے ایک گلی میں واقع ہے، یہ وہی مکان ہے جہاں بعثت کے آغاز میں حضورؐ اور آپ پر ایمان لانے والے چھپا کرتے تھے، یہاں وہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام تک چھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے، پھر ان کی قوت و طاقت میں اضافہ ہو گیا اور کھلے بندوں اسلام کا اظہار اور نماز ادا ہونے لگی تھی" بتنونی کے اس بیان کی مزید تفاصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہیں، جن میں سے ایک باب ان تاریخی مآخذ کے محققانہ اور تنقیدی جائزہ پر مشتمل ہے، جن میں دار ارقم کے متعلق مختلف زمانوں میں مختلف انداز میں معلومات درج ہوتی رہیں اور ایک اور باب ہجرت کے بعد دار ارقم پر طاری ہونے والے حالات کی مزید تفاصیل پر مشتمل ہے، یہاں پر بتنونی کی صرف دو باتیں محل نظر ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمان دار ارقم میں چھپا نہیں کرتے تھے البتہ قریش کی دخل اندازی سے بچنے کے لئے یہاں یک سوئی کے ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے اور مواعظ نبویہ سے فیض یاب ہوتے اور تربیت پاتے تھے، دوسری بات یہ کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بعد مسلمانوں نے پہلی بار اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ بات صرف اتنی تھی کہ ان کے رعب اور دبدبے کے طفیل مسلمان اعلانیہ بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرنے لگے تھے!

دار ارقمؓ ! کاروان اسلام کی پہلی منزل

۱ = طبقات ۳/۳/۲۷۳ ۲ = ایضاً سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۶۸

۳ = جمہرۃ انساب العرب ص ۱۶۳

۴ = طبقات ۳/۳/۲۷۳، اخبار مکہ ۱/۲۷۴، مستدرک ۲/۲۶۲

۵ = ایضاً ۶ = ایضاً

۷ = ایضاً ۸ = ایضاً

۹ = ایضاً، شفاء الغرام ۱/۲/۷، الاعلام ص ۵۷۲،

۱۰ = سورت الشوری آیت ۳۸ ۱۱ = طبقات ۳/۲۷۴

۱۲ = ایضاً ۱۳ = ایضاً، اسلامی جمہوریت ص ۷۳

۱۴ = اخبار مکہ ۱/۱۶۵، عہد نبوی کا نظام حکومت ص ۹۳،

۱۵ = تاج العروس (بات) ۱۶ = ایضاً (دار)

۱۷ = اسد الغابہ ۳/۳/۱۷ ۱۸ = ایضاً، الکامل فی التاریخ ۳/۲/۴۲

۱۹ = ایضاً ۲۰ = روح المعانی ۲۹/۲۳/۷، سیرۃ ابن ہشام ۱/۳/۱۷

۲۱ = سورت الشوری آیت ۳۸ ۲۲ = سورت آل عمران آیت ۱۵۹

۲۳ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۰۲ ۲۴ = ایضاً ص ۲۱۶،

۲۵ = طبقات ۳/۳/۱۷ ۲۶ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۱۶

۲۷ = اسلامی جمہوریت ص ۵۱ ۲۸ = طبقات ۳/۲۷۴

۲۹ = ایضاً ۳۰ = ایضاً، مستدرک ۲/۲۷۳

۳۱ = طبقات ۳/۲/۲۷ ۳۲ = ایضاً

۳۳ = اخبار مکہ، ۱/۲۷۳، طبقات ۳/۳/۲۷۳، مستدرک ۲/۲۷۳، الرحلۃ الحجازیہ ص ۱۶۵

۳۴ = طبقات ۳/۳/۲۷۳، الرحلہ ۱۶۵ ۳۵ = ایضاً

۳۶ = ایضاً ۳۷ = ایضاً

۳۸ = اخبار مکہ ۱/۲/۲۷ ۳۹ = مستدرک ۲/۲۷۳

۴۰ = الرحلۃ الحجازیہ ص ۱۶۶

صاحب خانہ سیدنا ارقم مخزومی رضؓ! شخصیت و کردار

ہجرت نبوی کے وقت سیدنا ابو ایوب انصاری رضؓ کو محسن انسانیت رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور وہ تاریخ میں شہرت عام اور بقائے دوام سے سرفراز ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ آفتاب رسالت ؐ نصف النہار کے مرحلے میں پہنچ کر دنیا کے ہر گوشے کو جگمگا رہا تھا اس لئے میزبانی کے شریف کا وہ غیر فانی لمحہ تو سب کی نظر میں تھا۔ اس لئے غیر فانی ہو گیا مگر مکی عہد نبوت کے دوران میں دار ارقم رضؓ کو جب کاروان اسلام کی پہلی منزل اور اولین تربیت گاہ و اسلامی دارالشوریٰ کا شرف نصیب ہوا تو اس وقت اس منظر کا مشاہدہ کرنے والی آنکھیں کثرت تعداد کے لحاظ سے وادی یثرب کی ایوبی میزبانی کا منظر دیکھنے والی آنکھوں کے برابر نہ تھیں اور جن آنکھوں نے ارقمی دارالشوریٰ کے روح پرور مناظر کے مشاہدات محفوظ کئے ہوئے تھے وہ یا تو انہیں ریکارڈ کرنے والے صفحات تاریخ کے سپرد کئے بغیر بند ہو گئی تھیں یا پھر تاریخ کے یہ صفحات دار ارقم رضؓ کی عظمت کے ادراک سے عاجز رہ گئے تھے، اس لئے انہیں درخور اعتنا نہ سمجھا گیا لیکن اس سے دار ارقم کی عظمت اور اس کے تاریخ ساز کردار کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آئی، دار ارقم غار حراء کی طرح مقدس اور صفہ اور مسجد نبوی کی مانند پاکیزہ تاریخ ساز کردار کا مالک مکان تھا اور اس عنوان سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

مکہ مکرمہ میں کوہ صفا کے دامن میں واقع اس حویلی کی ملکیت کا شرف قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کے ایک مومن مخلص، اولوالعزم اور پرجوش نوجوان کو حاصل تھا، تاریخ اس عظیم و جلیل ہستی کو ارقم بن ابی ارقم رضؓ کے نام سے جانتی ہے، تاریخ اسلام کی اس عظیم و جلیل ہستی کے احوال و سوانح حیات پر ایک نظر ایثار و وفاء کی اس داستان کو ہمارے سامنے نمایاں کر دے گی جو آج بھی قلب و جگر

کے لئے حرارت ایمانی اور نگاہوں کے لئے ضیائے سرمدی کا سامان کرتی ہے، ایثار و وفاء اور قدر دانی واحسان شناسی سے لبریز اس داستان حیات سے دار ارقمؓ کے تاریخ ساز کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس لئے کتب تذکرہ نویسی، تاریخ اور سیرت کے مستند مواد و معلومات کی روشنی میں کوہ صفا کے دامن میں واقع اس تاریخ ساز حویلی کے مالک سیدنا ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کے احوال و سوانح حیات کا ایک خاکہ مرتب کرنا نہایت موزوں اور موقع کی مناسب سے بے حد ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قبیلہ بنو مخزوم کے اس الوالعزم مومن مخلص اور پرجوش نوجوان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابو عبداللہ ارقم بن (ابی ارقم) عبد مناف بن (ابی جندب) اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت ارقمؓ کی والدہ ماجدہ کا نام تماضر بنت حذیم ہے جو قبیلہ بنو سہم بن عمرو بن ہصیص سے تعلق رکھتی ہیں۔ ۳۔ ارقم اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا مادہ (ر ق م) ہے اور اس کے معنی ہیں تحریر کرنا، نقطے لگانا اور نقش و نگار سے مزین کرنا، اہل عرب کہتے ہیں! رقم الکتاب (علی اور فی کے صلہ کے ساتھ اور صلہ کے بغیر دونوں طرح مستعمل ہے) یعنی اس نے کتاب یا خط لکھا، حروف کو نقطوں سے یا نقش و نگار سے سجایا، ۴۔ اس لحاظ سے ارقم کے ایک معنی سب سے زیادہ لکھنے والا، نقطوں سے حروف کو واضح کرنے والا اور نقش و نگار سے انہیں مزین کرنے والا بنتے ہیں، لیکن الارقم کے ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ ہیں! ذکر الحیات (سانپوں میں نر سانپ) اور اخبث الحیات (سب سے زیادہ خبیث سانپ) ۵۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو مخزوم قریش مکہ کے سرکردہ اور نہایت بااثر قبائل میں سرفہرست تھا، اس قبیلے کے جد امجد مخزوم بن یقظہ کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے، یقظہ بھی مرہ بن کعب کا بیٹا تھا اور سرتاج قریش قصی (جو ہاشم بن عبد مناف کا باپ تھا) کا باپ کلاب بھی مرہ بن کعب کا ہی بیٹا تھا، ۶۔ لیکن اسلام کی آمد کے وقت بنو مخزوم کا سردار ولید بن مغیرہ (حضرت خالد سیف اللہ کا باپ) ایک مانا ہوا مدبر، صائب الرائے، ماہر زبان، نقاد شعر اور عربی فصاحت و بلاغت کا امام تھا، ۷۔ اسلام کی تاریخ میں قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھنے والے اور بھی نمایاں نام ہوئے ہیں، ابو جہل عمرو بن ہشام اسی ولید کا بھتیجا اور حضرت خالدؓ کا چچا زاد بھائی تھا جو اسلام اور اہل اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ضدی دشمن تھا، ۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی عبداللہ بن عبد المطلب کی والدہ ماجدہ فاطمہ (بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ) کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے، ۹۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پھوپھی (برہ بنت عبد المطلب) قبیلہ بنو مخزوم میں بیاہی گئیں جو حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ المخزومی کی والدہ تھیں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے شوہر کے ساتھ مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھیں، حضورؐ کے نکاح میں آئیں اور ام المومنین ہونے کا شرف پایا، ۱۰۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا تعلق بھی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے ہے، ۱۱۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چوتھی پانچویں پشت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور ابو جہل بن ہشام سے جا ملتا ہے، اولین معرکہ حق و باطل یعنی غزوہ بدر میں لشکر قریش کی سپہ سالاری بھی اسی قبیلہ بنو مخزوم کے ضدی سردار ابو جہل بن ہشام مخزومی کے پاس تھی۔ ۱۲۔ بعد کے ادوار میں بھی اس قبیلے میں شعراء، علماء اور فقہاء پیدا ہوئے جن میں فقیہ مدینہ حضرت سعید بن مسیبؒ بہت نمایاں مقام کے مالک ہیں ۱۳۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو مخزوم کے متعلق یہ تفاصیل پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلے کا مرتبہ و مقام ہمارے سامنے آ جائے اور تحریک اسلامی کے حوالے سے اس کے مختلف افراد کی سرگرمیوں کا نقشہ بھی ہمارے سامنے رہے تاکہ دار ارقم رضی اللہ عنہ کے تاریخ ساز کردار کو سمجھنے اور اس قبیلے کے عظیم فرزند کے جذبہ ایثار اور ایفائے عہد کا بھی اندازہ ہو سکے، قبیلہ مخزوم کی چار شخصیات ایسی ہیں جو تحریک اسلامی کے حوالے سے بہت سرگرم نظر آتی ہیں، ان میں سے تین کا تعلق بنو مخزوم کی ایک ہی شاخ سے ہے اور صرف ایک شخصیت ایسی ہے جو اس قبیلے کی دوسری شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک ہی شاخ سے تعلق رکھنے والی تین شخصیات میں سے ایک تو ولید بن مغیرہ ہے جو شعر و ادب کے بلند ذوق کا مالک تھا، ادبی تنقید کا امام متصور ہوتا تھا اور فصاحت و بلاغت میں بلند مقام پر فائز تھا، اس وقت کے عرب شعراء اپنا اپنا کلام تبصرہ و تنقید کے لئے اس کے سامنے پیش کرتے اور اس کی قطعی رائے کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے، قریش مکہ کا وہ ادبی مشیر تھا اور لوگ اعجاز القرآن کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے مشورہ پر چلتے تھے، ۱۴۔ باوجودیکہ وہ قرآن کریم کی شیرینی و تازگی سے متاثر تھا اور اس کے اسلوب کو بشری استعداد و صلاحیت سے بلند و برتر قرار دیتا تھا مگر ولید بن مغیرہ کے نصیب میں اسلام سے مشرف ہونا مقدر نہ تھا، اسی ولید کا ایک بیٹا تھا جو خالد بن ولید بن مغیرہ کہلاتا تھا، ہجرت نبوی کے بعد جنگ احد اور صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سرگرم نظر آیا مگر جب قسمت نے یاوری کی اور اسلام سے مشرف ہوا تو سیف اللہ کا لقب پایا، غزوہ احد میں اہل اسلام کی فتح کو شکست میں بدلنے والا خالد بن ولید اسلام قبول کرنے کے بعد جنگ موتہ میں مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ نہ صرف یہ کہ رومیوں

کے لشکر جرار کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہوا بلکہ مجاہدین اسلام کو بھی اس لشکر جرار کے نرغے سے نکال لایا، اسی موقع پر دربار نبوی سے خالد بن ولید کو خالد سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا یہی خالد سیف اللہ مخزومی ؓ ہیں جو جنگ موتہ سے لے کر شام و عراق میں اسلامی فتوحات کے محیرالعقول جنگی کارنامے انجام دے کر اسلام کی حربی تاریخ میں ایک روشن و قابل فخرباب کی حیثیت سے زندۂ جاوید ہو گئے، ۱۵ ۔ اسی ولید بن مغیرہ کا ایک سگا بھتیجا تھا جو تھا تو ابو الحکم عمرو بن ہشام بن مغیرہ مگر اسلام دشمنی میں اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث ابو جہل قرار پایا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و دل آزاری اور مسلمانوں کی اذیت رسانی و بیخ کنی میں تمام انسانی و اخلاقی حدود پھلانگ جانے کے باعث مردود زمانہ ٹھہرا اور عداوت و نفرت اسلام میں اندھا ہو کر جنگ بدر میں قتل ہوا اور واصل جہنم قرار پایا۔

ابو جہل اگر بنو مخزوم کا فرعون تھا تو اسی قبیلے کی ایک دوسری لڑی میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا پرعزم و پرجوش نوجوان بھی پیدا کیا جو اس فرعون کے مقابلے میں موسیٰ ہونے کا شرف رکھتا ہے، ابو جہل نے اگر اہل اسلام کے لئے گلیوں میں آزادانہ چلنا پھرنا، نماز پڑھنا اور دین حق پر عمل کرنا مشکل بنا دیا تھا تو اس نوجوان نے اپنا وسیع مکان اسلام اور اہل اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا جہاں نہ صرف پرسکون پناہ گاہ میسر تھی بلکہ ذکر و عبادت، وعظ و تبلیغ اور اجتماع و مشاورت کا آزادانہ موقع بھی میسر تھا، ابو جہل قریش کی سرداری کا دعویدار اور مستضعفین اسلام یعنی غلاموں اور کمزور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے اور ان کی اذیت رسانی میں حد سے بڑھ گیا تھا مگر اس کے برعکس اسی قبیلہ بنو مخزوم کے اس دوسرے پرعزم اور پرجوش نوجوان نے کوہ صفا کے دامن میں واقع اپنی کھلی حویلی ان مسلمانوں کے لئے وقف کر دی تھی، یہی مکان اسلام کی اولین وقف جائیداد قرار پایا اور یہی کاروان اسلام کی پہلی منزل بھی تھی، مسلمانوں کا سب سے پہلا کمیونٹی سنٹر اور اسلام کی اولین تربیت گاہ بھی یہی حویلی تھی جہاں پر مسلمان ظلم و بربریت کے علمبرداروں کی آنکھوں سے اوجھل رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت و شفقت کے سایہ میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے تھے، امت کے مستقبل پر غور ہوتا تھا، تبلیغ اسلام کے پروگرام بنتے تھے اور تحفظ امت کے ساتھ ساتھ اشاعت و غلبہ دین کے لئے عملی تربیت بھی میسر آتی تھی ۱۶ ۔

ظاہر ہے حضرت ارقم ؓ کا یہ عظیم الشان کار خیر بڑے جی گردے کا کام اور جرات کے ساتھ ساتھ ہمت کا بھی آئینہ دار تھا، یہ اقدام ابو جہل اور دیگر سرداران قریش کے غیظ و غضب کو دعوت دینے کے بھی مترادف تھا، تاہم ابو جہل کی اکڑفوں، ضد اور ہٹ دھرمی کا جواب یہی تھا، بنو مخزوم کے فرعون کا جواب بنو مخزوم کا موسیٰ ہی ہو سکتا تھا، اگر کوئی اور اپنا گھر وقف کرتا تو شاید

ابو جہل کو وہاں گھسنے سے روکنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا، لیکن ابو جہل کو اپنے جس قبیلے پر تکیہ تھا۔ اسی قبیلے کا نوجوان سینہ تان کر اس کے سامنے ڈٹ گیا تھا، یہ بہت بڑی بات تھی اسی سبب سے تو دار ارقمؓ دار الاسلام یعنی اسلام کا گھر، دار الشوریٰ اور مرکز امت کہلاتا تھا اور اسی سبب سے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر بھی اس محسن امت کو نہ بھلایا بلکہ ایک خصوصی قطعہ زمین پر مدینہ منورہ کا دار ارقمؓ تعمیر کرنے کا سامان فرمایا،۱۸۔ مگر بادشاہوں کے واقعات پر قناعت کرنے والی تاریخ نے صاحب دار ارقم کے ساتھ انصاف نہیں کیا، متعلقہ ریکارڈ کی تفاصیل کو محفوظ کرنے میں بخل سے کام لیا ہے تاہم بین السطور اشارات سے حقیقت تک رسائی مشکل سہی مگر ناممکن ہرگز نہیں!

قبول اسلام میں بھی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کو سبقت کا شرف حاصل ہے اور وہ سابقین اولین مقربین میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن سعد اور امام حاکم وغیرہ نے صراحت سے لکھا ہے کہ حضرت ارقمؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت عثمان بن مظعون ایک ساتھ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ حضرت ارقمؓ کے بیٹے عثمان بن ارقم جو ثقہ محدث ہیں کہا کرتے تھے ۱۹۔ کہ!

"انا ابن سابع الاسلام، اسلم ابی سابع سبعۃ یعنی میں (عثمان) ایک ایسی ہستی کا فرزند ہوں جنہیں اسلام میں ساتواں درجہ حاصل ہے، میرے والد اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی ہیں"

بعض روایات کے رو سے حضرت ارقمؓ دسویں یا بارھویں مسلمان ہیں، تاہم ایک بات مسلم ہے کہ وہ چند ایک سابقین اولین میں سے ایک ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرفرازی نبوت کے فوراً بعد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ۲۰۔ علامہ ہاشم سندھی نے بذل القوۃ فی سنی النبوۃ میں حضرت ارقمؓ کو نبوت کے پہلے سال کے دوران میں اسلام قبول کرنے والوں میں شمار کیا ہے،۲۱۔ حافظ ابن حجر نے بھی الاصابہ میں ابن سعد اور حافظ ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری کے قول کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں ان کے دسواں یا بارھواں مسلمان ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۲۔

حضرت ارقمؓ کے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا اس لئے آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی، ۲۳۔ دوسرے بیٹے کا نام عبیداللہ تھا جس کی والدہ ام ولد یعنی آزاد کردہ لونڈی تھی، تیسرے کا نام امیہ تھا، چوتھے کا نام عثمان تھا ان کی والدہ بھی ام ولد تھی، ایک بیٹی کا نام مریم تھا جو ہند بنت عبداللہ بن حارث بن اسد بن خزیمہ کے بطن سے تھی، ۲۴۔ امیہ کی

ماں بھی یہی تھی، دوسری بیٹی کا نام صفیہ تھا اور یہ بھی ایک ام ولد کے بطن سے تھی، ابن سعد کے زمانے میں حضرت ارقمؓ کی آل اور اولاد کی تعداد بیس سے متجاوز تھی اور یہ سب نسل عثمان بن ارقمؓ سے چلی ابن سعد نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت ارقمؓ کی کچھ اولاد بلاد شام کی طرف بھی منتقل ہو گئی تھی۔ ۲۵ ۔

حضرت ارقمؓ کے بیٹے عثمانؓ کو صحبت نبوی کا شرف بھی حاصل ہے، چنانچہ حافظ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں ان کا تذکرہ اصحاب رسول میں کیا ہے، رواۃ حدیث میں انہیں ثقاہت و استناد کا درجہ حاصل ہے، ۲۶ ۔ محدثین اسلام نے حضرت ارقمؓ کی تمام روایات ان کے اسی نامور فرزند کی زبانی روایت کی ہیں، ان کی اولاد میں سے عبداللہ بن عثمان بن ارقمؓ عمران بن عثمان بن ارقمؓ یحیٰ بن عثمان بن ارقمؓ یحی بن عمران بن عثمان بن ارقمؓ اور عثمان بن ہند بن عبداللہ بن عثمان بن ارقمؓ بھی راویان حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور کتب حدیث و اسماء الرجال میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ۲۷ ۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ان کے پوتے حضرت عبداللہ بن عثمان بن ارقمؓ کو دار ارقم کے باعث سخت آزمائش سے بھی گزرنا پڑا، تیس سالہ دور خلافت راشدہ بیت گیا تو خلافت ملوکیت میں ڈھل گئی اور امت پر مطلق العنانی اور استبداد مسلط ہو گیا، وامرھم شوریٰ. اور وشاورھم کے اوصاف و احکام ایک خواب بن گئے اور دار ارقم کی شورائی جمہوری روایات بھی قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں تو نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جاں نثار اور فدا کار کی قربانی کو فراموش کر دیا گیا بلکہ کوہ صفا پر واقع اس مکان کی صرف اتنی اہمیت رہ گئی کہ یہاں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ کے لئے چھپ (کان مستخفیا اور مختبا) ۲۸ ۔ گئے تھے، اور یوں ایک قابل فخر روایت پس پشت ڈال دی گئی اور ایک شاندار تاریخ کو طاق نسیاں میں رکھ دیا گیا حتی کہ بعد میں آنے والے مورخین اور تذکرہ نگاروں کے لئے دار ارقم ایک ناقابل فہم کہانی اور ایک ناقابل حل معمہ بن کر رہ گیا۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں دار ارقم کی وقف جائیداد کو استبداد کی نظر نے قابل خرید و فروخت تصور کرنا شروع کر دیا، عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے حضرت عبداللہ بن عثمان بن ارقم (جو تابعی ہونے کے علاوہ ایک صحابی کے بیٹے اور دوسرے صحابی کے پوتے بھی تھے) کو جھوٹے مقدمہ میں پھنسا کر دار ارقم ہتھیانے کا فیصلہ کر لیا، یحیٰ بن عمران بن عثمان بن ارقم نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ مجھے آج بھی خوب معلوم ہے کہ ابو جعفر منصور کے دل پر کیا گذری تھی، وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دوران حج گذر رہا

تھا، ہم سب لوگ دار ارقم کی چھت پر ایک خیمہ میں تھے، خلیفہ ہمارے پاس سے نیچی جگہ سے یوں گزرتا تھا کہ اگر میں اس کے سر پر سے ٹوپی اتارنا چاہتا تو اتار لیتا، وہ وادی کے نشیب میں اترتے اور صفا کی طرف اوپر چڑھتے ہوئے ہمیں گھور گھور کر دیکھتا تھا، ۲۹۔ پھر جب محمد بن عبداللہ بن الحسن ؓ نے مدینہ منورہ میں خروج کیا تو حضرت عبداللہ بن عثمان ؓ بھی ان کے پیروکاروں میں تو شامل تھے مگر ان کے ساتھ خروج میں شامل ہونے والوں میں نہیں تھے مگر ابو جعفر منصور نے اتنی بات پر ہی اسے پکڑ لیا اور مدینہ میں اپنے والی کو لکھا کہ عبداللہ بن عثمان کو بیڑیاں پہنا کر قید تنہائی میں ڈال دو۔

سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنا وسیع و عریض گھر دار الاسلام قرار دے کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا، اس سے مسلمانوں کو تعلیم و تربیت اور ذکر و عبادت کے ضمن میں بہت بڑی سہولت حاصل ہو گئی تھی اور وہ کفار مکہ کے ظلم و تعدی کی زد سے بھی محفوظ ہو گئے تھے لیکن اس اقدام پر قریش خصوصاً فرعون بنی مخزوم ابو جہل کا ردعمل کیا تھا؟ اس نے بنو مخزوم میں پیدا ہونے والے وقت کے اس موسیٰ حضرت ارقم ؓ سے کچھ تعرض کیا یا نہیں اور اگر کیا تو اس کے نتائج و اثرات کیا تھے؟ یہ اور ایسے ہی کئی اور سوالات ہیں جن کے متعلق تاریخ خاموش ہے، تاہم اندازہ یہ ہے کہ فرعون قریش کو اس کا دکھ اور رنج اس قدر تھا کہ وہ غصے کا زہر پیتے اور بل کھاتے ہوئے کوہ صفا کے دامن میں واقع اس تاریخی مکان کے آس پاس منڈلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ ۳۰۔ مگر شاید "موسیٰ" کے ڈر سے دار ارقم کے اندر جانے کی اس میں ہمت نہ تھی، چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے قبل ابو جہل ایک روز کوہ صفا والے اس مکان کے پاس نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہی تشریف فرما ہیں، ابو جہل کی فرعونیت خبث باطن کا زہر اگلنے لگتی ہے، ذات نبوی کی شان میں گستاخانہ انداز اختیار کرتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، آپ کوئی جواب نہیں دیتے بلکہ وہاں سے اٹھ کر مکان کے اندر تشریف لے جاتے ہیں، یہ سارا منظر ایک لونڈی دیکھ رہی ہے جو حضرت حمزہ کے شکار سے واپس آنے پر تمام ماجرہ انہیں کہہ سناتی ہے اللہ اور رسول ؐ کا شیر غضبناک ہو کر ابو جہل کا رخ کرتا ہے جو بیت اللہ میں صنادید قریش کے حلقہ میں موجود ہے، جاتے ہی اس کے سر میں کمان دے مارتے ہیں اور اپنے اسلام کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ ۳۱۔

یہ مفصل واقعہ متعدد اہل علم نے نقل کیا ہے مگر اس میں دار ارقم کے متعلق جو دھندلا سا اشارہ ہے اس کی طرف شاید ہی کسی کا دھیان گیا ہو، اکثر حضرات اور بالخصوص بعد کے ادوار کے مورخین اور تذکرہ نگار دار ارقم کو ایک ایسی جگہ ہی تصور کرتے ہیں جہاں بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام چھپے رہتے تھے مگر یہ کوئی نہیں بتا سکا کہ فرعون بنو مخزوم ابو جہل اپنے قبیلے

کے "موسیٰ" ارقمؓ بن عبد مناف کے مکان کے اندر جھانکنے کی بھی جرأت کیوں نہ کر سکا؟ البتہ آس پاس منڈلاتا رہا اور دین حق کی روز افزوں اشاعت و تقویت سے جلتا رہا اور ہاتھ ملتا رہا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں فروکش ہونے والے فرعون قریش کی دسترس سے محفوظ تھے، اور وہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی حضرت ارقمؓ کے گھر کے اندر کی سرگرمیوں سے بے خبر اور کسی کو کوئی گزند پہنچانے سے عاجز تھا، اس دار ارقم میں فروکش ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کرامؓ کے درمیان ہجرت حبشہ کا فیصلہ ہوا تھا اور پہلی ہجرت میں چودہ اور دوسری میں اسّی سے زائد مرد اور خواتین اللہ کی راہ میں نکل کر گئے تھے مگر اس دار ارقم کی محفوظ پناہ گاہ کی بدولت بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے بھی قرآن کریم سیکھنے اور اسلامی تعلیم و تربیت پانے کے علاوہ ہر قسم کا تحفظ بھی اسی جگہ پاتے تھے۔ ۳۲۔

سیدنا ارقمؓ بن عبد مناف ہجرت مدینہ کے بعد بھی اسلامی تاریخ کے حوادث و وقائع کی سٹیج پر متعدد بار نمایاں ہوتے دکھائی دیتے ہیں یوں تو نظام نبوی میں خبر گیری کا سلسلہ کسی کو بھی محروم نہیں رکھتا تھا مگر سیدنا ارقمؓ پر تو آفتاب ؐ نبوت کی خصوصی نظر عنایت تھی، تاریخ نے ہمارے لئے یہ بات بھی محفوظ کر دی ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم جاری فرمایا تھا کہ وادی یثرب میں قبیلہ بنو زریق کے علاقے میں ایک خاص قطعہ زمین حضرت ارقمؓ کو عطا کیا جائے جہاں پر مدینہ منورہ کا دار ارقمؓ تعمیر ہو تاکہ محسن انسانیتؐ کی قدر دانی اور احسان شناسی پر بھی گواہ رہے، اس جلیل القدر مخزومی نوجوان کی عزت افزائی کا وسیلہ بھی ثابت ہو اور مکہ مکرمہ میں کوہ صفا کے دامن میں واقع دار ارقمؓ کے تاریخ ساز کردار کی یاد بھی دلاتا رہے، مدینہ منورہ کا یہ دار ارقم ایک طویل مدت تک باقی رہا اور ان کی آل و اولاد کے تصرف میں رہا۔ ۳۳۔

اس کے علاوہ مختلف مواقع پر حضرت ارقمؓ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نظر عنایت بھی رہی، وہ جو مانگتے عطا ہوتا، جو خواہش ظاہر کی جاتی پوری کی جاتی تھی، بعض اوقات مال غنیمت میں سے انہیں خصوصی عطیات سے بھی سرفراز فرمایا جاتا تھا، اولین معرکہ حق و باطل غزوۂ بدر کے موقع پر حملہ آور کفار مکہ کی شکست فاش کے نتیجہ میں جو مال غنیمت حاصل ہوا اس میں ابن عائذ المرزبان کی تلوار بھی تھی، حضرت اوقمؓ نے یہ تلوار پہچان کر حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو مجسم جود و سخا صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اور بلا تردد ان کی یہ خواہش پوری فرما دی۔ ۳۴۔

دعوت اسلام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں وحدت نسل انسانی، احترام و تکریم آدمیت اور باہمی مشاورت کو اولیت حاصل ہے، لیکن اپنے ماننے والوں کو یہ دعوت اسلام ایک قدم اور آگے اور ایک درجہ اور بلند لے جانا چاہتی ہے، یہ قدم اور یہ درجہ اخوت اسلامی سے

عبارت ہے، چنانچہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں بھی اہل ایمان کی مواخات کرائی تھی اور پھر ہجرت مدینہ کے بعد تو مہاجرین وانصار کے درمیان اس مقدس رشتہ کو خون کے رشتوں سے بھی زیادہ اہم و برتر قرار دیا تھا، قرآن کریم میں اسے اللہ رب العزت کی خاص نعمت سے تعبیر فرمایا گیا،۳۵۔ تاریخ اسلام میں مواخات مدینہ کو ایک بے نظیر باب اور دور رس نتائج کے حامل واقعہ کی حیثیت حاصل ہے، خون اور نسب کے رشتوں کو مسترد کر کے ایمان و عقیدہ اور نظریہ حیات کو رشتہ اخوت کی بنیاد قرار دیا گیا،۳۶۔ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ارقمؓ کا بھائی چارہ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاریؓ سے کرایا تھا جو بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور سابقین اولین کا ابدی اعزاز پانے کے علاوہ غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے بھی نوازے گئے تھے۔۳۷۔

دار ارقم کا یہ مالک اور بنو مخزوم کے فرعون ابو جہل کے سینہ پر مونگ دلنے والا یہ مرد مومن (اپنے وقت کا موسیٰ) حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں سنہ پچپن اور ایک روایت کے مطابق سنہ ترپن ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جاملا، اس وقت ان کی عمر تراسی یا پچاسی سال کے لگ بھگ تھی، امام ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری کا قول ہے کہ وکان الارقم من آخر اہل بدر وفاۃ (ارقم اہل بدر میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔)۳۸۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ سپہ سالار اور فاتح اسلام سیدنا سعدؓ بن ابی وقاص پڑھائیں گے، اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے والی مدینہ کے منصب پر مروان بن حکم اموی فائز تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت وادی عقیق میں واقع اپنے محل میں قیام پذیر تھے جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر ہے، حضرت ارقمؓ جب انتقال کر گئے تو حضرت سعدؓ کو پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی، اس پر مروان نے ان کے ورثاء سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کا جنازہ ایک ایسے شخص کے انتظار میں پڑا رہے جو شہر سے ہی غائب ہے، اب ان کا جنازہ میں پڑھاؤں گا مگر حضرت ارقم کے بیٹے عبداللہ نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا، اس پر تلخ کلامی کا تبادلہ بھی ہوا مگر مدینہ منورہ میں موجود قبیلہ بنو مخزوم کے لوگ آڑے آگئے اور مروان بن حکم والی مدینہ کو جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا، آخر کار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور وصیت کے مطابق حضرت ارقمؓ کی نماز جنازہ پڑھائی،۳۹۔ (یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خود حضرت سعدؓ بھی اسی سال فوت ہو گئے اور ان کی میت ان کی وصیت کے مطابق مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفنائی گئی)۔

ابن الاثیر نے صراحت سے لکھا ہے کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ۴۰ ۔

یوں سیرت نبوی کے ایک اہم باب دار ارقم کا بطل جلیل اس دنیا سے رخصت ہو گیا جو ہجرت کے بعد بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور نظر رہا اور آپ کی محبت و اطاعت کو اپنا لازمی شعار بنائے رکھا قیام مدینہ منورہ کے دوران بھی وہ سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، چنانچہ محمد بن سعد اور دیگر تمام تذکرہ نگاروں کی صراحت کے مطابق وہ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام غزوات و مواقع میں شریک ہوئے۔ ۴۱ ۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے توسط سے بعض ارشارات نبوی بھی امت کو منتقل ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ مسجد نبوی کی ایک نماز دیگر مساجد (سوائے مسجد الحرام کے) میں پڑھی جانے والی ایک ہزار نماز سے افضل ہے، ان سے ہی مروی ہے چنانچہ حضرت ارقمؓ کے اہل بیت کی زبانی محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ارقمؓ بیت المقدس کے لئے سفر کی نیت سے تیار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، آپؐ نے پوچھا! ارقمؓ سفر سے کیا مقصود ہے کیا کاروبار تجارت کا ارادہ ہے یا کوئی اور ضرورت ہے؟ عرض کیا! یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن میں بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کی نیت سے جا رہا ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا! ۴۲ ۔

> "صلاۃ فی مسجدی ہذا خیر من الف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام، قال فجلس الارقم یعنی میری اس مسجد میں ایک نماز دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے راوی بیان کرتا ہے کہ یہ سن کر حضرت ارقم وہیں بیٹھ گئے!"

اس حدیث سے تین باتیں سامنے آتی ہیں، ایک مسجد نبوی کا مسجد اقصیٰ سے افضل ہونا، دوسری حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا جذبہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ حضرت ارقمؓ کے دل میں مسجد اقصیٰ کی محبت اور اشتیاق زیارت موجزن تھا، غالباً اس محبت اور اشتیاق کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد اقصیٰ معراج نبوی کی علامت ہونے کے علاوہ ایک مدت تک اہل اسلام کا قبلہ اول رہا تھا، مکہ مکرمہ اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک مسجد اقصیٰ ہی مسلمانوں کا قبلہ اول رہی، شاید دار ارقم میں اہل اسلام جس عبادت و ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اس میں بھی مسجد اقصیٰ ہی قبلہ رہی ہوگی، اسی لئے حضرت ارقمؓ کے

دل میں اس مقدس مسجد کی زیارت کا شوق پیدا ہوا ہو گا۔

متعدد اصحاب حدیث نے حضرت ارقمؓ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ ۴۳ ـ

ان الذی یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ و یفرق بین الاثنین بعد خروج الامام کالجار قصبہ فی النار یعنی جمعہ کے روز امام کے کھڑا ہو جانے کے بعد جو شخص لوگوں کی گردنوں کو روندتے ہوئے آگے آتا ہے اور دو نمازیوں کو الگ کر کے درمیان میں بیٹھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو جہنم کی آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھرتا ہے۔"

یہ تھے چند منتشر نقوش جن سے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور کردار کی ایک لفظی تصویر ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے، یہ نقوش ناکافی سہی اور یہ تصویر بھی کچھ دھندلی ہی سہی مگر یہ نقوش جوڑنے سے ایک تصویر ضرور ابھرتی ہے اور اس تصویر میں سیدنا ارقمؓ کی شخصیت و کردار پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے مثلاً

۱۔ حضرت ارقمؓ کا جوش ایمان اور جذبہ ہمت و جرات فرعون بنی مخزوم ابو جہل کو خاطر میں نہیں لاتا، وہ تحریک اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے اور بند باندھنے میں منہمک و سرگرداں تھا اور اہل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے اور ان کا راستہ روکنے میں لگا ہوا تھا، یہاں تک کہ وہ بنو مخزوم کے آل یاسر جیسے لوگوں کی عزت و احترام کو بھی پس پشت ڈال چکا تھا مگر اسی قبیلہ بنو مخزوم کا نڈر اور پرجوش نوجوان (کیونکہ قبول اسلام کے وقت وہ صرف تیس سال کے تھے) اپنے وقت میں موسوی کردار ادا کرتا ہے اور تحریک اسلام اور اس کے علمبرداروں کو اس فرعون وقت کی دسترس اور ہر قسم کی گزند سے محفوظ کر دیتا ہے۔

۲۔ تحریک اسلام جس ہمہ گیر و ہمہ جہت انقلاب اور جن بلند مقاصد کے لئے اٹھی تھی ان کے اہم تقاضوں میں عمل کی یک سوئی، کارکنان و ارکان تحریک کی تربیت اور محفوظ و کامیاب مستقبل کے لئے موثر و نتیجہ خیز منصوبہ بندی سرفہرست ہے، یہ کام جہاں قلب و روح کی تربیت اور تزکیہ نفس کے مقتضی ہیں (جس کا بہترین وسیلہ دعوت و ارشاد اور عبادت و ذکر اللہ ہے) وہاں اس کے لئے ایمان و خود اعتمادی کی دولت بھی درکار ہوتی ہے (وامرھم شوریٰ کے مطابق باہمی مشاورت اس کا عملی اظہار ہے)، ان تقاضوں کا ادراک محسن عالم بشری کی نگہ بلند و جان پرسوز ہی کر سکتی تھی مگر اس کے لئے وسیع حویلی کی شکل میں مادی وسائل مہیا کرنا بھی عزیمت و وسعت نظر کی دلیل ہے اور یہ سعادت حضرت

ارقمؓ کے حصے میں آئی۔

۳۔ وادی بطحاء میں کوہ صفا کو قربت حرم کے شرف کے ساتھ ساتھ شعائر اللہ میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، اس لحاظ سے یہ جگہ قریش کے دار الندوہ کے ہم پلہ ومقابل مقام تھا، اس مرکزی مقام پر اپنی وسیع حویلی کو مرکز اسلام قرار دے کر وقف کرنا بجائے خود ایک بہت بڑے جذبہ ایثار و قربانی کی دلیل ہے، حضرت ارقمؓ جب اس مکان کے لئے وقف نامہ تحریر کراتے ہیں تو اس میں بھی قرب حرم کے شرف اور مقام مرکزیت کا پورا پورا احساس کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کا یہ اقدام عالی ظرفی اور سخاوت کے ساتھ ساتھ ان کے جذبہ ایثار وفدا کاری پر بھی شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے۔

۴۔ دار ارقمؓ کو مرکز اسلام یا دار الاسلام قرار دینے سے فرعون قریش ابو جہل کو صدمہ تو یقیناً ہوا ہو گا مگر اس کی طرف سے اپنے قبیلے کے اس پر عزم اور پرجوش نوجوان کے خلاف کسی قسم کا ردعمل ثابت نہیں ہے۔ یا تو اس کا اظہار کرنے کی اسے جرأت ہی نہ ہو سکی ہو گی اور یا تاریخ نے حسب معمول بخل سے کام لیتے ہوئے اسے ریکارڈ ہی نہیں کیا لیکن ایک بات ظاہر ہے کہ دار ارقمؓ کی محفوظ پناہ گاہ کے اندر کاروان اسلام سے کسی کو تعرض کی ہمت نہ ہو سکی۔

۵۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو تاریخ نے وہ اہمیت نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے، خصوصاً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خدمات کو بعد کے مورخین نے یا تو سمجھا ہی نہیں اور اگر سمجھا ہے تو انہیں درخور اعتنا تصور نہیں کیا، کیونکہ وقت کے دبیز پردوں نے ان اقدار کو ہی طاق نسیاں کے سپرد کر دیا تھا جن کی ترویج کے لئے حضرت ارقمؓ نے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا تھا اور وہ دار ارقمؓ میں پروان چڑھی تھیں۔

۶۔ حضرت ارقمؓ کا اپنی حویلی کو اسلام کی اولین وقف جائیداد قرار دینا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت مدینہ کے بعد وادی یثرب میں دار ارقم کی تعمیر کا خصوصی اہتمام فرمانا اور سب سے بڑھ کر اہل مکہ کی زبان میں دار ارقم کو دار الاسلام کے نام سے یاد کرنا حضرت ارقمؓ کی غیر معمولی خدمات اور دار ارقم کے غیر معمولی کردار کا غماز ہے۔

۷۔ تمام غزوات نبوی میں حضرت ارقمؓ کی شرکت، مختلف مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان پر خصوصی عنایات اور خود حضرت ارقمؓ کی جانب سے مکمل اطاعت رسولؐ کا عملی ثبوت انہیں غیر معمولی اہمیت عطا کرتا ہے اور ان کی شخصیت و کردار نکھر کر سامنے آتا ہے، یہ سب باتیں جہاں دار ارقمؓ کے تاریخ ساز کردار کی غماز ہیں وہاں ان

سے صاحب دار کی عظیم قربانی کا بھی احساس ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ افسوسناک حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ بادشاہوں کے روزنامچے کو تاریخ سمجھنے والے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے حضرت ارقم کے ساتھ انصاف نہیں کیا، وقت کی روش بدل جانے اور اسلام کی شورائی جمہوری روایات کو فراموش کر دینے سے امت اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے وہ تو اپنی جگہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے ہی مگر حضرت ارقمؓ کی قربانی اور جذبہ ایثار کو درخور اعتنا نہ سمجھنا بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

صاحب خانہ سیدنا ارقم مخزومی! شخصیت و کردار

۱ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۶۵

۲ = جمہرۃ انساب العرب ص ۲۲۴، طبقات ۳/۲۷۲

۳ = اسد الغابہ ۳/۱۲۲

۴ = تاج العروس (رقم)

۵ = ایضاً

۶ = جمہرۃ الانساب ص ۲۳

۷ = روح المعانی ۲۹/۲۷۳، ۳۰/۱۷۲

۸ = سبل الھدیٰ والرشاد ۴/۵۰۰

۹ = جمہرۃ انساب العرب ص ۲۲۴

۱۰ = ایضاً

۱۱ = ایضاً

۱۲ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۳۶۵

۱۳ = جمہرت انساب العرب

۱۴ = روح المعانی ۲۹/۲۷۳

۱۵ = طبقات ۳/۴۲۷

۱۶ = طبقات ۳/۲۷۳، مستدرک ۲/۲۷۳

۱۷ = ایضاً

۱۸ = ایضاً

۱۹ = ایضاً

۲۰ = اسد الغابہ ۳/۷۲، الاصابہ ۲/۱۷۳، مستدرک ۲/۲۷۳

۲۱ = ایضاً

۲۲ = ایضاً

۲۳ = ایضاً

۲۴ = ایضاً

۲۵ = طبقات ۳/۲۷۴

۲۶ = اسد الغابہ ۳/۴۲۴

۲۷ = ایضاً

۲۸ = المواہب الدنیہ ص ۵۷۲

۲۹ = طبقات ۳/۳۷۳

۳۰ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۶۵، طبقات ۳/۱۲۳،

۳۱ = ایضاً

۳۲ = اخبار مکہ ۱/۴۷۲

۳۳ = طبقات ۳/۲۷۴

۳۴ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۶۵، المغازی للواقدی ۱/۱۵۳

۳۵ = سورت آل عمران آیت ۱۹۱

۳۶ = ایضاً، سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۶۵

۳۷ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۶۵

۳۸ = مستدرک ۳/۲۷۳

۳۹ = طبقات ۳/۲۷۴

۴۰ = اسد الغابہ ۳/۴۲۳

۴۱ = الاصابہ ۲/۲۲۵

۴۲ = ایضاً، اسد الغابہ ۳/۴۳۳

۴۳ = ایضاً

دار ارقم اور دار الندوہ

فجر اسلام سے قبل جزیرۂ عرب کا نظام معاشرت و تمدن قبائلی زندگی سے عبارت تھا، اتنا فرق ضرور تھا کہ بستیوں اور دیہات کے لوگ مستقل سکونت رکھتے تھے جبکہ صحرائی علاقوں میں خانہ بدوشی کا سلسلہ جاری تھا، بستیوں میں مکانات اور حویلیاں تعمیر ہوتی تھیں مگر بادیہ نشین اور صحرائی بدو خیموں میں رہنے کے عادی ۔۱ تھے، لیکن قبائلی زندگی سب میں ایک قدر مشترک تھی، سردار قبیلہ کے لئے ضروری تھا کہ اوصاف مروت اور مکارم اخلاق سے متصف ہو، افراد قبیلہ میں بزرگوں سے مشورہ اور چھوٹوں پر شفقت سردار کا معمول ہوتا تھا، یہ روایتی زندگی جہاں احترام باہمی، منصفانہ نظام اور افراد قبیلہ کی خبر گیری کی مقتضی ہے وہاں باہمی مشاورت کا تقاضا بھی کرتی ہے، اس روایتی زندگی نے اہل عرب کو فطرتی طور پر آزادی پسند اور جمہوری روایات کا دلدادہ بنا دیا تھا۔ ۲

مکہ مکرمہ کی یہ روایتی زندگی جزیرہ عرب کی باقی بستیوں اور آبادیوں کی قبائلی زندگی سے کچھ مختلف نہ تھی، فرق تھا تو صرف اتنا کہ وادی بطحاء میں غلاموں اور زیر دستوں یعنی مستضعفین کی ایک خاصی تعداد کی زندگی بے حد مشکل، تلخ اور بوجھل تھی، سرداران قریش اپنے غلاموں کے ساتھ وہی المناک و عبرتناک سلوک کرتے تھے جو اس وقت قیصر و کسریٰ کے ہاں غلاموں سے روا رکھا ۳ جاتا تھا، اسی طرح مکہ کے موالی اور حلیف بھی عزت و احترام سے محروم اور کسی قابل وقعت معاشرتی سلوک کے مستحق نہیں سمجھے جاتے تھے ۴۔ تاہم قیادت قبیلہ کا معیار وہی اوصاف مروت اور پسندیدہ اخلاق تھے جو دیگر عرب قبائل کے ہاں مسلم تھے، بلکہ حرم بیت اللہ اور قریش کی امتیازی حیثیت کے پیش نظر یہاں بعض اوصاف مروت و اخلاق معاشرت کا اضافہ بھی تھا، خصوصیت کے

ساتھ حجاج بیت اللہ کی خبر گیری وضیافت اور مشاورت کی روایات، جمہوری اقدار اور احساس مروت کی عکاسی کرتی تھیں اور حلف المطیبین اور حلف الفضول پر قریش کا فخر کرنا اس بات کا ثبوت ہے۔ ۵ قریش مکہ نے باہمی تعاون و مشاورت کو فروغ دینے کے لئے ایک خاص عمارت بھی تعمیر کرا رکھی تھی جسے دار الندوہ (پنچایت گھر یا باہمی مشورہ کی جگہ) کہتے تھے، یہ عمارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادوں کے دادا قصی بن کلاب نے تعمیر کروائی تھی جس کا اصل نام زید بن کلاب تھا۔ ۶

یہ قصی بن کلاب مکہ مکرمہ کی ایک نامور اور عہد ساز شخصیت کا نام ۷ ہے، یوں تو قبیلہ قریش اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے معد بن عدنان کی ذریت سے ہے جس کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام سے جا ملتا ہے مگر نضر بن کنانہ اور فہر بن مالک نے قصی بن کلاب سے پہلے اس قبیلہ کی عزت و شرف کے لئے بہت کچھ کیا تھا، قریش کا لقب بھی نضر اور فہر میں سے کسی ایک کو ملا تھا، لیکن محققین سیرت کے نزدیک قریش کا لقب فہر بن مالک ہی کو دیا گیا تھا۔ ۸

قبیلہ قریش میں قصی بن کلاب کو جو عزت اور مقام حاصل ہوا وہ فجر اسلام تک کسی اور قریشی کے حصہ میں نہ آسکا، زید بن کلاب نے چونکہ مکہ سے دور کے علاقے میں پرورش پائی تھی اس لئے لوگ اسے قصی (قاف پر پیش، صاد پر زبر اور یا مشدد) یعنی دور کا رہنے والا کہنے لگے تھے، قصی کے عہد سے پہلے مکہ مکرمہ کی امارت اور حرم بیت اللہ کی تولیت بنو خزاعہ میں تھی جو ظہور اسلام کے وقت حضرت عبد المطلب اور بعد میں مسلمانوں کے بھی حلیف بنے تھے، حلیل (حا پر پیش اور لام پر زبر) خزاعی مکہ مکرمہ کا امیر اور بیت اللہ کا متولی تھا، اس نے اپنی ایک بیٹی قصی بن کلاب سے بیاہ دی تھی، حلیل کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت قصی کے حصے میں آگئی اور یوں یہ کام بنو خزاعہ سے بنو قریش کے سپرد ۹ ہو گیا۔ زید بن کلاب جس کا لقب قصی تھا بڑا دانا، دور اندیش اور اوصاف قیادت و حکمرانی سے متصف تھا، اس نے وادی بطحاء کو ایک منظم ریاست میں بدل دیا تھا اور وہ یہاں کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا، قوم کو اپنی اطاعت اور تنظیم پر متحد کرنے کی وجہ سے لوگ اسے قصی المجمع یعنی اکٹھا کرنے والا کہنے لگے تھے۔ ۱۰

حجاج بیت اللہ کو پانی پلانے اور ان کے قیام و طعام کا انتظام کرنے کے لئے دو مناصب تھے سقایہ (پانی پلانا) اور رفادہ (سامان ضیافت کرنا)، ان دونوں مناصب کے علاوہ لواء (عسکری تنظیم) اور دار الندوہ (سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل پر مشاورت) بھی قصی نے خود سنبھال لی

تھی، اس نے وادی بطحاء کو مختلف قبائل اور خاندانوں کے رہائشی علاقوں میں تقسیم کر دیا تھا، اس نے وادی بے آب و گیاہ میں شجر کاری کو ایک قومی شعار قرار دیا تھا اور درخت کاٹنے پر سزا مقرر کی تھی، اگر کوئی درخت کاٹنا ناگزیر ہو جاتا تو اسے قصی کے سپاہی اس کی نگرانی میں کاٹتے تھے۔ ۱۱

لیکن قصی کا ایک اہم کارنامہ نظام ریاست کے لئے مشاورت باہمی کو لازمی قرار دینا ہے، اس سے تمام قبائل کے صاحب رائے و دانش افراد سے فائدہ اٹھانے کا موقع بھی ملا اور سب میں احساس مشارکت بھی پیدا ہوا، اس کام کے لئے قصی نے ایک خاص عمارت بنوائی جس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب کھلتا تھا، اس عمارت کو دارالندوہ کا نام دیا گیا، شادی بیاہ کی رسوم سے لے کر تنظیم ریاست اور امور جنگ تک تمام مسائل پر دارالندوہ میں ہی سرداران قریش کے درمیان مشاورت منعقد ہوتی تھی، ابن ہشام لکھتا ہے:۔

"چنانچہ قصی بنو کعب بن لؤیّ (لام پر پیش، ہمزہ پر زبر اور یا مشدّد) میں سب سے پہلا شخص ہے جس کی تمام قوم نے بحیثیت ایک بادشاہ اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے حجابت (بیت اللہ کا تحفظ)، سقایہ، رفادہ، ندوہ اور لواء (عسکری تنظیم و امور جنگ) بھی اسی کے سپرد تھے، تمام اہل مکہ اس کی تعظیم کرتے تھے، وادی مکہ کو اس نے اپنی قوم کے درمیان علاقوں کی شکل میں تقسیم کر دیا تھا چنانچہ قریش کا ہر قبیلہ اپنے اپنے علاقے میں آباد ہو گیا جو اس کی ملکیت قرار پا گیا تھا، چونکہ اس نے اپنی قوم کو متحد کر دیا تھا اس لئے لوگ اسے مجمع (میم پر پیش، جیم پر زبر اور دوسرا میم مشدد اور مکسور) یعنی اکٹھا کرنے والا کہتے تھے، لوگ اسے اپنے لئے باعث یمن و برکت تصور کرتے تھے، یہاں تک کہ قریش کی ہر عورت کا نکاح اور ہر مرد کی شادی اس کے بنائے ہوئے دارالندوہ میں ہوتی تھی، ہر آنے والی مشکل کے متعلق مشاورت اور دوسری اقوام سے جنگ کا معاملہ بھی یہیں طے ہوتا، قریش کے نزدیک قصی کا حکم اس کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی ایک قابل اتباع دین کی حیثیت حاصل کر گیا تھا، کوئی اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اس نے اپنے لئے جو دارالندوہ تعمیر کروایا تھا اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب کھلتا تھا، قریش اپنے تمام امور یہیں طے کرتے تھے۔"

اسی لئے ایک شاعر نے قصی کی شان میں کہا تھا! ۱۲

قصی لعمری کان یدعی مجمعا
بہ جمع اللہ القبائل من فہر

یعنی بخدا قصی جسے مجمع کہا جاتا تھا اسی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے قریش کے قبائل کو اکٹھا کر دیا تھا۔

ابو القاسم سہیلی اندلسی نے الروض الانف میں ابن ہشام کے اس قول کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ قصی نے جو دار الندوہ تعمیر کروایا تھا یہ وہی ہے جہاں قریش باہمی مشاورت کے لئے جمع

ہوتے تھے، ندوہ کا لفظ ندی، نادی اور منتدی سے ماخوذ ہے جس کے معنی مجلس القوم یا قومی اسمبلی کے ہیں جہاں لوگ بار بار جمع ہوتے ہیں، سہیلی نے امام دار القطنی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ دار الندوہ کی یہ عمارت بنو عبدالدار (عبدالدار قصی کا بیٹا تھا جسے وہ اپنا جانشین بنا گیا تھا) سے حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی کے تصرف میں آ گئی تھی، حکیم بن حزام نے اسلام کی آمد کے بعد یہ دار الندوہ ایک لاکھ درھم میں حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ ۱۳ اس پر جب اسے ملامت کی گئی کہ تو نے تو اپنے آباء و اجداد کی عزت و شرف کو بیچ ڈالا ہے تو حکیم بن حزام نے جواب دیا تھا کہ اسلام کی بدولت تقوی اللہ کے علاوہ ہر شرف ختم ہو چکا ہے، میں نے زمانہ جاہلیت میں دار الندوہ ایک عدد شراب کے مشکیزہ کے عوض خریدا تھا جسے اب ایک لاکھ درھم میں فروخت کیا ہے اور میں تم سب لوگوں کو گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہ تمام رقم فی سبیل اللہ خیرات ہے، تو پھر ہم میں سے خسارہ کا سودا کرنے والا کون ہوا؟ ۔ ۱۴

ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام صحابی رسولؐ ہیں، ان سے حدیث بھی مروی ہے، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں زندہ رہے، دار الندوہ ان کے تصرف میں تھا جو انہوں نے عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار سے خریدا تھا اور ایک لاکھ درھم کے بدلے میں حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ ۱۵

ابن سعد کا بیان ہے کہ قریش مکہ بڑے بڑے اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے دار الندوہ ہی میں جمع ہوتے تھے اور قومی نوعیت کے اہم فیصلے بھی یہیں ہوا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اور بنو خزاعہ کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اور عہد نامہ تحریر ہو کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا وہ بھی دار الندوہ ہی میں مکمل کیا گیا تھا۔ اسلام سے قبل قبائل قریش دار الندوہ کے تصرف کے سلسلے میں باہم جھگڑتے بھی رہے ہیں، چنانچہ ابن سعد نے یہ بات ریکارڈ کی ہے کہ قصی نے اپنی وفات سے پہلے اپنی جانشینی کا اعلان کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبدالدار کو اپنے تمام خصوصی اختیارات و امتیازات منتقل کر دیئے تھے جن میں دار الندوہ کا تصرف اور بیت اللہ کی چابیاں بھی شامل تھیں، بعد میں بنو عبد مناف نے دار الندوہ سمیت بعض اختیارات بنو عبدالدار سے لینے کی کوشش کی جس سے ان کے درمیان تاریخی چپقلش کا آغاز ہو گیا تھا۔ ۱۶

دار الندوہ میں قریش کا وہ اجتماع تو تاریخی حیثیت رکھتا ہے جو ہجرت نبوی کے حوالے سے منعقد کیا گیا تھا، مشرکین مکہ کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اپنے اہل و عیال سمیت ایک ایک کر کے اوس و خزرج کے نو مسلموں کی دعوت پر یثرب منتقل ہو رہے ہیں اور دعوت دین کو وہاں قبولیت و تقویت حاصل ہو رہی ہے، وادی یثرب ایک محفوظ مقام تھا جو

قریش کے ان قوافل تجارت کے راستہ میں واقع تھا جو شام و فلسطین کو جایا کرتے تھے، پھر انہیں اوس و خزرج کی تعداد اور بازوئے شمشیر زن ہونے کا بھی علم تھا، چنانچہ اس پر سرداران قریش کو سخت تشویش ہوئی کہ باقی اہل اسلام کی طرح اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کر گئے تو ان کی تجارتی زندگی کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ ۱۷۰

چنانچہ قریش مکہ کے تمام اصحاب عقل و رائے اور ارباب بست و کشاد دارالندوہ میں جمع ہوئے، ایک نجدی شیخ کی شکل و صورت میں شیطان بھی شریک مشاورت تھا، شرکاء میں سے ہر ایک اپنی اپنی رائے دے رہا تھا اور شیخ نجدی اسے مسترد کرتا جا رہا تھا، بالآخر فرعون بنو مخزوم ابو جہل بولا! ہم تمام قبائل قریش میں سے ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر نوجوان منتخب کر لیتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک شمشیر براں تھما دیتے ہیں، یہ سب نوجوان بیک وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑیں گے، اس طرح یہ بتانا مشکل ہو جائے گا کہ کس کس کی تلوار نے کام کیا اور یوں خون سب قبائل کی گردن پر یکساں متصور ہو گا، ایسے میں بنو عبد مناف کے لئے کچھ کرنا ممکن نہیں رہے گا، شیخ نجدی کو یہ تجویز بے حد پسند آئی اور اس کی تحسین کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ دارالندوہ کی یہ عمارت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں بھی موجود تھی اور ابن سعد کے بیان کے مطابق چھپنے والوں کے لئے کمین گاہ کا کام دیتی تھی۔ ۱۸۰

دارالندوہ اور دار ارقم کے حوالے سے یہ پہلو بھی قابل غور اور دلچسپ معلوم ہوتا ہے کہ دارالندوہ کو بنو امیہ کے ایک خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ درھم میں خریدا تھا، جبکہ دار ارقمؓ کو خریدنے کے لئے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کو بڑے جتن کرنا پڑے تھے، قیاس یہ ہے کہ اس عظیم عباسی خلیفہ کو دار ارقمؓ خریدنے کا خیال محض اس بات سے نہیں آیا تھا کہ آل ارقم کے بچے اسے دار ارقم کی چھت پر خیمہ زن نظر آئے اور وہ سعی کے دوران نشیبی جگہ سے گزرتے ہوئے سبکی یا توہین محسوس کرتا تھا، اگر ایسے ہوتا تو یہ دار ارقم عظیم عباسی خاتون ملکہ خیزران کی ملکیت قرار پا کر ایک ایسی مسجد میں بدلنے کے بجائے جو زیارت گاہ حجاج بیت اللہ قرار پائے، کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا، دراصل بات یہ ہے کہ عباسی خلفاء کو اموی خلفاء کی بعض خوبیوں اور امتیازات پر رشک آتا تھا، خود اسی منصور عباسی کو صقر قریش عبدالرحمٰن الداخل کی برق رفتاری، شاہین کی سی جھپٹ اور باوقار سپاہی کی سی پھرتی پر رشک آیا تھا، دار ارقمؓ کو خرید کر منصور عباسی حضرت امیر معاویہؓ پر رشک کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے، یہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کے عینی شاہد ابو جعفر منصور کی بات ہے جس پر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی چشمک و منافست بھی عیاں تھی اور دارالندوہ کی طرح دار ارقمؓ کی اہمیت اور تاریخی کردار سے بھی اسے پوری پوری آگاہی حاصل تھی، جبھی تو اس نے

بنو امیہ کے ایک نامور خلیفہ کے ہم پلہ ہونے کی آرزو کی تھی۔ اور دار ارقمؓ کو خرید لیا تھا۔ ۱۹

اگر یہ قیاس درست ہے اور بظاہر اسے درست تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی، تو پھر یہ بات بھی وزن رکھتی ہے کہ اہل اسلام کے لئے دار ارقمؓ کی وہی حیثیت (بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ حیثیت) تھی جو قریش مکہ کے لئے دارالندوہ کی تھی۔ آغاز اسلام میں دار ارقمؓ کا دار الاسلام مشہور ہونا بھی محض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ چھپے رہتے تھے (بلکہ چھپے رہنے یعنی کان مستخفیا اور مختبا بھی اس بات کو مستلزم ہے کہ یہاں چھپنے والے باہمی خفیہ مشورے بھی یقیناً کرتے ہوں گے!) اس لئے یہ دار ارقمؓ اولین درسگاہ تعلیم القرآن بھی تھا اور تزکیہ نفوس کے لئے گوشہ تربیت گاہ بھی، یہاں پر وعظ و نصیحت کے حلقے بھی ہوتے تھے اور حکمت و عرفان کا فیض بھی جاری ہوتا تھا۔ لیکن سب سے اہم بات یہ کہ یہاں اہل ایمان کے درمیان تبادلہ خیالات اور باہمی مشاورت کی مجالس بھی منعقد ہوتی تھیں۔ ۲۰

کتاب اللہ کی مکی سورت شوریٰ میں اہل ایمان کے امتیازی خصائص اور اوصاف قائدانہ میں سے ایک وامرھم شوریٰ بینھم (یعنی ان کے معاملات تو باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں) بیان ہوا ہے، اگر امرھم شوریٰ تھا اور یقیناً تھا تو پھر دارالشوریٰ بھی ہو گا پھر خفیہ اجتماعات اس بات کو بھی مستلزم ہیں کہ خفیہ تبادلہ خیالات اور باہمی مشاورت بھی ہوتی ہو گی، یہ بھی واضح ہے کہ اہل اسلام کی ایسی سرگرمیوں کا اور کوئی مرکز مذکور نہیں ہوا، صرف ایک ہی مرکز کا ذکر ملتا ہے اور وہ ہے دار ارقمؓ، اگر اس قسم کی سرگرمیوں کا مرکز صرف دار ارقمؓ ہی تھا اور مسلمانوں کے معاملات وامرھم شوری کے مطابق، طے ہوتے تھے جو دارالشوریٰ کو بھی مستلزم ہیں اور دار ارقمؓ کو لوگ دارالاسلام بھی کہتے تھے تو پھر نتیجہ یہی ہے کہ یہ دارالشوریٰ دار ارقمؓ ہی تھا، اگر امویوں اور عباسیوں کے نزدیک دارالندوہ اور دار ارقمؓ یکساں طور پر تاریخی اہمیت کے حامل تھے تو پھر جو مقام قریش کے نزدیک دارالندوہ کو حاصل تھا وہی مقام اہل اسلام کے نزدیک دار ارقم کو بھی حاصل تھا!! ۲۱

دار ارقم اور دار الندوہ

۱ = تاریخ العرب قبل الاسلام ۵/ ۵۲، بلوغ الارب ۲/ ۷۵،

۲ = الرق فی الاسلام ص ۱۶، غلامان اسلام ص ۲۱

۳ = تاریخ العرب قبل الاسلام ۱۳/ ۵۱۳، الروض الانف ۱/ ۸۸

۴ = ایضاً، جمہرۃ انساب العرب ص ۲۱

۵ = معجم قبائل العرب ۱/ ۱۱۵، الروض الانف ۱/ ۸۷

۶ = ایضاً

۷ = ایضاً

۸ = ایضاً

۹ = ایضاً، جمہرۃ انساب العرب ص ۲۲، اخبار مکہ ۱/ ۳۲۱

۱۰ = ایضاً

۱۱ = ایضاً

۱۲ = سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۸۷

۱۳ = الروض الانف ۱/ ۸۸

۱۴ = ایضاً

۱۵ = جمہرۃ انساب العرب ص ۱۲۱، ۱۲۷

۱۶ = ایضاً ۳/ ۸۵

۱۷ = ایضاً

۱۸ = ایضاً ۱/ ۲۷۷

۱۹ = ایضاً

۲۰ = ایضاً

۲۱ = اخبار مکہ ۱/ ۳۷۴، طبقات ۳/ ۲۷۲

مدینۃ العلم کا دار ارقمؓ میں فیض عام

اسلام اور اہل اسلام جب اپنے پہلے گھر، دار ارقمؓ دار الاسلام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے وادیٔ یثرب کا مقدر جگانے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ دین حق کی اس اولین منزل کو کوئی بھول بھی جائے گا یا تاریخ کے صفحات اپنی تنگی اور بخل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے فراموش کر دیں گے، ورنہ مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان سرمدی اور نگاہ کیمیاگر نے جس جس طرح اور جو جو انسان یہاں تیار کئے ان کی تمام تفاصیل آج انسانیت کے سامنے ہوتیں اور علم و معرفت، حکمت و دانش، تدبیر و فراست، فکر و عمل اور تعلیم و تربیت کی ایسی ایسی شاندار مثالیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے موجود ہوتے جو بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے چراغ راہ ہی نہیں نشان منزل کا بھی کام دیتے، یہ صرف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر دانی و احسان شناسی تھی جس نے اسلام کی اس منزل اولین کو یاد رکھا اور یثرب پہنچتے ہی میثاق مدینہ اور مسجد نبوی کی تعمیر کی طرح دار ارقمؓ کی تعمیر کو بھی اپنے اولین اقدامات میں شامل فرمایا۔ ۱۰

کاروان اسلام جب وادیٔ یثرب میں فروکش ہوا تو سالار کاروان نے اسے امن کا مثالی گہوارہ بنا کر تمام بندگان خدا کو بلاقید نسل و مذہب ایک پر سکون زندگی مہیا کرنے کا عہد فرمایا تھا، مگر افسوس کہ دنیا والے اس مثالی گہوارے کو برداشت کیا کرتے خود وادی یثرب کے یہود و منافقین نے اس عہد کو توڑ دیا، پھر انسانیت دشمن مفاد پرستوں نے کاروان اسلام اور اس کے سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوات و سرایا اور اندرونی و بیرونی سازشوں میں الجھا دیا مگر چراغ حق کو پھونکوں سے بجھانے والے منہ کی کھا کر نابود ہو گئے اور سالار کاروان حجاز صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں میدان عرفات میں الاھل بلغت (ہاں تو کیا میں نے حق رسالت ادا

کر دیا ہے) کہہ کر اپنے عظیم مشن کی فاتحانہ تکمیل کا اعلان فرما گئے، پھر تیس سالہ حیرت انگیز اور بے مثال پیش رفت کے ساتھ کاروان اسلام نے برق رفتاری سے جہاں باطل کو الٹ پلٹ دیا اور ایک عظیم الشان مملکت کے قیام کے ساتھ ساتھ ایک لاثانی تمدن کی بنیاد بھی رکھ دی مگر اس ہنگامہ خیزی میں دار ارقم ؓ میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کے عینی شاہد ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے، بیرونی سازشوں اور اندرونی استبداد نے کاروان اسلام کی راہیں مسدود کر دیں اور پھر ایک ایسا وقت بھی آیا جب روئیداد چمن کہنے والا بھی کوئی نہ تھا اور اگر کوئی تھا بھی تو اسے سننے والے نہیں رہے تھے، پھر جب قلم اور کاغذ تھامنے کا مرحلہ آیا تو کاروان اسلام کی دنیا ہی بدل چکی تھی!

ہمارے بعد کے مؤرخین و تذکرہ نگار گویا اسلام کی پہلی منزل دار ارقم ؓ کا مقصد و مشن ہی بھول گئے بلکہ یہ ان کے سمجھنے کی بات ہی نہ رہی پھر بھلا وہ اس کی تفاصیل کیا اور کیسے قلمبند کرتے؟ لیکن کتاب اللہ کے حروف و کلمات میں اس دار ارقم ؓ کی جھلکیاں تا ابد اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح یہ زندہ جاوید کتاب اہل علم کے سینوں اور لوح محفوظ میں موجود و محفوظ ہے اس کے علاوہ ابتدائی عہد کے مورخ و تذکرہ نگار بھی دبی زبان میں دار ارقم ؓ میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کو ضبط تحریر میں لانے پر مجبور ہوتے رہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس عہد کے محدثین کرام اور مفسرین عظام نے بیرونی سازشوں کے تھپیڑوں اور استبداد کی نظروں سے بے نیاز ہو کر اس ضمن میں جو میسر آیا ریکارڈ کر دیا ہے۔

یوں تو طلوع آفتاب رسالت ؐ کے وقت ساری دنیا ظہر الفساد فی البر و البحر (خشکی اور تری ہر جگہ فساد کی زد میں آ گئی) ۔۳۰ کے حکم ربانی کے مطابق ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھی مگر جزیرہ عرب اور خصوصیت کے ساتھ مکہ مکرمہ کا معاشرہ تو اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ گویا بے حد بے قراری اور اضطراب کے ساتھ اپنے ہادی و نجات دہندہ کی راہ دیکھ رہا تھا، یہود کی پیشین گوئیاں اور نصاریٰ کی خوشخبریاں اور بشارتیں بھی کسی آنے والے کا پتہ دے رہی تھیں۔ ظلم و تعدی، فسق و فجور اور مظلوموں اور بے کسوں کی آہیں ایک بڑا ہی روح فرسا اور الم انگیز منظر پیش کر رہی تھیں، یہ نتیجہ تھا دو بڑے گناہوں اور خرابیوں کا جن کا ارتکاب ایک معمول بن چکا تھا، ایک طرف تو شرک و بت پرستی نے انسان سے خود داری اور قوت عمل چھین لی تھی اور دوسری جانب سود خوری کی لعنت نے ایک گروہ کو بد مست و سنگدل اور دوسرے کو بے بس و شکستہ بنا دیا تھا، سود خوری اور شرک دو ایسی لعنتیں ہیں جو عالم انسانیت کے تمام دکھوں کا سرچشمہ اور اس مادی دنیا کے ہر بگاڑ کا حقیقی سبب ہیں، یہ دونوں گناہ جزیرہ عرب خصوصاً مکہ مکرمہ میں تمام حدود کو پھلانگ چکے تھے۔

رسالت اسلام کے مخاطبین یا دوسرے لفظوں میں ظہور اسلام کے وقت کا عرب خصوصاً مکی معاشرہ پانچ قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا، اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے جو مکہ مکرمہ میں برائے نام موجود تھے ان میں سے ورقہ بن نوفل کا نام سب کو معلوم ہے، ملحدین یا دھریہ جو مادیت پر ایمان رکھتے تھے اور حساب و کتاب کو ایک افسانہ طرازی تصور کرتے تھے، انہیں اس وقت کے عرف عام میں بھی زنادقہ (واحد زندیق) کہتے تھے ۔۴، مشرکین جو معاشرہ کی غالب اکثریت تھی، پھر مستکبرین اور وڈیرے جن میں سے بعض زنادقہ اور اکثر مشرکین تھے لیکن ان کی بت پرستی اپنی ذاتی چودھراہٹ اور بڑائی کا ایک لبادہ تھا، چوتھی قسم ان غریب عوام کی تھی جو ظلم اور بے کسی کی چکی میں پس رہے تھے ان میں اکثریت غلاموں اور ان زیردستوں یا مستضعفین کی تھی جن کا تعلق قریش کے کسی بڑے قبیلہ سے نہیں تھا، پانچویں قسم ان حق پرستوں کی تھی جو اس وقت کے عرف عام میں حنفاء کہلاتے تھے، یہ حق کے متلاشی شرک و بت پرستی اور مستکبرین کے ظلم و بد معاشی اور سود خوری دونوں سے بیزار تھے، رسالت اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی اکثریت چوتھی اور پانچویں قسم کے لوگ تھے، متلاشیان حق کو تو اپنی مراد مل گئی مگر مستضعفین کے لئے تو اسلامی عدل و مساوات اور اخوت کی دعوت میں راہ نجات میسر آ رہی تھی۔ ۵۔

دار ارقم میں فروکش رہنے کی مدت کے دوران میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق سری و جہری دونوں انداز میں جاری رہی، آپ کے تربیت یافتہ مبلغین تبلیغ اسلام و تعلیم قرآن کا فریضہ انجام دیتے تھے جو اکثر و بیشتر خفیہ و سری طریقہ اختیار کرتے تھے لیکن جہری اور کھلا انداز بھی ہوتا تھا، ان مبلغین حضرات میں صدیق اکبر، خباب بن الارت، ابوذر غفاری اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم کے نام نمایاں تھے، ۔۶ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے نکلتے تھے اور عربوں کے مختلف اجتماعات میں پہنچتے تھے لیکن تعلیم و تربیت، تدریس قرآن اور دعوت اسلام کا کام دار ارقمؓ میں بھی فرماتے تھے، سابقین اولین کی ایک خاص تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھی مگر یہ سلسلہ جاری تھا اس لئے دعوت حق سننے کے بعد دار ارقمؓ میں لوگ حاضر ہوتے، قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے، احکام اسلام سیکھتے اور تعمیر سیرت و تزکیہ نفوس کے مراحل سے گزر کر لوٹ جاتے، دار ارقمؓ میں تربیت و منصوبہ سازی کا کام خفیہ انجام پاتا تھا مگر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور مسلمانوں کا اجتماع کسی سے پوشیدہ نہیں ہوتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کا پس منظر اور حضرت عمرؓ کا تلوار لے کر روانہ ہونا اس بات کی تائید کرتے ہیں، ابوجہل نے کوہ صفا کے اس دار ارقم کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بد کلامی کی جو حضرت حمزہؓ کے اسلام کا سبب بن گئی، حضرت عمرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی کے

لئے دار ارقمؓ کا رخ کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گیا کہ ابو جہل اور عمرؓ بن الخطاب جیسے زعمائے قریش سے دار ارقمؓ میں مسلمانوں کا اجتماع کوئی پوشیدہ و خفیہ بات نہ تھی۔ ۔ ۷

دعوت اسلام میں رکاوٹ ڈالنے والوں میں مستکبرین پیش پیش تھے۔ یہ لوگ حضورؐ اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے اور استہزاء کرتے، ابو جہل وغیرہ مسلمانوں کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کفار کا یہ قول دوہراتے کہ اھولاء منااللہ علیھم من بیننا (تو کیاہم میں سے صرف انہی لوگوں پر اللہ کا احسان ہوا ہے؟) ۔ ۸ یا یوں طنز کرتے کہ لو قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے والے آگئے! مکی عہد نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی سب کی زبان پر تھی کہ میری امت کے لوگ قیصر و کسریٰ کے خزانوں اور بادشاہتوں کے وارث بننے والے ہیں۔ ان مستہزئین میں ابولہب عبدالعزی بن عبدالمطلب، عقبہ بن ابی معیط، ابوسفیان صخر بن حرب، حکم بن ابی عاص، نضر بن حارث، ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عاصی بن وائل، ولید بن مغیرہ اور ابوالبختری عاص بن ہشام شامل تھے۔ یہ سرداران قریش اسلام کے نظام زندگی کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ تصور کرتے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے۔

وحی مکی میں تبلیغ اسلام اور تربیت اہل اسلام کے لئے کتاب اللہ نے جو عملی خطوط مہیا کئے ان پر دار ارقمؓ کے عہد میں عمل فرمایا گیا، ایک مکی سورت نحل میں ارشاد ربانی ہے۔

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی لوگوں کو اپنے رب کی راہ پر لگانے کے لئے دعوت حق دیجئے حکمت سے، عمدہ وعظ سے اور ان سے بحث مباحثہ ہو تو بہترین طریقہ اختیار کیجئے۔" ۔ ۹

عام سلیم طبائع صرف حکمت سے راہ راست پر آجاتی ہیں، بعض عمدہ وعظ سے متاثر ہوتے ہیں مگر جن لوگوں کو بحث اور دلائل سے قائل کرنا ہو ان کے لئے بہتر سے بہتر طریقہ اپنانا تبلیغ دین کے بنیادی اصول ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں افراد امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت ایک اہم کام تھا، رسالت و نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیازی وصف ہی انسانیت کی تعلیم و تربیت تھی، کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفوس و اصلاح کردار قرآنی نقطہ نظر سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے، آپ کا اپنا ارشاد تھا کہ انما بعثت معلما (مجھے تو بھیجا ہی معلم بنا کر گیا ہے) نبوت کے مکی عہد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تعلیم و تربیت کا واحد اولین مرکز دار ارقم تھا جسے دار الاسلام یعنی اسلام کا گھر کہا جاتا تھا، یہ عمارت آغاز کار میں تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ عبادت و ذکر اللہ اور مختصر سی امت اسلامیہ کی اجتماعی و معاشرتی سرگرمیوں کا واحد مرکز تھی، نبوت کے چھٹے یا

ساتویں سال حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد اسلامی عبادات و دعوت دین کا کام تو کھلے عام ہوتا رہا مگر تعلیم و تربیت اور مسلم کمیونٹی کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز پھر بھی دار ارقمؓ کے اندر ہی رہا اس سلسلے میں اور کسی جگہ کا ذکر نہیں ملتا۔

دین اسلام کی دعوت، افکار و ادیان کی تاریخ میں کئی لحاظ سے منفرد اور ممتاز ہے۔ اسلام سے پہلے کسی نبی یا رسول نے ہمہ جہت اور عالمگیر تبدیلی کی دعوت کبھی نہ دی تھی بلکہ ان کی دعوت مختصر عقائد و عبادات پر مشتمل اور ایک خاص خطے اور مخصوص گروہ تک محدود رہتی تھی، سیدنا موسی کا کام صرف فرعون کی سرکوبی اور اس کے پنجہ ظلم سے بنی اسرائیل کو آزاد کرا کر راہ راست پر ڈالنا تھا، سیدنا مسیح علیہ السلام بھی احبار یہود کے پتھر دلوں کو موم کرنے اور بنی اسرائیل کی منتشر بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی کام اپنے اپنے عہد میں نوح، شعیب، ہود اور صالح علیہم السلام کے سپرد تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا دائرہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماوراء تھا۔ اس لئے دعوت اسلام کو ایک ہمہ جہت اور عالمگیر تحریک کا رنگ دینا حکمت ربانی کا عین تقاضا تھا، یہ معلوم ہے کہ تحریکات ہمیشہ ایسے تربیت یافتہ، محنتی اور مخلص کارکنوں کی مرھون منت ہوتی ہیں جو تعلیم اور تربیت کے مختلف مراحل سے گزرے ہوں اور عملی تربیت کی بھٹی میں ڈھل کر سونا ہی نہیں کندن بن چکے ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ منصبی مکہ مکرمہ کے دار ارقمؓ میں ادا کیا جو قبیلہ بنو مخزوم کے ایک پرعزم نوجوان اور پرجوش مسلمان ارقم بن عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کام کے لئے وقف کر دیا تھا۔

آغاز اسلام میں جو لوگ دین حق کے حلقہ بگوش ہوئے وہ یا تو حضورؐ کے اہل بیت، قرابت دار اور حلقہ احباب و رفاقت سے تعلق رکھتے تھے یا ان کا تعلق مکہ مکرمہ کے زیر دستوں اور غلاموں سے تھا، یہ مختصر سی جماعت پوشیدہ دعوت حق سے حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی، اس جماعت کی تعلیم و اصلاح کے ساتھ ساتھ میدان عمل کے تلخ حقائق کا سامنا کرنے کے لئے عملی تربیت بھی ضروری تھی تاکہ وہ ایک عالمی دین اور ہمہ گیر پیغام کی ذمہ داریاں اٹھا سکیں، ورنہ اس مختصر سی جماعت کا ثابت قدمی اور صبر کے ساتھ اس عظیم الشان کام سے عہدہ بر آ ہونا آسان کام نہ تھا۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے قلیل و مستضعفین (کمزور و زیردست) کی اس مختصر جماعت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے!

"واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآوٰکم و ایدکم بنصرہ و رزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون یعنی تم اس وقت کو یاد کرو جب تم (سرزمین مکہ میں) قلیل و ضعیف تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر نہ

لے جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت دی اور پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا تاکہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔" ۱۰

اس جماعت صحابہ کرامؓ کی کامیابی کا دار و مدار نظر نبوت کی نگرانی میں فکری و روحانی تربیت پر تھا۔ عقیدہ توحید سے گوشت پوست کے انسانوں کو فولادی قوت و غیر متزلزل عزم عطا کر کے کفر و شرک کی ظلمتوں کو شکست دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا یہ وہ مرحلہ تھا جب اقبال کے الفاظ میں نشہ درویشی میں ڈوب کر اپنی قوتوں کو اجاگر کرنا ہوتا ہے تاکہ بادشاہوں کے ظلم و جبر کو نابود کرنے کے لئے ان کے نیچے سے تخت کھینچنے اور سروں سے تاج نوچنے کا کام آسان ہو کر بخوبی انجام پائے:۔

بانشہ درویشی درساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خودرا بر سلطنت جم زن

اور تعلیم و تربیت کا مرحلہ نشہ درویشی کو گوارا کرنے اور خود کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرنے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ رحمتہ للعالمینؐ کے سایہ عاطفت و شفقت اور آپؐ کی نظر کرم جس جماعت کو دار ارقمؓ میں تربیت دے رہی تھی وہ آگے چل کر بے نظیر و بے مثال انقلاب برپا کرنے والی تھی، غار حراء کی برکت اور ضوفشانی کو عام کرنا اور دنیا کے تمام گوشوں میں اسے پہنچانا اس جماعت کا مقدر تھا:۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں!

نبوت و رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مکی عہد نشہ درویشی کو گوارا کرتے ہوئے دمادم کی لے پر، جذب و شوق کے ساتھ خود کو تیار کرنے کا عہد تھا اور اس تعلیم و تربیت کے تمام مراحل و اقسام کی تکمیل دار ارقم ہی میں ہوئی، مکی عہد کی وحی ربانی نے رسالت اسلامیہ کے منصب و مقصد کو سورہ اعراف میں یوں پیش کیا ہے!

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ وعزروہ و نصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ہم المفلحون (۷:۱۵۷) یعنی وہ لوگ جو محمد رسول اللہؐ کی، جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں وہ جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں

تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال ٹھہراتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق، جو ان کے سر پر اور گلے میں تھے، اتارتے ہیں سو جو لوگ ان پر ایمان لائے، انہیں تقویت دی اور مدد دی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا، وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔" ۔۱۱

یہ ارشادات ربانی مکی سورت میں آئے ہیں، یہاں جس منصب اصلاح و تعمیر کردار کا ذکر ہو رہا ہے وہ دار ارقم ہی میں انجام پا رہی تھی اور آگے چل کر صفہ اور مسجد نبوی کے منبر و محراب کے توسط سے انجام پانے والی تھی، یہاں رسول و نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ فرائض منصبی بیان کئے جا رہے ہیں:۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حلت طیبات، تحریم خبائث اور وضع امر و اغلال، اور یہ فرائض منصبی اس نور مبین کی تلقین و تعلیم کے ذریعہ انجام پائے جسے کوئی ناپاک ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا خواہ وہ اسلام لانے سے قبل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہوں، کتاب ہدایت کی یہ تعلیم و تلقین مکہ مکرمہ کے اس دار ارقم میں انجام پا رہی تھی جسے اس وقت لوگ دار الاسلام کے نام سے یاد کرتے تھے، جو آیات ربانی قلب نبوت پر اترتی تھیں ان کی تعلیم و تربیت بھی اسی عظیم تاریخی عمارت میں انجام پاتی تھی۔

قرآن کریم کے ذریعہ تعلیم و تربیت کے کام کے علاوہ عبادت اور ذکر اللہ بھی دار ارقم ہی میں ہوتا تھا، اولین حلقہ بگوشان اسلام مکہ مکرمہ کی وادیوں اور گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر بھی نماز ادا کرتے تھے مگر کفار کی نظروں سے پھر بھی نہیں بچ سکتے تھے۔

دار ارقم میں عبادات، ذکر اللہ اور دعاؤں کا جو سلسلہ رہتا تھا اس میں سے وہ دعا خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے جو حضورؐ نے حضرت عمرؓ اور ابو جہل عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کے لئے مانگی تھی، ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاذ اللہ حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے، راستہ میں اپنی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کے گھر قرآن کریم کی سورہ طٰہٰ کی تلاوت سنی تو کایا ہی پلٹ گئی، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے انہیں خوشخبری سناتے ہوئے بتایا کہ دار ارقم میں آپ کے لئے دعا کی گئی ہے حضرت عمر وہاں سے سیدھے کوہ صفا کی طرف چل پڑے جہاں دار ارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ موجود تھے، چنانچہ اسی دار ارقم میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور نور فیضان نبوی کی توجہ خاص سے روحانی مدارج تربیت طے کئے۔ ۱۲

گویا نبوت کے مکی عہد کے دوران میں دار ارقمؓ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ضمن میں مرکز و محور کی حیثیت حاصل رہی، خصوصیت کے ساتھ سری و پوشیدہ تبلیغ اسلام کے ضمن میں تو یہ واحد بنیادی مرکز تھا، حضرت ارقم بن عبد مناف رضی اللہ عنہ سابقین اولین صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، سبقت اسلام کے سلسلے میں انہیں ساتویں اور بعض روایات میں دسویں اور بارھویں درجے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۳اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ارقمؓ نے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں کوئی تردد یا تاخیر نہیں فرمائی تھی اور اسلام کے آغاز ہی میں انہوں نے اپنا گھر اس دین حق کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف فرما دیا تھا۔ ۱۴

مکی عہد نبوت میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ کئی مراحل سے گزرا، ایک مرحلہ پوشیدہ دعوت حق کا تھا، اس مرحلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کو رازدارانہ انداز میں اپنے اعتماد کے لوگوں میں جاری رکھا، اس میں حکمت یہ تھی کہ دین حق کی دعوت و اشاعت کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم ہو جائے اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کی تکمیل اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے ایمان باللہ اپنی رسالت پر یقین محکم اور خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو جائیں، راز دارانہ دور کا یہ تبلیغی مرحلہ دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ تو وہ ہے جو دار ارقمؓ میں فروکش ہونے اور اسے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنانے سے پہلے کا ہے، اس حصہ میں حضورؐ کو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنی رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قابل ستائش اور حوصلہ افزاء ردعمل سے بہت تقویت ملی، انہوں نے اپنے عظیم شوہر کی عظمت و بزرگی کو جن خوبصورت الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا وہ بھی ضرب المثل بن چکے ہیں۔ آپؐ کے خدام اور قریبی متعلقین نے مجسم شفقت و رحمت کی نبوت کی فوری اور گہری تائید فرمائی، اسی طرح آپؐ کے شریک کار اور مخلص احباب نے بھی بلا چون و چرا آمنا و صدقنا کہا، اس کے علاوہ جو لوگ شرک و بت پرستی سے متنفر ہو کر تلاش حق میں سرگرداں تھے اور موحد اعظم ابراہیم حنیفؑ کے مسلک توحید کے از سر نو زندہ ہونے کے آرزومند تھے ان میں سے بھی جس جس تک یہ پوشیدہ دعوت پہنچی وہ بھی دین توحید کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ ۱۵

اس سری دعوت و تبلیغ کا اگلا حصہ وہ ہے جو دار ارقم میں اسلام کے جاں نثاروں کے تزکیہ نفس، عبادات و ذکر اللہ، زندگی کے میدان عمل میں داخل ہونے اور تحریک اسلام کو فعال بنانے کے لئے عملی تربیت اور مسلم کمیونٹی کی رہنمائی اور مشکلات کے حل میں صرف ہوا، مکی عہد نبوت میں یہ مرحلہ بے حد اہم تھا، نظر نبوت جو ہر قابل کو جلا بخش رہی تھی، مشکلات کے پہاڑ برداشت کرنے کے لئے نشہ توحید پلایا جا رہا تھا تاکہ ہر فرد فولادی عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھے اور شیخ سعدی کو

یہ کہنے کا موقع عطا کرے۔ ۱۵۰ کہ!

موحد چو در پائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس
برین است بنیاد توحید و بس!

موحد سر پر لٹکتی ہوئی فولادی تلوار کو کس طرح خاطر میں نہیں لاتا اور سونے کے ڈھیر کو پائے حقارت سے کس طرح ٹھوکر مارتا ہے اس کی پہلی عملی مثال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت خود پیش فرمائی، جب سہارا دینے والے نے قبائل کے دباؤ میں آکر نرمی کی تلقین کی اور سرداران قریش کی طرف سے حکومت اور تاج و تخت کی پیشکش ہوئی، آپ نے قبائل کے پر خطر دباؤ کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے چچا ابو طالب سے کہا تھا کہ واللہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لاکر بھی رکھ دیں تو بھی میں دعوت توحید اور تبلیغ حق کو ترک کرنے والا نہیں، پیغمبر توحید کی یہ گفتار تھی اور یہ کردار تھا جو دار ارقم ؓ میں بیٹھ کر مٹھی بھر اہل ایمان کی تربیت کر رہا تھا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و اشاعت دین کے لئے حضرت ارقم ؓ نے اپنا وہ گھر وقف کر دیا تھا جو کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا تاکہ پوشیدہ طور پر دعوت حق جاری رہے اور پورے اطمینان کے ساتھ حلقہ بگوشان اسلام کی عملی تربیت کا کام بھی انجام پاتا رہے، دعوت اسلام کا یہ وہ مرحلہ ہے جس میں مکہ مکرمہ کے بے کس، زیر دست اور بے دست و پا غلام اس نئی تحریک میں اپنی دنیا و آخرت کی نجات تصور کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے حضرت عمار بن یاسر ؓ اور حضرت صہیب رومی ؓ کے قبول اسلام کے متعلق ایک بڑا ہی دلچسپ اور ڈرامائی واقعہ تحریر کیا ہے، ایک دن یہ دونوں حضرات چپکے چپکے دبے پاؤں دار ارقم ؓ کے دروازہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور حیرت و تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر گفتگو کا رازدارانہ انداز شروع ہوتا ہے، یوں لگتا ہے کہ حق کے متلاشی ایک دوسرے کی تشنگی اور تڑپتی ہوئی آرزو کو بھانپ گئے ہیں اور حق پرست روحیں رشتہ اخوت کے لئے بے قرار ہیں، دلوں نے اپنی اپنی مراد آنکھوں سے عیاں کر دی ہے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ حضرت عمار ؓ اور حضرت صہیب ؓ سے پہلے حلقہ بگوشان اسلام کی تعداد تیس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ۱۷

صاحب طبقات کبری محمد بن سعد نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ مہاجرین مکہ میں سے اولین و سابقین اسلام کے قبول دین حق کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جائے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ

حضرات کون کون تھے جو دار ارقم کو دعوت دین حق کا مرکز بنانے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے اور وہ کون تھے جو اس عمارت کو مرکز اسلام یا محور دعوت حق بنانے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے مثلاً حضرت عثمان، ابو عبیدہ بن الجراح، ابو سلمہ بن عبدالاسد، سعد بن ابی وقاص، خباب بن الارت، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم سمیت تیس سے زائد حضرات دار ارقم کے مرکز بننے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، دار ارقم کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنانے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں میں حضرت حمزہؓ و عمرؓ کے علاوہ حضرت بلال، صہیب رومی، عمار بن یاسر، مصعب بن عمیر اور طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام شامل ہیں، دار ارقم کو مرکز و محور بنانے سے قبل یا بعد میں قبول اسلام سے مشرف ہونے والے صحابہ کرامؓ کے درمیان خط تفریق کھینچنے سے ابن سعد کا ایک مقصد تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قبول اسلام کی اولیت کو اہمیت دیتے ہوئے درجہ بدرجہ صحابہ کرامؓ کے عطیات مقرر کئے تھے اور دیوان خلافت کی فہرست میں ان حضرات کے اسمائے گرامی کو اسی ترتیب سے لکھ دیا گیا تھا، لیکن ابن سعد کے اس طرز ترتیب سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک دار ارقم کو دین حق کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز و محور بنانے کا واقعہ ایک ایسا نقطہ تغیر ہے جس نے دنیا کی بے مثال اور بے نظیر تحریک کو ایک نیا رخ عطا کرنے میں ایک محفوظ پناہ گاہ اور بے مثال تربیت گاہ کا کام کیا تھا۔

دار ارقم میں قیام کے دوران تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں کوئی راز نہ رہی تھیں، لیکن دار ارقم میں آنے کے بعد سے دو نمایاں تبدیلیاں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کی پوشیدہ دعوت اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان مخلص متعلقین خواتین و حضرات تک محدود رکھا تھا جو آپ کے پختہ اعتماد کے لوگ تھے، ان میں آپ کے عزیز و اقارب بھی تھے، شرفائے قریش اور آپ کے دوست بھی تھے اور کچھ خدام و غلام بھی تھے جو دعوت دین کے اس پوشیدہ مرحلے میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، دوسری یہ کہ دار ارقم میں آنے کے بعد یہ دعوت پوشیدہ ہونے کے باوجود کفار مکہ کی نظر میں تھی مگر اب اس میں وہ لوگ جوق در جوق داخل ہوتے نظر آئے جو مکہ مکرمہ کے زیر دست اور بے سہارا لوگ متصور ہوتے تھے، جن کی پشت پر مکہ کے طاقتور قبائل میں سے کسی قبیلے کی حمایت و حفاظت موجود نہ تھی یہی لوگ مستضعفین کہلاتے تھے، اس مرحلے میں سرداران قریش نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو ایک زبردست خطرہ تصور کر لیا تھا اور وہ اس کا راستہ روکنے کے جتن کرنے لگے تھے اس کی ایک واضح مثال دار ارقم میں قیام نبوی کے دوران میں حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ہے جو معاذ اللہ رسول برحقؐ کا قصہ تمام کرنے کے لئے نکلے تھے مگر اسلام کے حلقہ بگوش ہو

کر سعادت ابدی کے ساتھ ساتھ شہرت عام وبقائے دوام بھی پا گئے۔ ۱۸؎

دار ارقمؓ میں رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فیضان نظر سے جس قسم کے انسان ڈھل کر تیار ہو رہے تھے اور جس انداز میں ان کی کایا پلٹ رہی تھی اسے تاریخ نے در خور اعتنا نہیں سمجھا، لیکن ایسے شواہد و آثار پھر بھی یونہی محفوظ ہو گئے جو یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ انسانوں کی سیرت و کردار خود بخود نہیں تیار ہوتے بلکہ اس کے لئے خصوصی فیضان نظر اور انفرادی توجہ درکار ہوتی ہے، ایسے آثار و شواہد کی ایک جھلک ہمیں دار ارقمؓ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی تعمیر سیرت، و شخصیت کے ضمن میں دکھائی دیتی ہے، امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب المستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی زبانی نقل کیا ہے کہ دار ارقمؓ میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ دعا رواں ہوئی کہ:۔

> اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب اوبابی جھل بن ھشام فجعل اللہ دعوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمر رضی اللہ عنہ فبنی علیہ ملک الاسلام و ھدم بہ الاوثان یعنی اے اللہ! عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام میں سے کسی ایک کے طفیل اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں شرف قبولیت پا گئی، انہی کے ذریعہ سلطنت اسلام تعمیر ہوئی اور انہی کے طفیل بت پاش پاش ہوئے۔“

پھر اس ضمن میں حاکم کی یہ حدیث بھی خصوصی توجہ کے قابل ہے جو عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے درج ہے! ۱۹؎

> ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب صدر عمر بن الخطاب بیدہ حین اسلم ثلاث مرات وھو یقول الھم اخرج مافی صدرہ من غل وابدلہ ایمانا، یقول ثلاثا یعنی جب حضرت عمرؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر تین بار اپنے دست مبارک سے ضرب لگائی اور تینوں مرتبہ یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے سینے میں جو میل ہے اسے ایمان سے بدل دے!“

الغرض یہ تھا وہ طریقہ تلقین اور اسلوب تربیت جسے دار ارقمؓ میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیضان نظر اپنی کرشمہ سازی اور انسانوں کی سیرت و شخصیت کی تعمیر کے لئے کام میں لا رہا تھا، اس تربیت گاہ میں اسی انداز سے کوئی صدیق اکبرؓ بن رہا تھا، کوئی فاروق اعظمؓ، کوئی مجسم حیا اور کوئی باب العلم اور امام قضا بن رہا تھا، رضی اللہ عنہم اجمعین، ایک نظر تھی جو اپنے فیضان سے انسانوں کا مقدر بدل رہی تھی، ایک طریقہ تھا جو سیرتوں اور شخصیتوں کو ڈھال رہا تھا اور ایک

اسلوب تربیت تھا جو گوشت پوست کے انسانوں کو فولادی عزم و ہمت کا کوہ گراں بنا رہا تھا، دار ارقمؓ میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیضان نظر، اس طریقہ اصلاح اور اس اسلوب تربیت کے نتائج کی بعض جھلکیاں ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے، ان میں خلفاء و حکام بھی ہوں گے، علماء و فقہاء بھی، سپہ سالار و فاتحین اور زاہد اور صوفی بھی ہوں گے!!

رسالت و نبوت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا مکی دور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت و تیاری کا دور تھا، اقبال کے الفاظ میں قوت باطل سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنے اور عرب و عجم کے نشہ ظلم و غرور میں ڈوبے ہوئے نمرودوں، شدادوں، فرعونوں، قیصروں اور کسراؤں کو لرزہ بر اندام کرنے سے پہلے "بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن" کا مرحلہ تھا، اس عہد میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان و معارف سرمدی نے کاروان اسلام کے رہروؤں کو نور نبوت کی بھٹی میں ڈھال کر سونا بنا دینا تھا، یہ کام اکثر و بیشتر مکہ مکرمہ میں کوہ صفا کے دامن میں واقع اس دار ارقمؓ میں انجام پاتا رہا، جس کے لئے کاروان اسلام کی پہلی منزل بننا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔ ۲۰

یہ نظام تربیت کچھ اس طرح تشکیل پایا تھا کہ شمع رسالت کے پروانے حلقہ میں جمع ہو جاتے، وعظ و نصیحت کا فیضان جاری ہوتا اور تشنگان حق اس سے سیراب و فیضیاب ہوتے، سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا، ذکر اللہ اور عبادت سے تزکیہ نفوس کے مراحل طے ہوتے، مختصر سی جماعت کی خبر گیری ہوتی، مصائب و اذیت رسانی کی داستانیں بیان ہوتیں اور ان پر صبر و ہمت اور حوصلہ و جرات کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی تلقین ہوتی بے سہاروں اور بیکسوں کی دست گیری کے علاوہ غلاموں کی آزادی اور انہیں ظلم و اذیت سے چھٹکارا دلانے کے پروگرام تیار ہوتے، اس ضمن میں دولت و سرمایہ صدیقؓ پر بھروسہ کیا جاتا تھا، ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم کے اس مکی مرحلہ میں اپنے جاں نثاروں کو بشارتیں بھی دیتے کہ وہ لمحات کوئی زیادہ دور نہیں جب شرک و بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے گا، تمام عرب قوت اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گا اور قیصر و کسریٰ کے علاوہ تمام ملوک عجم کے تاج و تخت اہل اسلام کے قدموں میں ہوں گے۔

دار ارقمؓ کی اس تربیت گاہ کے نصاب کے اہم اجزائے ترکیبی اس طرح تھے:۔

۱۔ کتاب اللہ: قرآن کریم بنیادی طور پر ایک کتاب وعظ و نصیحت ہے، اس میں مکی وحی ربانی کی آیات تو سراپا وعظ و نصیحت سے تزکیہ نفوس سرانجام پانے کا رنگ لئے ہوئے ہیں، یہاں بار بار فرمایا گیا ہے کہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر (بلاشبہ ہم نے نصیحت پکڑنے کے لئے قرآن کریم کو آسان بنا دیا ہے تو ہے کوئی جو اس نصیحت سے بہرہ ور ہو)

۲۔ نور نبوت کی روح پرور و دل افروز کریں: نصاب کا بہت بڑا حصہ مدینۃ العلم کے معطی منصب کا مرھون منت تھا، حکمت، وعظ اور مجادلہ اس تعلیم و تربیت کے مختلف پہلو تھے۔

۳۔ امرھم شوریٰ انسانی نفوس کے تزکیہ و جلا کے لئے نصاب تربیت میں اسلام کا انقلاب آفریں اضافہ یہ ہے کہ اس میں افراد کی عقول کے خزانوں میں کار فرما حکمت و دانش کو مکمل طور پر کام میں لانے کا حکم ہے، یہاں انسانی دماغوں کو دبانا یا ان کی روشنی کو گل کرنا حرام ہے، حکم یہ ہے کہ سر جوڑ کر سب جمع ہوں اور باہمی مشاورت سے مسائل حل کریں، دار ارقم میں پروان چڑھنے والے نظام اجتماعی کا سرعنوان یہی شورائی جمہوریت اور افراد امت کی آزادانہ رائے کا احترام تھا۔

مدینۃ العلم کا دار ارقم میں فیض عام

۱ = طبقات ۳/۲۷۴

۲ = سیرۃ ابن ہشام ۲/۴۲۵

۳ = سورت الروم آیت ۴۱

۴ = سیرۃ النبی ۱/۴۱۲

۵ = ایضاً

۶ = طبقات ۳/۱۲۳، ۳۶۵

۷ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۷۵، طبقات ۳/۱۲۴

۸ = سورت الانعام آیت ۵۳، تاریخ طبری ۴/۷۵

۹ = سورت النحل آیت ۱۲۵

۱۰ = سورت الانفال آیت ۲۶

۱۱ = سورت الاعراف آیت ۱۵۷

۱۲ = اخبار مکہ ۱/۴۷۳، طبقات ۳/۲۷۳

۱۳ = ایضاً

۱۴ = ایضاً

۱۵ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۷۲

۱۶ = گلستان سعدی ص ۳۷۲

۱۷ = طبقات ۳/۳۲۵

۱۸ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۸۵؛ طبقات ۳/۳۲۵

۱۹ = ایضاً، مستدرک ۲/۱۷۲

۲۰ = ایضاً

مکی عہد کی وحی ربانی اور دار الاسلام دار ارقم رضؓ

مکی عہد نبوی غار حراء سے شروع ہوتا اور غار ثور پر ختم ہوتا ہے لیکن ان دو غاروں کے درمیانی عرصہ کے مراحل سیرت پاک ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں، اس لئے یہ گہرے مطالعہ اور خصوصی اہتمام کے مستحق ہیں، حراء سے اتر کر ایک نسخہ کیمیا کے ساتھ سوئے قوم آنے والے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کے عہد وایمان اور تکمیل مشن کا یہ تیرہ سالہ عرصہ عبرتوں، ہمتوں اور عزیمتوں کی ایسی داستانوں سے لبریز ہے جو انسانیت کے لئے ایک سبق اور پیغام بھی ہیں اور تعظیم و تکریم کے روح پرور مناظر بھی پیش کرتی ہیں، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ منصب رسالت کی ادائیگی کے یہ تیرہ سالہ صبر آزما مراحل جس باریک بینی اور تفصیل کے مقتضی تھے نہ تو ان کے متعلق اتنی معلومات دستیاب ہیں اور نہ اتنی ان پر توجہ صرف ہو سکی ہے۔

ان تیرہ سالہ مراحل تبلیغ رسالت کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو بلکہ سنگ میل دار ارقم رضؓ میں قیام بھی ہے جسے کاروان اسلام کی اولین منزل ہونے کا شرف حاصل ہے، نہ جانے غار حراء میں عطا ہونے والے نسخہ کیمیا کی کتنی منازل یہاں مکمل ہوئیں اور آیات ربانی کس کثرت و تکرار سے یہاں پر دوہرائی گئیں تاکہ سینوں کو ٹھنڈک، دلوں کو بصیرت اور آنکھوں کو روحانی روشنی نصیب ہو، ان مناظر کے روح پرور منازل کی تفاصیل ریکارڈ کرنے میں تاریخ نے کسی قدر بخل اور چشم پوشی کا مظاہرہ بھی کیا ہے، دراصل خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی اسلام کے شورائی جمہوری نظام زندگی سے اعراض و اغماض کا مرحلہ شروع ہو گیا تھا چنانچہ جب تدوین علوم کا مرحلہ آیا تو خلافت ملوکیت میں ڈھل چکی تھی اور نظام زندگی کی وہ روایات قصہ پارینہ بن کر بہت سی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھیں جو دار ارقم رضؓ سے وابستہ تھیں۔ اس لئے ان کے بعض ٹکڑے

ریکارڈ کرتے وقت سوانح نگار اور مؤرخین شاید ان کے مفہوم و مدلول سے بھی پوری طرح آگاہ نہ ہو سکے تھے اس لئے وہ دار ارقمؓ کو دار الاسلام (دار الارقم دعیت دار الاسلام) کہے جانے کی شہرت کو تو ضبط تحریر میں لا گئے لیکن اس شہرت کی وجہ اور تفصیل نہ بتا سکے۔ بعد کے حضرات چونکہ "دعیت دار الاسلام" کا پورا ادراک بھی نہ کر سکے تھے اس لئے انہیں یہ الفاظ ریکارڈ کرنا بھی غیر ضروری معلوم ہوا۔ تاہم کتاب اللہ کے اشارات ہدایت، ابتدائی دور کی کتب تفسیر، کتب حدیث، سیر صحابہ، تاریخ مکہ مکرمہ اور کتب اسماء الرجال کے مندرجات کی گہرائی میں ڈوب کر بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جو دار ارقمؓ کو ایک اہم ترین باب سیرت بلکہ مکی عہد نبوت کا سنگ میل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

دار ارقمؓ بلاشبہ مکی عہد نبوی کا ایک اہم ترین باب ہے بلکہ یقیناً ایک سنگ میل ہے، تاریخ نے تو بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر کاروان اسلام کی اس اولین منزل سے مجبوراً اغماض برتا مگر آیات فرقان سے جو اشارات ہدیٰ و عرفان میسر آتے ہیں ان سے ان صبر آزما مراحل، اہل اسلام کی کڑی آزمائش، دعوت اسلام کے اثرات و ردعمل، کتاب اللہ اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشرکین مکہ کے خیالات اور مفروضات، منصب رسالت کے نمایاں پہلوؤں یعنی تعلیم و تزکیہ نفوس، وعظ و نصیحت اور دعوت اسلام کے حلقات کے لئے دار ارقمؓ کی ضرورت و اہمیت اور وامرھم شوریٰ کی حقیقی روح و معنویت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

گزشتہ سطور میں ہم نے مکی عہد نبوی کے دوران دعوت و تبلیغ اسلام اور منصب رسالت کی ادائیگی کو سات مراحل میں تقسیم کیا ہے، پہلا مرحلہ اہل خانہ اور احباب اخلاص تک محدود رہا۔ یہ اولین مرحلہ نبوت انتہائی راز دارانہ دعوت حق کا مرحلہ تھا ایک طرف تو عالم سماوی کے روابط عالم ارضی سے قائم ہونے کا آغاز تھا جبکہ ایک عبد حق کا ذات حق کے ساتھ پیغام رسانی کا رابطہ پیدا ہوا تھا اور دوسری جانب اس دعوت حق کو بال و پر عطا ہونے کے لئے اسلام کی خاتون اول اور راز دان نبوت کی تائید و تسلی کے ساتھ ایمان و تصدیق بھی ہو گئی اور تمام اہل خانہ بلا چون و چرا نئے دین کے حلقہ بگوش ہو گئے لیکن اہم کام صدیقؓ امت اسلام کی جانب سے نبوت کی تصدیق سے انجام پایا اور پھر ان کی ذاتی دعوت سے یاران طریقت و محبان باصفا کی ایک جماعت حلقہ بگوش اسلام ہوئی اور یوں نبی برحقؐ کے بعد اولین مبلغ اسلام کا شرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا، دوسرا مرحلہ وانذر عشیر تک الاقربین (یعنی اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت حق دیجئے) کا مرحلہ تھا، تیسرا مرحلہ فاصدع بما تؤمر (جس پیغام حق کا حکم دیا جاتا ہے اسے کھلے عام پہنچا دیجئے) کا ہے، اس مرحلے میں وادی بطحا کے گوشے گوشے اور ہر گلی کوچے میں اسلام کا چرچا ہوا، نئے دین

کی دعوت نے ایک تہلکہ مچا دیا، صحابہ کرام ؓ کے لئے گھاٹیوں میں عبادت اور ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ دعوت و عزیمت کی تربیت کا کام بھی شروع ہو گیا، تصادم کی صورت بھی پیدا ہو گئی، ابو جہل تلملا اٹھا اور دعوت حق کے مقابلے کے لئے فرعون بن کر اٹھ کھڑا ہوا اسی ابو جہل کے قبیلہ کا ایک نوجوان اپنے وقت کا موسیٰ بن کر اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا اور اپنی وسیع و عریض حویلی مرکز اسلام کے طور پر وقف کر دی، اس نوجوان کو تاریخ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے اور یہاں سے دعوت اسلام چوتھے مرحلے میں داخل ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ اسد اللہ و اسد رسولہ حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر الفاروق رضی اللہ عنہما کے قبول اسلام سے شروع ہوتا ہے اور صنادید قریش کا فرعونی ٹولہ بنو ہاشم سے مطالبہ کرتا ہے کہ یا تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حوالے کر دیں اور ان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں تا کہ وہ انہیں قتل کر سکیں بصورت دیگر معاشرتی مقاطع کے لئے تیار ہو جائیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ تاریخی دستاویز سامنے آتی ہے جسے ظالمانہ صحیفہ یا مقاطع کا معاہدہ کہا جاتا ہے اور پھر بنو ہاشم شعب ابی طالب میں الگ تھلگ کر دیئے جاتے ہیں، یوں دعوت اسلام پانچویں مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے، چھٹا اور مختصر مرحلہ مقاطعہ کے اختتام سے شروع ہوتا ہے اور حضرت خدیجہ ؓ اور جناب ابو طالب کی وفات پر ختم ہو جاتا ہے، اب گھر میں تسلی دینے والا سہارا بھی ختم ہو جاتا ہے اور گھر سے باہر حمایت کرنے والا سہارا بھی معدوم ہو جاتا ہے اس طرح دعوت حق ساتویں مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ جو مکی عہد نبوی کے دوران دعوت اسلام کا فیصلہ کن اور آخری مرحلہ بھی ہے۔ اب مکہ مکرمہ کی جو سعادت مند روحیں تھیں وہ سابقین اولین کا شرف پا چکی ہیں لیکن یہ دعوت حق اب مکہ مکرمہ سے باہر کی بستیوں کا رخ کرتی ہے، اس دعوت حق کا مرکز بن کر اہل ایمان کے دلوں کی دھڑکن اور آنکھوں کی ٹھنڈک بننا طائف کے بجائے یثرب کے مقدر میں لکھا تھا، یوں مکی عہد کے دوران دعوت اسلام کا ساتواں آخری اور فیصلہ کن مرحلہ ہجرت مدینہ کے ساتھ تکمیل پاتا ہے۔

مکی وحی ربانی دعوت اسلام کے ان تمام مراحل کی نہ صرف جھلکیاں پیش کرتی ہے بلکہ ان تمام مراحل کا ریکارڈ بھی پیش کرتی ہے۔ سیرت طیبہ کے طالب علم کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مکی وحی ربانی کے الفاظ و معانی پر گہری اور وسیع نظر ڈالے اور ان الفاظ و معانی پر طویل غور و خوض کرے، اسے جگہ جگہ سیرت پاک کے نقوش ابھرتے نظر آئیں گے اور دعوت اسلام کے ان تمام مراحل کے روح پرور اور عبرت آموز مناظر جھلکتے دکھائی دیں گے۔

آئمہ تفسیر خصوصاً دور اولین کے مفسرین کرام ہمارے تشکر اور تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے آیات کریمہ کے شان نزول کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش

فرمائی ہے کہ ان کا وقت اور تاریخ بھی متعین ہو جائے، اس سے جہاں آیات قرآنی کو سمجھنے اور ان کا مدعا و مقصود واضح کرنے میں مدد ملتی ہے وہاں سیرت پاک کے وقائع و حوادث کے متعلق بھی بڑی مستند، انتہائی قابل وثوق اور بے حد مفید معلومات میسر آتی ہیں، ہمارے سیرت نگار حضرات اگر کتاب اللہ، اس کی مستند تفاسیر کے ساتھ ساتھ صحاح حدیث اور ان کی شروح کو اپنے مطالعہ کی بنیاد بنائیں تو سیرت طیبہ کے بہت سے گوشے واضح ہوں گے اور بے شمار نئے پہلو سامنے آئیں گے۔

اس باب میں جن آیات ربانی سے اقتباس و اکتساب نور مقصود ہے ان میں توجہ کا اصل مرکز تو دعوت اسلام کا تیسرا مرحلہ ہو گا جب نبی العلم صلی اللہ علیہ وسلم کاروان اسلام کی اولین منزل دار ارقم میں فروکش ہو کر فیض نبوی جاری فرماتے ہیں لیکن ایسی آیات ربانی کی ضیا پاشی بھی اس باب میں نظر آئے گی جو دعوت اسلام کے ان تمام مکی مراحل سے تعلق رکھتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ مکی عہد نبوی کے دوران دعوت حق کے قرآنی نقوش کو اجاگر کیا جائے تاکہ دار ارقمؓ کی مرکزی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔ تو گویا دارالاسلام دار ارقمؓ سیرت نبوی کا ایک سنہرا باب اور چمکتا دمکتا غیر فانی صفحہ ہے، مکی عہد نبوت کے دوران میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بیشتر وقت اسی مخزومی نوجوان کی حویلی میں گذرا، تلاوت آیات، عبادت و ذکر اللہ، صحابہ کرامؓ کی انفرادی و اجتماعی تعلیم و تربیت، تزکیہ نفوس اور اسلام اور اہل اسلام کی بہتری کے معاملات امرھم شوریٰ کے اصول کے مطابق یہیں طے فرمائے۔ دار ارقمؓ جو مکی عہد نبوت میں دارالاسلام کہلایا اسلام کا ایک محفوظ قلعہ تھا جہاں پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے اتباع و پیرو کار نہایت آرام، سکون اور اطمینان سے اپنے دینی و معاشرتی مشاغل میں لگے رہتے تھے۔

اس عہد مبارک میں وحی ربانی کی جو آیات بینات رشد و ہدایت کے لئے نازل ہوتی رہیں اگر ان کا بالاستیعاب گہرا مطالعہ کیا جائے تو ان میں دارالاسلام دار ارقمؓ کے متعلق جلی و خفی ہر قسم کے اشارات ملیں گے اگر اتنی بات ہی ذہن نشین رہے تو حقیقت مان لی جائے گی کہ مکہ مکرمہ کی وادیاں، گھاٹیاں اور گلی کوچے تو اسلام اور اہل اسلام کے لئے ناموافق و نامہربان ہو گئے تھے مگر یہ جگہ ہمیشہ سکون و اطمینان کا قلعہ بنی رہی، ابو جہل مخزومی جیسے فرعون قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کی اذیت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر اپنے ہی قبیلے کے نوجوان ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کی اس تاریخ ساز حویلی کے اندر اسے بھی جھانکنے کی کبھی جرات نہ ہوئی۔

علامہ ابن سعد اور ابو الولید الازرقی ا ے وغیرہ نے دار ارقمؓ میں سالار قافلہ حجاز صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کی سرگرمیوں کا جو اجمالی تذکرہ کیا ہے اگر اس کا مکی وحی ربانی کے حوالے

سے مطالعہ کیا جائے تو ربط و ضبط اور تناسب و مطابقت کے کئی پہلو سامنے آئیں گے یہاں سے یہ حقیقت بھی نکھر کر عیاں ہوتی ہے کہ تفسیر قرآن اور مطالعہ سیرت ایک دوسرے کے لئے ناگزیر اور ممد و معاون بلکہ لازم و ملزوم ہیں، اس لئے کوئی مفسر سیرت پاک کے مطالعہ کے بغیر آیات ربانی کی گہرائی میں نہیں اتر سکتا اور نہ کوئی سیرت نگار کتاب اللہ سے مستغنی ہو کر سیرت طیبہ کے واقعات کے لئے مہر تصدیق حاصل کر سکتا ہے، اس لئے دار ارقم دار الاسلام کے حوالے سے بھی مکی عہد کی وحی ربانی کے نور سے مستفیض ہونا بے حد ضروری اور بہت مفید ہو گا، خواہ ہمارا یہ استفاضہ اختصار و اجمال کے رنگ میں ہی کیوں نہ ہو، اس عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کے اصحابؓ خصوصاً مستضعفین اور قرآن کریم کے متعلق متکبرین قریش اور مشرکین مکہ کا موقف کتاب اللہ میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے، اس کے علاوہ حضورؐ کے طریقہ تعلیم و تربیت، دعوت و تبلیغ اور اسلام و اہل اسلام کے مستقبل کے مسائل کے متعلق فیصلے بھی ہوئے۔ دار ارقم کی تاریخ اور آیات قرآنی کے مربوط مطالعہ سے ان سب مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

پیغمبر کی ذات گرامی

مکی عہد نبوت کے دوران میں کاروان اسلام اپنی اولین منزل دار الاسلام دار ارقمؓ میں فروکش رہا، مگر اس گوشہ عافیت میں ذکر و عبادت میں مشغول رہنے یا لسان نبوت کے فیضان سے وعظ و نصیحت، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس کے کام میں کبھی کسی کو خلل ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی، باوجودیکہ فرعون قریش ابو جہل عمرو بن ہشام بھی بنو مخزوم سے تھا اور دار ارقمؓ بنو مخزوم ہی کے محلہ میں واقع تھا مگر جیسا کہ ابھی ذکر ہوا اسے کبھی حضرت ارقمؓ کی اس حویلی کے اندر قدم رکھنے یا جھانکنے کی جرات نہ ہوئی، صرف اتنی بات کتب سیرت و تاریخ میں منقول ہے کہ ایک روز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم محلہ بنو مخزوم میں کسی مکان (غالباً دار ارقمؓ) کے سامنے گلی میں جلوہ افروز تھے اسی اثناء میں ملعون فرعون قریش پاس سے گذرا تو طیش میں آگیا اور توہین رسالت کا مرتکب ہوا، سب و شتم کرتا ہوا گزر گیا، یہ منظر ایک پاکباز لونڈی نے دیکھا اور حضرت حمزہ سے جو شکار سے اسی وقت لوٹے تھے، کہہ سنایا، ۲، تاہم ابو جہل کو دار ارقمؓ کے اندر جانے کی جرات کبھی نہ ہوئی البتہ جب آپ جماعات، افراد اور مجالس کو خطاب فرماتے یا گلی کوچے میں دعوت حق دیتے اور آیات حق کی تلاوت فرماتے تو اس وقت مشرکین کا ردعمل ضرور ہوتا ایسے ردعمل کے بعض مناظر کو قرآنی اشارات میں بھی محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہاں ان اشارات میں سے بعض کا تذکرہ

ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

حضور کے متعلق مشرکین قریش کا ایک اعتراض یہ بھی ہوتا تھا کہ آخر نبوت و رسالت کا منصب رسول ہاشمی ؐ کو ہی کیوں عطا ہوا؟ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم در یتیم تھے مگر عبدالمطلب کے پوتے اور ابو طالب کے بھتیجے ہونے کے علاوہ اس ہاشم کے پڑپوتے بھی تو تھے جسے سخی قریش کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا مگر ابو جہل اور ابو سفیان جیسے گھمنڈی بنو ہاشم میں نبوت و رسالت کے منصب پر جلتے تھے، اس لئے ایمان لانے سے بھی محروم تھے، دراصل یہ انسانی فطرت کی کج روی اور کوڑ مغزی کا کرشمہ ہے کہ وہ "اسمع ماقال" (وہ سن جو اس نے کہا) پر عمل پیرا ہونے کے بجائے "ولاتنظر الی من قال" (اور یہ مت دیکھ کہ کس نے کہا) کی مخالفت پر عمل کو ترجیح دینے کی قائل ہے، بات لاجواب اور کام لاثانی ہی کیوں نہ ہو انسان کی فطرتی کج روی سر تسلیم خم کرنے یا دفاعی روش اختیار کرنے کی بجائے جارحانہ رویہ ہی اپنائے گی خواہ یہ غلط ہی کیوں نہ ہو، اس لئے وہ ایسی صورت میں بات یا کام کے بجائے بات کہنے والے اور کام کرنے والے کی شخصیت اور حیثیت کو موضوع بحث بنانے کا آخری حربہ آزماتی ہے مکہ مکرمہ کے ابو جہلوں کی مشرکانہ کج روی بھی پیغام حق کے سامنے لاجواب ہو کر پکار اٹھی تھی کہ لولانزل ہذاالقرآن علی رجل من القریتین عظیم ...... الایہ یعنی کاش یہ قرآن مکہ وطائف کے کسی عظیم آدمی پر نازل ہوتا! ۳۔

کتاب اللہ نے اس جاہلانہ اعتراض اور مشرکانہ کج روی کا بڑا مسکت اور دندان شکن جواب دیا ہے۔ فرمایا گیا! تو کیا تیرے رب کی رحمت نبوت کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری اور ٹھیکیداری بھی ان نادان مشرکین کے پاس آگئی ہے؟ جبکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ دنیاوی معیشت اور دولت بھی ان کی مرضی کے تابع نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اللہ رب العزت ہی ہے جو ان میں سے کسی کو مال و دولت کی آزمائش میں ڈالنے کے لئے امیر بنا دیتا ہے اور کسی کو فقر و افلاس سے آزماتا ہے، ان میں کوئی پست ہے کوئی بالا ہے کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے لیکن نبوت و رسالت تو اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے اور ان کی دولت و معیشت سے بالا و برتر ہے تو بھلا یہ ان کی مرضی کے تابع کیسے ہونے لگی۔ "اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ" ۴۔ وہ تو خود جانتا ہے کہ منصب رسالت کے سزاوار ہے۔

پیغام حق کے سامنے لاجواب ہو کر متکبرین قریش جھنجھلاہٹ میں جب رسول اکرم ؐ کی ذات بابرکات کی تنقیص و توہین پر اتر آئے اور جو بے سروپا الزام لگاتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں اور کسی جن کے زیر اثر ہیں، داعی حق کو ناکام و بدنام کرنے اور لوگوں کو ان سے دور رکھنے کے لئے کہتے کہ لو یہ تو کہتا ہے کہ جب تم مر کر بکھر جاؤ گے اور خاک

میں پیوند ہو جاؤ گے تو اس کے بعد تمہیں نئی زندگی مل جائے گی ۵۔ چنانچہ رسول اکرم ؐ کھلے عام وعظ فرماتے، تلاوت آیات میں ان کے اس بہتان جنون کو جھٹلایا جاتا اور ان سے درد بھرے انداز میں فرمایا جاتا کہ اگر تم تنہا تنہا سوچو اور دو دو مل کر مشورہ کرو تو اپنے منصفانہ موقف سے جان لوگے کہ تمہارا یہ رسول مجنون، دیوانہ یا سودائی ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک شدید عذاب سے ڈرانے والا ہے ۶۔

مستکبرینِ مکّہ اور مغرور مشرکین کے لئے قاطع اور اٹل براہین قرآنی جب ناقابل برداشت ہو جاتیں اور وہ ششدر و مبہوت ہو جاتے تو پیغام ربانی کی شان کو گرانے اس کے اثر کو زائل کرنے اور اپنے دل کی جلن کو ہلکا کرنے کے لئے کبھی یہ بھی کہہ دیتے کہ یہ تو کلام الٰہی ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صہیب رومی جیسے کسی عجمی غلام کی ذہنی اپج ہے جو آپ کو تورات و انجیل اور افکار عجم سکھاتا رہتا ہے جنہیں بعد میں آپ عربی میں وحی ربانی کے نام سے پیش کر دیتے ہیں چنانچہ کبھی کہتے کہ آپ معاذ اللہ معلم مجنون یعنی ۷۔ سیکھے سکھلائے سودائی ہیں کبھی واضح الفاظ میں کہتے کہ انما یعلمہ بشر ۸۔ یعنی یہ تو بس اسے کوئی انسان سکھاتا ہے حالانکہ کلام اللہ کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا چیلنج اور تحدی موجود تھی جس کے سامنے عرب کے تمام فصحاء و بلغاء عاجز آ چکے تھے!

کفار مکہ کو رسالت محمدؐ پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ تو انہی میں سے ایک انسان ہے جس کے باپ دادا کو سب جانتے ہیں، وہ نبوت و رسالت کے منصب پر کیسے فائز ہو گیا ہے۔ اور ہمیں جنت و دوزخ اور حشر و نشر کی باتیں بتانے لگا ہے، ۹۔ سورہ ق آیات ۱۔۴ میں کفار کی اس حیرت اور تعجب کو مع مسکت جواب ذکر کیا گیا ہے، کتاب اللہ میں کفار کے اس معترضانہ نقطہ نظر کو متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ اس میں حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا کھانا اور گلی بازار میں نکلنا بھی ان کے نزدیک رسالت کے منافی تھا، کبھی کہتے کہ آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہوتا جو لوگوں کو ڈراتا یا آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا یا آپ کے پاس باغات کیوں نہیں جن سے میوے اور پھل حاصل ہوتے۔ ۱۰۔ کبھی کہتے کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے جب آپ ہمارے سامنے زمین میں سے چشمہ نکال دیں، یا ہرے بھرے باغات کے مالک بن جائیں یا ہم پر آسمان گرا دیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ساتھ لے آئیں یا جب تک آپ کا کوئی سجا سجایا محل نہ ہو یا آپ ہمیں آسمان پر چڑھ کر نہ دکھائیں بلکہ آسمان پر آپ کے چڑھنے کو بھی ہم اس وقت ہی مانیں گے جب آپ ہمارے نام وہاں سے ایک ایسا نوشتہ لے آئیں جسے ہم پڑھ سکیں۔ ۱۱۔ کفار کے ان معاندانہ و جاہلانہ سوالات کے جواب کے لئے یہ حکم ربانی ملا کہ قل سبحان ربی ہل کنت الا بشرا رسولا یعنی کہہ دیجئے کہ تمام عیبوں سے پاک ہے میرا رب میں تو

سوائے ایک بشر اور رسول کے اور کچھ نہیں ہوں !۱۲۔

صنادید قریش و مستکبرین مکہ جب لاجواب ہو گئے اور اعجاز قرآنی کی عظمت اور حق و صداقت کی ضیائے سرمدی سے آنکھیں چندھیا گئیں تو ان کے لئے یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان سے مدد لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، قرآن کریم کو اساطیر اولین، سحر و افکار، شاعر و کاھن کا کلام اور عجمی غلاموں کی کارستانی کے الزامات سے بھی گزارا نہ ہوا تو نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ اور نوفل بن خویلد جیسے مستکبرین و مستھزئین نے یہود یثرب سے رابطہ کیا اور پیغمبر اسلامؐ کو بزعم خویش لاجواب کر دینے والے سوالات گھڑنے کے لئے کہا ۱۳۔ چنانچہ شریر یہودیوں نے جو سوالات بھیجے ان کا تذکرہ سورت بنی اسرائیل اور سورت کہف کی آیات میں مفصل آیا ہے، ان سوالات میں روح کی حقیقت، اصحاب کہف کی تعداد، حضرت خضرؑ اور ذوالقرنین کی شخصیت بھی تھی، حقیقت یہ ہے کہ کتاب اللہ میں ان سوالات کے جو جوابات آئے ہیں ان سے آگے بڑھنا آج تک کسی انسان کے لئے ممکن نہ ہوا، یہاں پر صرف روح کی حقیقت کے متعلق قرآنی جواب پر باقی جوابات کو قیاس کیا جا سکتا ہے، آپ کو وحی ربانی کے ذریعہ حکم اعلان ہوا کہ "قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" یعنی فرما دیجئے کہ روح تو میرے رب کا امر ہے اور اس کے متعلق تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے ۱۴۔ روح کے بارے میں قرآنی حکم صرف اتنا ہے کہ یہ امر رب ہے اور امر رب کے متعلق رب العالمین کا اپنا ارشاد یہ ہے کہ "انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون" یعنی اس رب العزت کا امر یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرماتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے ۱۵۔!

اگر آپ غور فرمائیں تو اس قرآنی جواب میں بھی اعجاز کا ایک خاص پہلو ہے، اللہ رب العزت لطیف ہے اور ایسا لطیف ہے کہ بصارتیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں مگر وہ بصارتوں اور بصیرتوں کا بھی ادراک کرتا ہے، یہ روح بھی اس رب لطیف کا امر لطیف ہے، اس کا ادراک بھی انسانی بصیرت و بصارت کے بس کی بات نہیں، اس کے متعلق انسان کا علم بھی قلیل ہے اور قلیل ہی رہے گا، انسان کا ذہن اور علم خواہ کتنا ہی بڑھ جائے اور ترقی کر جائے وہ روح کی کنہ و حقیقت کو نہ پا سکے گا۔ اس لئے بندہ مومن کے لئے روح کی حقیقت کے متعلق اتنی بات ہی جان لینا کافی ہے کہ یہ امر ربی ہے اور جس طرح رب کی کنہ اور حقیقت کا ادراک ناممکن ہے، اسی طرح اس لطیف امر ربی کا ادراک بھی ناممکن ہے، بس تھوڑا بہت معلوم ہے اور یہ اسی طرح تھوڑا بہت ہی رہے گا، کوئی نکتہ رس فلسفی اور کوئی باریک بین سائنسدان اسے آگے نہیں بڑھا پائے گا۔

مکی عہد نبوت کے دوران میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے مستکبرین قریش کی جو

مواجہت اور تصادم کی صورت رہی اس میں یہ حقیقت بھی ثابت ہے کہ یہ لوگ آپ کی ذاتی زندگی اور سیرت پر کسی قسم کی انگشت نمائی سے عاجز تھے، وہ آپ کو اول تا آخر صادق و امین مانتے تھے اور مرحلہ ہجرت تک آپ کے پاس اپنی امانتیں بھی رکھتے رہے تھے، وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے تھے بس قرآن کریم کی دعوت حق اور اعلان توحید انہیں گوارا نہ تھا، مربی دار ارقم کو مستکبرین قریش کی اسی روش پر دکھ ہوتا تھا چنانچہ مکی وحی ربانی نے اس حقیقت کو سورت انعام ۱۶؎ میں ریکارڈ کیا ہے!

"قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانہم لا یکذبون و لکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتیں آپ کو غمگین بناتی ہیں تو یہ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں"

مشرکین مکہ کی زبان پر ایک جملہ بار بار آتا تھا کہ لولانزل علیہ آیہ کاش اس پر کوئی معجزہ اترتا، گویا ۱۷؎ وہ معجزہ کے طالب و منتظر تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ معجزہ دیکھتے ہی وہ فوراً ایمان لے آئیں گے، آنحضرت ؐ کو بھی یہ خیال آتا کہ اگر ان کا مطلوبہ معجزہ ظہور پذیر ہو جائے تو شاید یہ واقعی ایمان لے آئیں گے مگر اللہ رب العزت کی طرف سے تادیب و تسلی کے طور پر فرمایا جاتا کہ ۱۸؎ (الانعام آیت ۳۵)!

"اگر ان کفار کا اعراض کرنا آپ کو گراں گذرتا ہے تو جان لیجئے کہ اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالیں یا سیڑھی لگا کر آسمان سے ہو آئیں اور کوئی معجزہ ساتھ لے آئیں تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں ہدایت پر جمع کر دے اس لئے آپ نادانوں میں سے مت ہوں"

یعنی کفار و معاندین معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ اس قرآنی سچائی کو شق القمر کا معجزہ ثابت کرتا ہے جو سورہ القمر کی ابتدائی آیات ۱۹؎ میں مذکور ہے، لکھا ہے کہ منیٰ میں مشرکین مکہ کا مجمع تھا، داعی حق ان سب کو دین حق کا حلقہ بگوش ہونے کی دعوت دے رہے تھے، سب نے معجزہ طلب کیا، آپ نے حکم ربانی سے فرمایا ۲۰؎ نظریں اٹھاؤ یہ چاند ہے اور انگلی سے اشارہ فرمایا تو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا مجمع کے مشرق میں اور دوسرا مغرب میں چلا گیا درمیان میں پہاڑ حائل تھا یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کا جواب یہی تھا کہ محمدؐ نے یا تو ہم پر جادو کر دیا ہے اور یا چاند پر!

ہادی برحق ؐ نے اپنی چالیس سالہ بیداغ سیرت کو اپنی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور فرمایا کہ جو انسان اللہ کے بندوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا وہ خود اللہ تعالیٰ پر کیسے کذب و افتراء باندھ سکتا ہے، مکی وحی ربانی نے اس سچائی کو بھی ریکارڈ کیا ہے (یونس ۱۶۔۱۷) چنانچہ

فرمایا۲۰:

"آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر مشیت الٰہی نہ ہوتی تو میں یہ قرآنی آیات تمہیں پڑھ کر نہ سناتا اور نہ وہ تمہیں ان کی خبر کرتا، میں اس سے قبل تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟!"

مکی عہد نبوت میں مکہ مکرمہ سات سال تک قحط اور خشک سالی سے دوچار رہا، صنادید قریش نے بطور آزمائش آپ سے دعائے استسقاء کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اس عذاب سے نجات کی صورت میں وہ ایمان لے آئیں گے، آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے باران رحمت سے نوازا غالباً. اسی لئے حضرت ابو طالب نے فرمایا تھا "وابیض یستسقی الغمام" بوجہ یعنی آپ وجیہہ صورت ہیں آپ کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے، بایں ہمہ مستکبرین قریش ایمان نہ لائے، سورہ یونس کی آیات ۲۱۔ ۲۲ کا پس منظر اور شان نزول یہی ہے۲۱۔

قریش مکہ کے مستکبرین و مشرکین کا نشہ کبر و غرور اور تعصب و نسل پرستی یہ گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھی کہ اسلام میں داخل ہونے والے زیردست بیکس اور مستضعفین بھی ان کے برابر ہو جائیں، ان کا آپ سے ہمیشہ یہ تقاضا رہتا کہ آپ بلال و صہیب اور خباب و عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ انہیں نہ بٹھایا کریں، بلکہ وہ تو آپ کو یہ طعنہ بھی دیتے تھے کہ رذیل و سفلہ لوگ ہی آپ کے پیروکار ہیں، مگر آپ دار ارقم کے ان دراویش و اہل اخلاص کی صحبت ہی کو پسند فرماتے اور الفقر فخری (فقر ہی میرا فخر ہے) کا اعلان فرماتے، اگر کبھی کسی درویش کی ذرہ بھر بھی دل شکنی ہو گئی تو اس معمولی کوتاہی پر بھی عتاب ربانی ہوا، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کا واقعہ اسی نوع کا ہے جسے سورہ عبس کی مکی وحی ربانی ریکارڈ کرتی ہے۲۲۔

دار ارقم کے دراویش و مریدان باصفا و اخلاص کی معیت ہی کو ترجیح دینے اور آپ کو ان کے تزکیہ نفوس، وعظ نصیحت اور عبادت و ذکر اللہ میں ان کے ساتھ مصروف رہنے کا حکم ہوا اور بتایا گیا کہ یہی اللہ کے بندے وہ نفوس قدسیہ ہیں جو آگے چل کر نجوم ہدایت بننے والے ہیں، چنانچہ دار ارقم سے جو بھی تربیت پا کر نکلا وہ ہدایت کا ستارہ کیا آفتاب قیادت بن کر نکلا، یہ مناظر سیرت نبوی بھی مکی عہد نبوت کے وحی ربانی کی سورت انعام اور سورت کہف میں محفوظ کر دئے گئے ہیں۲۳۔

سورہ انعام کی مذکورہ بالا آیات کریمہ میں دعوت اسلامی کے ایک اور پہلو کا بھی تذکرہ ہے جس پر کفار مکہ طنز کیا کرتے تھے، آپ نے فرمادیا تھا کہ اگر قریش کے مستکبرین راہ راست پر آجائیں تو عرب و عجم دین حق میں شامل ہو جائیں گے، اور جو سعادتمند لوگ اس دعوت حق کے

علمبردار بن گئے ہیں وہ قیصر و کسریٰ کی بادشاہتوں کے وارث بننے والے ہیں مجھے زمین کے مشرق و مغرب کا زاویہ زاویہ اور گوشہ گوشہ دکھا دیا گیا ہے اور یہاں میری امت کی حکمرانی قائم ہونے والی ہے، مگر قریش کے یہ مستکبرین جب دار ارقم کے دراویش و فقراء کو دیکھتے تو کہتے اھولاء من اللہ علیھم من بیننا (کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم میں سے قیصر و کسریٰ کا وارث بننے کے لئے چنا گیا ہے اور انعام و فضل کا مستحق گردانا گیا ہے؟) ۲۴۔ یہاں سے دعوت اسلامی کا عالمگیر ہونا بھی ثابت ہے، مکی سورت اعراف میں بھی آیا ہے کہ یا یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (اے انسانو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) ۲۵۔ اس طرح سورت یونس (آیت ۲)، سورت سبا (آیت ۲۸) اور سورت الفرقان (آیت ۱) سے بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روز اول ہی سے تمام عالم بشریت کے لئے رسول اور ہادی بنا کر مبعوث فرمایا گیا تھا، لہٰذا مستشرقین کا یہ اعتراض باطل ٹھہرتا ہے کہ مکی عہد نبوت میں آپ کا دعوی نبوت صرف مکہ اور آس پاس کے عربوں کے لئے ہی تھا اور آپ کے پیغام کا عالمگیر ہونا بعد کا خیال ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد سامنے آیا مگر قرآن کریم کی یہ سورتیں مکی ہیں اور دعوت اسلامی کی عالمیت و عمومیت پر دلالت کرتی ہیں، نیز قریش کا طعنہ و تمسخر کہ یہ فقیر لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ ہیں جو عالمگیر تحریک کے قائد بننے والے ہیں، دعوت اسلامی کو روز اول سے عالمگیر ثابت کرتا ہے، چنانچہ اسی لئے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد آپ نے دنیا بھر کی انسانیت کو دعوت اسلام دی اور شاھان عالم کو خطوط لکھے۔

قرآن کریم

مکی عہد نبوت کے دوران میں مستکبرین قریش اور دار ارقم کی مختصر سی مسلم کمیونٹی کے درمیان تصادم کے جو ہنگامے برپا ہوتے رہے ان میں سب سے نمایاں تصادم وہ تھا جو مکی عہد کی وحی ربانی کے خلاف تھا، ترانہ توحید اور رد شرک کی باتیں مشرکین مکہ کے دلوں پر چبھنے والے تیروں سے بھی سخت تھیں، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے کچھ زیادہ عداوت و مخاصمت نہیں رکھتے تھے اور نہ آپ کے صدق و امانت پر کوئی انگشت نمائی کرتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بھی نہیں کرتے تھے بلکہ قرآنی نغمہ توحید اور رد شرک ان کے لئے ناقابل برداشت اور ناقابل قبول تھا ۲۶۔

کتاب اللہ کی آیات مبارکہ ایک طرف تو مشرکین مکہ کی اس معاندانہ و مخاصمانہ روش کو ریکارڈ کرتی ہیں جو انہوں نے قرآن کریم کے متعلق اختیار کر رکھی تھی تو دوسری جانب وہ آیات

بھی ہیں جو اللہ کے اس آخری پیغام حق کی اصلیت و حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں، ہم یہاں دونوں قسم کی آیات کا مختصر جائزہ لیں گے مگر تمام آیات کریمہ کا احاطہ واستیعاب نہ مقصود ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔

مستکبرین قریش و مشرکین مکہ کی اس جاہلانہ روش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ معلم انسانیت و مربی دار ارقم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جب وہ آیات ربانی سنتے جو ان کے مشرکانہ عقائد، بت پرستی اور ان کے آباء واجداد کے موروثی توہمات اور ڈھکوسلوں کو باطل ٹھہراتی اور ان کی اصلیت کا پردہ چاک کر دیتی تھیں تو اس کا ردعمل یہ ہوتا کہ وہ رسول برحق ؐ کو بھی معاذ اللہ اپنے اور اپنے آباؤ اجداد جیسا ایک جعل ساز تصور کرتے جس نے ان کی صنم تراشی کی طرح قرآن کریم بھی گھڑ لیا ہے، اس لئے ان کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ

"ایت بقرآن غیر ہذا او بدلہ یعنی اس کے علاوہ یا تو کوئی اور قرآن لے آیئے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو موجودہ قرآن کو ہی بدل دیجئے مگر پیغمبر صادق و امین ؐ کو جواب کے لئے حکم یہ تھا کہ!

"قل مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحی الی یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ میں اسے خود بخود بدل دوں میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۲۷۔ اور ان مستکبرین و مشرکین کی مزید تسلی کے لئے یہ بھی فرمادیا گیا کہ! ۲۸۔

"وما کان ہذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین یعنی یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے بغیر گھڑ کر نہیں بنایا جا سکتا بلکہ یہ تو تصدیق ہے اس کے لئے جو اس سے پہلے موجود ہے اور اس کتاب کی تفصیل ہے جس کے رب العالمین کا کلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں"

کفار مکہ قرآن کریم اور سابقہ کتب سماویہ پر ایمان لانے سے صاف انکار کرتے تھے (سورت سبا آیت ۳۱)، آیات قرآن کو غیر موثر کرنے اور تلاوت آیات کی نبوی کوششوں کو ناکام بنانے کی بھی کوشش کرتے تھے (سورت سبا آیت ۳۸) اور ایک دوسرے کو یوں اکساتے تھے! ۲۹۔

"وقال الذین کفروا لا تسمعوا لہذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون یعنی کافر لوگ ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ قرآن مت سنو اور اس کے پڑھنے میں شور و غوغا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ"۔

مختلف اجتماعات و مواقع وعظ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت آیات فرماتے تو وہ اس پیغام حق کو سحر و افتراء قرار دیتے ہوئے لوگوں سے آواز بلند کرتے ہوئے کہتے کہ یہ شخص اپنے سحر و افتراء سے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ قرآن کریم کو کبھی اساطیر اولین یعنی پرانی داستانیں قرار دیتے (الانعام آیت ۲۵ الفرقان آیت ۵)، کبھی اسے افک و افتراء کہتے (سورت الفرقان آیت ۴)، کبھی اسے شاعر، کاھن اور مجنوں کا کلام قرار دیتے (سبا آیت ۸، مومنون آیت ۲۵، حجرات ۶)۔

الغرض دار ارقم کے اندر جو کتاب زندہ نصاب تدریس و تربیت، تزکیہ نفوس اور اصلاح کا نسخہ کیمیا اور دستور جہاں بانی قرار پایا تھا اسے قریش کے متکبر سردار و مشرکین مختلف ناپسندیدہ القاب و اسماء سے تعبیر کرتے تھے، دراصل وہ قرآن کریم کے اعجاز بیان اور حکمت سرمدی کی تاثیر سے گھبرا کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، تاہم وہ نہ تو قرآن کریم کے اثر کو زائل کر سکے اور نہ اس کے کھلے چیلنج کا مقابلہ کر سکے مگر انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا آخری سہارا لے رکھا تھا اور یہ ایک ایسا قفل ہے جسے اللہ رب العزت نے بھی کھولنے کا ذمہ نہیں لیا۔

کفار مکہ کی ایک معترضانہ خواہش یہ بھی ہوتی تھی کہ قرآن کریم یک بارگی اکٹھا کیوں نہیں نازل ہو جاتا، وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ آنا ہے اس کا پتہ چل جائے تاکہ اس کے بعد کوئی مستقل جوابی اقدام یا تدبیر و ترکیب نکالنا آسان ہو جائے اور اس سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھوٹ جائے، یہ بات جہاں مشرکین کی بیزاری کی دلیل ہے وہاں ان کے خوف و خدشات کی بھی غماز ہے، وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ آگے چل کر اس پیغام حق کے باعث کوئی ہولناک واقعہ نہ پیش آجائے یا کوئی قیامت خیز انقلابی تبدیلی نہ واقع ہو جائے (بنی اسرائیل آیت ۱۰۶، الفرقان آیت ۲۲)۔

قرآن کریم کے استہزاء و تمسخر کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ کفار مکہ سورتوں کے نام لے لے کر کہتے کہ میں بقرہ لے لیتا ہوں، تو مائدہ لے لے اور وہ عنکبوت پر ہی اکتفا کر لے گا، شان پیغمبر میں اس جاہلانہ گستاخی کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو تنگ کیا جائے اور لوگوں کی نظر میں آیات حق کی اہمیت کم کی جائے۔

مکی آیات ربانی میں مشرکین مکہ کے اس زعم کو بھی باطل ٹھہرایا گیا کہ قرآن کریم معاذ اللہ آپ کے لئے کسی آزمائش یا شقاوت کا باعث ہو گا۔ (طہ آیات ۱-۴) مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو یہ کتاب زندہ قرآن حکیم ایک دائمی و غیر فانی معجزہ ہے جو ہر زمان و مکان میں باقی و دائم رہے گا، اس لئے مستکبرین قریش کا عذاب مانگنا یا معجزے طلب کرنا جاہلانہ حماقت اور ضد ہے کہ اگر یہ پوری بھی ہو جائے تو پھر بھی یہ ایمان نہیں

لائیں گے۔

تاہم مکی وحی ربانی نے قرآن کریم کے اصل مرتبہ و مقام اور تعمیر انسانیت کے لئے اس کے حقیقی کردار کو بھی بڑے خوبصورت و دلنشیں انداز میں واضح کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید جس طرح ربانی لوح محفوظ میں ثابت و غیر فانی ہے اسی طرح قلب نبوت پر نازل ہونے کے بعد اس عالم انسانی میں بھی محفوظ و مامون رہے گا ۳۰۔ چنانچہ روز اول ہی سے یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ اس عالم بشری میں یہ کتاب کاغذ، قلم اور دوات کی بھی محتاج نہیں ہوگی بلکہ یہاں اس کے لئے اہل علم کے سینے (صدور الذین اوتوالعلم) لوح محفوظ کا کام دیا کریں گے ۳۱۔

یہ کتاب حق باطل کے لئے پیغام موت اور حق کے لئے آب حیات ہے، اہل ایمان کے لئے یہ شفاء و رحمت ہے مگر ظالموں کے لئے یہ خسارے کا اعلان ہے! ۳۲۔

وقل جاء الحق و زحق الباطل ان الباطل کان زھوقا و نزل من القرآن ماھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الاخسارا یعنی آپ فرما دیجئے کہ کتاب حق آ گئی ہے اور باطل بھاگ نکلا ہے، باطل تو ہے ہی بھاگنے کے لئے ہم جو قرآن نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لئے شفاء و رحمت ہے اور ظالموں کے لئے تو مزید خسارہ ہے"

ایک اور اعلان یہ بھی ہے کہ یہ کتاب زندہ جو راہ دکھاتی ہے وہی سیدھی راہ ہے اور اہل ایمان کے لئے تو سراپا بشارت و خوشخبری ہے!

"ان ہذا القرآن یہدی للتی ہی اقوم و یبشر المومنین یعنی یہ قرآن کریم جس راستہ کی نشاندہ کرتا ہے وہی تو سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے اور یہ مومنوں کو خوشخبری دیتا ہے"۔ ۳۳۔

کہیں یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ ایک محکم و ناقابل تسخیر کتاب حق ہے جو ایک ذات حکیم و خبیر کی طرف سے نازل کی گئی ہے (سورت ھود آیت ۱) اور کہیں اسی مضمون کو ایک مختلف پیرایہ بیان میں پیش کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ "وانک لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم" (سورت النمل آیت ۶) یعنی آپ تک یہ قرآن کریم ایک رب حکیم و علیم کی طرف سے پہنچایا جا رہا ہے! "وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلیفہ تنزیل من حکیم حمید" (حم السجدہ آیت ۴۲) یعنی یہ وہ غالب و عزیز کتاب ہے جس پر آگے سے اور پیچھے سے کہیں سے بھی باطل اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایک حکیم حمید کی نازل کردہ ہے۔ "لہ معقبات من بین یدیہ و من خلفہ یحفظونہ من امر اللہ" اس کتاب کے محافظ تو اس کی سامنے سے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں (سورت

الرعد آیت ۱۱)۔

نازل کرنے والے، لیکر نازل ہونے والے اور جس پر نازل کیا گیا ان سب کا پتہ بتا کر قلب انسانی کو حق الیقین اور عین الیقین کے مقام پر پہنچا کر اطمینان و تسلی کا وافر سامان فرما دیا گیا، اور ساتھ ہی زبان کا بھی تعین کر دیا گیا، اس لئے الفاظ و تراکیب اور اسلوب بیان بھی ایسا اختیار کیا گیا جس سے زبان کو حلاوت اور قوت سامعہ کو شیرینی کا ایک احساس میسر آتا ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے (سورت الشعراء آیات ۱۹۳۔ ۱۹۵) !

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین یعنی یہ قرآن کریم اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، اسے فرشتہ روح الامین لیکر نازل ہوا ہے اور یہ آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے تاکہ آپ انسانیت کو خبردار کر دینے والے کا فریضہ انجام دیں، اور یہ کتاب واضح عربی زبان میں ہے!"

اس دولت یقین و اطمینان کو پختہ و غیر متزلزل کرنے کا کیا خوبصورت انداز اور کتنا عمدہ بندوبست فرمایا جا رہا ہے (سورت الواقعہ آیت ۷۵۔ ۸۰) کہ!

فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین یعنی سو میں (قادر مطلق) قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی، اور اگر تمہیں سمجھ ہے تو یہ ایک بہت بڑی قسم ہے کہ یہ عزت والا قرآن ہے۔ جو ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اسے صرف وہی چھوتے ہیں جو پاکیزہ لوگ ہیں یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔"

تو کیا یہ عظیم الشان کتاب زندہ قرآن حکیم اس بات کا سزاوار نہیں کہ اس کے مقابلہ کا تمام جن و انس کو چیلنج دے دیا جائے اور یہ اعلان بھی کر دیا جائے کہ سب اس کے مقابلہ سے عاجز ہی رہیں گے۔ ۳۴۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ہذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا یعنی آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کریم کی مثال لے آئیں تو جان لو کہ وہ اس جیسی کتاب ہرگز نہ لا سکیں گے خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔"

دعوت اسلامی

اسلام دین فطرت ہے اور اسلامی شریعت ایک ہمہ گیر اور دائمی ضابطہ حیات ہے جو ظاہر ہے توازن و اعتدال کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ دعوت اسلامی بھی انہی اوصاف سے متصف اور انہی امتیازات کی حامل رہی ہے، یہ ایک معتدل و متوازن دعوت حق ہے جو بشارت و انذار یعنی ترغیب و ترہیب، امید و بیم اور وعید و خوشخبری کے دو مساوی ستونوں پر قائم ہے، تورات اور انجیل کی دعوت اسلامی کے حوالے سے یہ معلوم و مشہور تھا کہ سیدنا موسیٰؑ قانون لائے اور سیدنا مسیحؑ بشارت لائے، قانون میں پابندیاں، سختیاں اور جکڑ بندیاں ہوتی ہیں جب کہ بشارت کا تقاضا یہ ہے کہ نہ کوئی پابندی، نہ سختی اور نہ کوئی قانونی پکڑ بلکہ کھلی آزادی اور عمومی سہولت ہوتی ہے، ظاہر ہے یہ دونوں انتہائیں ہیں، دو کنارے ہیں اور دو الگ الگ روشیں ہیں جن کی سمتیں الگ الگ اور دو مختلف راہوں پر گامزن ہونے سے عبارت ہیں۔

لیکن زندگی نہ تو دو انتہاؤں سے عبارت ہے اور نہ اس زندگی کے میدان عمل کے لئے صرف سمتیں کوئی معقول بات ہے، اگر یہ دو سمتیں مل جائیں تو یہ ملاپ نہ صرف اعتدال اور توازن کو جنم دے گا بلکہ اس ملاپ سے مختلف و متنوع سمتیں پیدا ہوں گی یوں زندگی کو کئی جہتیں، کئی سمتیں اور کئی راستے میسر آئیں گے، یہ تعداد ایک تنوع اور رنگینی کو جنم دے گی جو فطرت کا عین تقاضا ہے کیونکہ فطرت یک رخی، یک رنگی اور یکسانیت پسند نہیں بلکہ تعدد الوان و اطراف اور تنوع و رنگینی کی حامل ہے، یہ کیفیت کسی ایک انتہا پر ہونے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اعتدال و توازن کی مرہون منت ہے، یہی اعتدال و توازن ہے جو دین فطرت، شریعت ربانی اور دعوت حق کو دوام و ابدیت کا امتیاز عطا کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا یہی امتیاز ہے اور اسی لئے وہ بشارت و انذار کے دو مساوی ستونوں پر قائم و دائم ہے، یہی بات اس دعوت حق کا خصوصی امتیاز ہے اور یہی اس کی کامیابی کی ضمانت بھی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا "وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً (سورت سبا آیت ۲۸) یعنی ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر خوشخبری سنانے والا اور نذیر قانونی پابندیوں سے ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، سورت سبا کی طرح دوسری مکی سورتوں (الاعراف ۱۸۸، بنی اسرائیل ۱۰۵، الفرقان ۵۶، فاطر ۲۴ اور حم السجدہ ۴) میں بھی یہی مضمون مکرر و موکد وارد ہوا ہے۔

کاروان اسلام کے دار ارقم میں فروکش ہونے سے قبل وادی بطحاء کے بہت سے سعادت مند فرزند حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور اب یہ دعوت حق خفیہ اور سری مرحلہ سے

گذرتی ہوئی اور قرابت داروں کو حق کی طرف بلانے کے مراحل عبور کرتی ہوئی فاصدع بما تومر (جو حکم ہوتا ہے اسے کھول کر بیان کرتا جا) کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی، قدرتی طور پر داعی حق کے سامنے عمل کے اب دو میدان تھے، ایک میدان کھلا اور عام تھا۔ جہاں دعوت اسلامی مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں، داروں اور اسواق سے ہوتی ہوئی ام القری کے آس پاس کے لوگوں کو عمومی فیضان سے بہرہ ور کر رہی تھی، دعوت حق کا دوسرا میدان محدود اور خاص تھا جو سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کی کھلی حویلی کے در و دیوار کے اندر جاری رہنے سے عبارت تھا، جہاں اہل ایمان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفوس کا معلّمانہ و پیغمبرانہ فریضہ منصبی تکمیل پا رہا تھا، ظاہر ہے کہ ان دونوں میدانوں میں دعوت حق کا انداز مختلف اور جدا تھا، دعوت کے ان دونوں اسالیب اور الگ الگ میدانوں کے متعلق کچھ قرآنی نقوش ہمارے سامنے آئیں گے۔

اس مرحلہ میں مکی وحی ربانی داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و تذکیر اور تزکیہ نفوس کے معلّمانہ و پیغمبرانہ عمل مقدس کی طرف متوجہ کرتی ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے منافع و فوائد پر نظر رکھنے کا حکم دیتی ہے، وعظ و تذکیر سے تو نصیحت اور تربیت مقصود ہے مگر تزکیہ نفس بڑی گہری اور مشکل بات ہے، انسان کے باطن میں جو آلائشیں ہوتی ہیں یا جو الجھنیں اور اڑچنیں پیدا ہوتی ہیں انہیں کبھی تو داعی حق خود محسوس کرتا اور ان سے نفس انسانی کو نجات دلاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ طالب تزکیہ خود کوئی اڑچن محسوس کرتا ہے اور اسے دور کرانے کے لئے داعی حق کا رخ کرتا ہے چنانچہ اس کار خیر کا سیدنا مربّی دار ارقمؐ کو اس کی اہمیت کا یوں احساس دلایا گیا! قد افلح من تزکی (الاعلیٰ آیت ۱۴) بلاشبہ وہ کامیاب ہوا جو آلائشوں اور الجھنوں سے پاک ہو گیا، قد افلح من زکاھا (الشمس آیت ۹) جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنالیا وہ کامیاب ہو گیا، اور تزکیہ نفس کا یہ عمل انسان کی اپنی رضا و رغبت اور حریت عمل سے ہی ممکن ہے اور اس کا فائدہ اور نفع بھی اسی کے لئے ہے۔ ۳۵۔

"ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہ والی اللہ المصیر یعنی جو کوئی سنورے گا یا پاکیزہ ہو گا تو اپنی ذات کے لئے سنورے گا اور پاکیزہ ہو گا اور منزل تو اللہ ہی کے حضور میں ہے۔"

دار ارقم والے جب اپنے دل میں کوئی الجھن یا چبھن محسوس کرتے تھے تو اپنے مربی حقؐ کے حضور میں حاضر ہو جاتے تھے، اللہ رب العزت نے اپنے ایک ایسے ہی نیک بندے کو اپنے مربی کے حضور آتے اور سوال کرتے ہوئے دکھایا ہے اور داعی حقؐ کو وقتی اعراض و انقباض کی روش اختیار کرنے پر عتاب بھی فرما دیا ہے تاکہ تزکیہ نفوس کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور نبوت و

رسالتِ محمدی ؐ پر صداقت کی غیر فانی مہر تصدیق بھی ثبت ہو جائے، فرمایا گیا۔ ۳۶ ؎

"تیوری چڑھائی اور منہ موڑا، اس بات سے کہ ایک نابینا اس کے پاس آیا، اور تجھے کیا خبر ہے کہ شاید وہ باطن کی الجھن دور کرتا سنور تا یا نصیحت لیتا تو اسے نصیحت سے نفع ہوتا، وہ جو پروا نہیں کرتا تھا سو اس کو تو آپ کی فکر تھی، بھلا اگر وہ نہ سنور تا یا درست ہوتا تو آپ پر کیا آن پڑتی، اور وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈرتا تھا تو اس سے تو آپ نے تغافل برتا"

قرآن کریم بنیادی طور پر ایک کتاب وعظ و نصیحت ہے اور حضرات انبیائے کرام کا حقیقی منصب بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ وعظ و تذکیر سے انسانوں کو راہ ہدایت دکھاتے ہیں، مکی وحی ربانی میں کتاب اللہ کو موعظت کہا گیا ہے۔ جو باطنی امراض کے لئے شفاء ہے ۳۷ ؎

"یا ایہا الناس قد جاء تکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت و نصیحت آچکی ہے اور سینوں میں جو امراض باطن ہیں ان کے لئے شفاء ہے"

داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے!

"فذکر بالقرآن من یخاف وعید (ق ۴۵) سو قرآن سے نصیحت کیجئے اسے جو میرے ڈراوے سے ڈرے"

داعی حق کا منصب بھی یہی ہے کہ وہ وعظ و تذکیر اور پند و نصیحت سے بندگان خدا کو راہ حق پر ڈالے فذکر انما انت مذکر (الغاشیۃ آیت ۲۱) نصیحت فرمایئے آپ کا تو کام ہی نصیحت فرمانا ہے، فذکر ان نفعت الذکری (الاعلیٰ آیت ۹) سو نصیحت کیجئے اگر یہ فائدہ دے تو، ان اقتباسات وحی ربانی سے ایک یہ نقطہ بھی سامنے آتا ہے کہ پند و نصیحت اور وعظ و تذکیر صرف وہاں ہوگی جہاں امید ہو کہ اس سے نفع ہوگا اور یہ کہ سننے والے اس نصیحت و تذکیر کے لئے آمادہ بھی ہوں، بخلاف اس کے تبلیغ و انذار (پیغام پہنچانا اور ڈرانا) عام ہے اور سب کے لئے ہے، گویا تذکیر خاص ہے اور ابلاغ و انذار عام ہے۔ وعظ و تذکیر دار ارقم والے اہل ایمان کی مسلم جمعیت کے لئے اور تبلیغ و انذار تمام اہل مکہ و اہل عالم کے لئے تھا۔

مکی وحی ربانی کی سورت نحل کی دو آیات (۹۰ اور ۱۲۵) میں دعوت اسلامی کے اصول و ضوابط اور طریقہ کار کا مطالعہ دار ارقم کی مختصر سی مسلم کمیونٹی کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کے علاوہ اس دعوت حق کو سمجھنے میں بھی مدد دے گا جو اسواق و اجتماعات عامہ کے صبر آزما مراحل سے تعلق رکھتی ہے۔

پہلی آیت اسلامی معاشرہ کے اولین امتیازی نشان یعنی ایک ذمہ دار معاشرہ جو باہمی محبت و تعاون، اخوت و مساوات اور حقوق و فرائض کے ایک متوازن اور معتدل نظام معاشرت پر قائم ہو کی واضح نشاندہی کرتا ہے یہ ذمہ دار اسلامی معاشرہ ایمان و عمل صالح کے لئے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر (سورہ العصرا - ۳) پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کی دنیاو آخرت کی بھلائی اور غم و خوشی میں پوری طرح شرکت پر بھی کار بند ہوتا ہے، یہاں کسی ایک کو کچھ ہو جائے تو اس کے سب ذمہ دار اور اس کے لئے سب بے قرار ہوتے ہیں، یہ ذمہ دار اسلامی معاشرہ چھ عمرانی اصولوں پر قائم ہے جو مکی وحی ربانی نے عطا کئے ہیں اور ان چھ اصولوں پر مسلسل، باقاعدہ اور منظم عمل کو داعی حق ؐ نے جہاد اکبر کا نام دیا ہے (جہاد اصغر جسے قتال فی سبیل اللہ بھی کہا گیا اسی جہاد اکبر کا ایک حصہ ہے) جہاد اکبر مجموعی طور پر انسانیت کی خدمت اور انسانی معاشرہ کی دنیاوی اور اخروی بھلائی کے جامع پروگرام کا نام ہے، یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہئے کہ مکی وحی ربانی کی بعض آیات میں جہاد کا جو ذکر ہے وہ کوئی انوکھی یا حیرت کی بات نہیں ہے اور نہ اس میں کسی تاویل کی ضرورت ہے، اسلام کا اصل جہاد یہی جہاد اکبر ہے، جو قیامت تک جاری ہے، جہاد اصغر یا قتال فی سبیل اللہ تو اسی جہاد کا ایک حصہ ہے، دشمنان اسلام نے تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام کا پراپیگنڈہ کر کے ملت اسلامیہ کو ایک خونخوار قوم کے روپ میں پیش کیا ہے حالانکہ بوقت ضرورت قتال فی سبیل اللہ اسی جہاد اکبر کے ایک حصہ کے طور پر ہی فرض ہے، مومن کا جہاد اکبر تبلیغ دین کے اعلیٰ ترین درجہ سے لے کر معاشرہ انسانی کی ادنیٰ ترین خدمت تک پھیلا ہوا ہے اور قتال فی سبیل اللہ بھی اسی کا ایک حصہ ہے جو بندہ مومن کو جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت عظمیٰ کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

ذمہ دار اسلامی معاشرہ کا جہاد اکبر چھ اصولوں پر مبنی ہے جو امر بالعدل والاحسان اور ایتائے ذی القربیٰ کے مثبت کام کے ساتھ ساتھ نہی عن المنکر، الفحشاء اور البغی کے منفی کام پر مشتمل ہے، مجمل طور پر ان چھ اصولوں کو قرآنی اصطلاح میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کیا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ۳۸ ۔

> "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں عدل، احسان اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا اور منع کرتے ہیں گندے جرائم سے ناپسندیدہ کاموں سے اور سرکشی اختیار کرنے سے۔"

اسی مکی سورت کی دوسری آیت (۱۲۵) میں دعوت اسلامی کے سنہرے اصول بیان فرمائے گئے ہیں جو اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے خاص کام اور انسانی معاشرہ کو دعوت حق دینے کے عمومی

کام دونوں کے لئے حقیقی بنیاد فراہم کرتے ہیں، فرمایا گیا ۳۹

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنی اپنے رب کے صراط مستقیم کے لئے دعوت دیجئے، حکمت سے، اچھی نصیحت سے اور بحث و مجادلہ ہو تو بہترین طریقہ اپنایئے۔"

انسانی معاشرہ کے ذہنی درجات کے پیش نظر وعظ، اصلاح اور تبلیغ دین کے لئے بھی تین مؤثر طریقے اپنانے کا حکم ہے، اصل میں یہاں داعی حق ؐ کو اس بات کی تسلی دی گئی ہے کہ راہ ہدایت اختیار کرنے والوں اور ضلالت و گمراہی میں منہمک ہونے والوں کو اللہ رب العزت خوب پہنچانتے ہیں، اس لئے آپ طریقہ دعوت اسلامی کے ان تین ربانی اصولوں کو اپنایئے اور نتائج کو اللہ رب العزت کے سپرد کیجئے۔

دعوت حق کے ضمن میں داعی کا پختہ عقیدہ، غیر متزلزل ایمان اور اپنے دعوتی منصب کے متعلق ناقابل شکست خود اعتمادی انتہائی ضروری ہوتی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر مکی عہد کی وحی ربانی میں داعی حق ؐ کے لئے باطنی تسلی و تسکین، ثبات اور اطمینان قلب کے متعدد نقوش ملتے ہیں چنانچہ کہیں فرمایا گیا! انک لتدعوھم الی صراط مستقیم (سورت مومنون آیت ۷۳) آپ تو یقیناً صراط مستقیم کے لئے انہیں دعوت دیتے ہیں اور کہیں یوں تسلی دی گئی کہ فذکر فما انت بنعمۃ ربک بکاھن ولا مجنون (سورت آیت ۲۹) یعنی آپ وعظ و نصیحت فرمایئے، آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ تو کاھن ہیں اور نہ مجنوں ہیں۔"

یوں تو دارارقم کے داعی حق اور مربی بے مثال ؐ کی ایک نگاہ کیمیا ساز روح بشر کی کایا پلٹ دیتی تھی، عمر بن الخطاب ؓ کے سینہ مبارک پر صرف ایک دست اعجاز سے دنیا ہی بدل گئی تھی، ایک اکھڑ پہلوان اور ضدی سردار ایک ہی نظر میں رعب و جلال الٰہی کی تفسیر بن گیا تھا حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ دھلوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی کہنا پڑ گیا تھا کہ "سینہ فاروق را بمنزلہ خانہ شمر کے بابہائے مختلف دارد و در ہرباب کاملی نشستہ" تاہم اہل ایمان پر توجہ خاص کا حکم بھی تھا تاکہ اس جماعت میں سے ہر میدان کے لئے مردان کامل تیار ہوں اور ایک مقررہ وقت آئے تو مولے کو شاہین سے بھی لڑا دیا جائے، فرمایا گیا فذکر فان الذکری تنفع المومنین (الذریت آیت ۵۵) سو نصیحت فرمایئے کیونکہ آپ کی نصیحت ان اہل ایمان کو نفع دیتی ہے، پھر فرمایا گیا ۴۰۔ (کہف آیت ۲۸)

"آپ خود کو روکے رکھیئے ان لوگوں کے ہمراہ جو صبح و شام اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں، وہ اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، آپ کی نگاہ کرم ان سے نہ ہٹے، آپ دنیاوی زندگی کی رونق چاہتے ہیں، آپ اس کا حکم مت مانیئے جس کا دل ہماری

یاد سے غافل ہو گیا اور وہ اپنی ہوس کے درپے ہے، اور بے اعتدالی اس کا کام ہے۔"

جیسا کہ مذکور ہوا مکی عہد نبوت میں دعوت اسلامی کا ایک پہلو تو دار ارقم ؓ جیسے مقامات خاصہ میں مسلم کمیونٹی کے لئے وعظ و تذکیر اور پند و نصائح سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کا ایک رخ عمومی بھی تھا جو قریشی کے مستکبرین و مشرکین اور ہر کہ ومہ کے علاوہ آس پاس کے انسانوں کی طرف تھا، حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کا یہی کام بڑا مشکل اور صبر آزما تھا۔

صنادید قریش و مستکبرین مکہ کے ساتھ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ مذاکرات و مواجہات بھی عمومی دعوت اسلامی کا ایک پہلو ہی تھا جس کے کئی رنگ اور متعدد اسالیب تھے، کبھی یوں ہوتا کہ داعی حق ؐ فرداً فرداً صنادید قریش سے ملاقات فرماتے، دعوت دین پیش کرتے اور بلغ ما انزل الیک (جو آپ پر نازل ہوا، اسے پہنچا دیجئے) کے مطابق احقاق حق اور تبلیغ رسالت کی حجۃ اللہ البالغہ کی تکمیل فرمائی جاتی، کبھی آپ ان کی بھری مجالس میں تشریف فرما ہوتے اور صراط مستقیم کی پیروی کی دعوت عام کا فریضہ انجام پاتا، کبھی آپ انہیں خود بھی جمع کرتے اور اجتماع عام میں پیغام حق سنایا جاتا، کبھی ایسے ہوتا کہ صنادید و مستکبرین خود داعی حق کو دعوت مکالمہ دیتے تاکہ مفاہمت کی صورت پیدا ہو اور اختلافات ختم ہوں، کبھی شکائت اور مقدمہ کے انداز میں بڑوں کی پنچایت کے سامنے دعوت اسلامی کے ردعمل کے طور پر مکی معاشرہ میں پیدا ہونے والی ہنگامہ آرائی اور تصادم کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی اور کبھی مستہزئین و مستکبرین اپنے کبرو غرور اور تعلی و سرکشی کے نشے میں کسی بہانے سے داعی اسلام کو بلاتے اور یہ کوشش کرتے کہ یا تو آپ دعوت حق سے بالکل کنارہ کش و دست بردار ہو جائیں یا کچھ نرم موقف اختیار کریں اور مداہنت کی صورت نکالیں تاہم ایسے تمام اجتماعات و جلسات کا اختتام عموماً مغرور مشرکین کی طرف سے بدمزگی و بدسلوکی پر ہوتا، یا آپ کو کوئی دھمکی دی جاتی اور یا تمسخر و استہزاء پر بات ختم ہوتی۔

سورت الفرقان کی ساتویں آیت کے ضمن میں بعض مفسرین (مثلاً روح المعانی ۱۸/۲۱۴) نے لکھا ہے کہ ایک دن عتبہ و شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث ابو البختری، اسود بن عبدالمطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن ربیعہ، ابوجہل، عبداللہ بن امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور منبہ و نبیہ بن حجاج ایک مجلس میں جمع تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا گیا کہ ہم سب اپنی زیادتیوں پر پشیمان ہیں اور آپ کی خدمت میں معذرت پیش کرنا چاہتے ہیں، جب آپ تشریف لائے تو حسب معمول انہوں نے اپنے پرانے مشرکانہ حملے اور حیلے بہانے

شروع کر دیئے، دعوت توحید میں کچھ نرمی اختیار کرنے اور لات و عزی کو کھلے عام برا بھلا نہ کہنے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی آپ کو زر، زن اور سرداری کا بھی لالچ دیا مگر آپ نے یہ مطالبہ مسترد کرتے ہوئے دعوت حق جاری رکھنے کا اعلان فرمایا تو سب لوگ برھم ہو گئے اور معاندانہ تمسخر و استہزاء پر اتر آئے۔

مشرکین مکہ نے حلت و حرمت کے بھی کچھ ڈھکوسلے گھڑ رکھے تھے جن کا تذکرہ سورہ الانعام (آیات ۱۴۲ - ۱۵۰) میں فرمایا گیا ہے، وحی ربانی نے حلت و حرمت کے سلسلے میں ان کے ان تمام ڈھکوسلوں کو مسترد کرتے ہوئے محرمات کی نشاندہی کی ہے۔ ساتھ ہی ان دلائل کا بھی تذکرہ کر دیا ہے جو وہ پیش کرتے تھے یعنی یہ کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے اور یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو پسند اور منظور نہ ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ حلت و حرمت کے یہ ڈھکوسلے گھڑتے سورت الزخرف (آیات ۲۰ - ۲۳) میں بھی اسی دعویٰ و دلیل کا تکرار ہے، القرطبی (احکام القرآن ۸/۷۵) نے تصریح کی ہے کہ یہ دوسری دلیل بھی مستکبرین قریش کی ایک مجلس کی طرف سے پیش کی گئی جس میں ولید بن مغیرہ، ابو سفیان بن حرب، ابو جہل اور عتبہ و شیبہ بھی موجود تھے یہاں پر وحی ربانی نے مشرکین کی کورانہ تقلید اور اتباع کی جاہلانہ روش کی حقیقی علت کی بھی واضح طور پر نشاندہی کی ہے کہ ہر دعوت حق کے مقابل جو گروہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ڈھٹائی سے کھڑا ہو جاتا ہے وہ مترفین یعنی کھاتے پیتے گھرانوں کے بگڑے ہوئے ذہنوں کی پیداوار ہوتا ہے، یہ لوگ خود کو اور اپنے بڑوں کو عقل کل تصور کرتے ہوئے رسم کہن پر اڑتے اور آئین نو سے ڈرتے ہیں، دراصل ایسے لوگوں کی نظر میں اعلیٰ انسانی اقدار نہیں ہوتیں اور وہ آدمیت کے شرف و کرامت سے بھی آگاہ نہیں ہوتے، وہ انسان کو بھی ایک جامد مشینی کردار کا حامل یا ایک ہی قانون فطرت کے تابع کوئی جانور سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسان انسان ہے وہ نہ فرشتہ ہے نہ شیطان ہے بلکہ وہ تو ایک ایسی ہستی ہے جس نے اپنے عمل سے اپنی زندگی کو جنت یا جہنم کا روپ دینا ہوتا ہے، حضرت انسان نہ تو مختار مطلق ہے کہ موت و حیات کا مالک بن بیٹھے اور نہ مجبور محض ہے کہ جانور یا پتھر کے درجے پر چلا جائے، اس لئے ابو جہل وغیرہ کا یہ کہنا کہ لوشاء الرحمان ماعبدناھم (کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان بتوں کی پرستش نہ کرتے ۴۱۔) اور انا وجدنا آباء نا علی امۃ (ہم نے تو اپنے آباء کو اسی راہ پر پایا ہے ۴۲۔) اور ایسے ہی دیگر جاہلانہ دلائل مشرکین و مترفین کے پرانے چونچلے ہیں، یہ کوئی دلائل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ رب العزت نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ لوشاء لہداکم اجمعین (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا) وہاں اس نے من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (جو چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر بن جائے) کا اعلان فرما کر

انسان کو جبر و قدر کے درمیان والے صراط مستقیم کی دعوت بھی دے دی ہے، انسان کی پشت پر آنکھیں نہیں اس لئے وہ پیچھے نہیں دیکھ سکتا مگر اپنے سامنے دیکھنے کی تو صلاحیت رکھتا ہے، اسی لئے تو داعی حق کا فرمان ہے کہ!

"الایمان بین الجبر والاختیار یعنی ایمان تو جبر و اختیار کے درمیان ہوتا ہے" اور امام جعفر صادقؒ" فرماتے ہیں کہ لاجبر ولا قدر بل الامر بین الامرین یعنی نہ جبر ہے نہ قدر ہے بلکہ معاملہ دونوں کے بین بین ہے" اور کیا خوب فرمایا شاعر اسلام علامہ اقبال نے!

چنیں فرمودہ سلطان بدر است
کہ ایماں درمیان جبر و قدر است

ہجرت الی اللہ

اللہ تعالیٰ کے دین حق اسلام کے عطا کردہ اصول زندگی میں سے ایک اصول ہجرت بھی ہے جس کی دارارقمؓ میں تربیت فرمائی گئی، ظلم وابتلاء سے نجات کی ایک راہ ہجرت بھی ہے، آج بھی انسان جب ماحول کے ظلم و ابتلاء اور شدید ناموافق حالات سے دوچار ہو جاتا ہے تو نجات کا راستہ ہجرت مکانی کی شکل میں ہی کھلا نظر آتا ہے مگر اسلام کی ہجرت محض ترک مکانی سے بالکل مختلف ہے، ہجرت اسلامی دراصل ہجرت الی اللہ ہے اس میں جان و مال کی پروا کرنے کے بجائے عقیدہ و ایمان کی بقا و تحفظ اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہی مقصود ہوتی ہے۔

سب سے پہلے یوں ہوا کہ دارالاسلام دارارقمؓ کے مربی بے مثال و داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اس گوشہ عافیت میں کاروان اسلام کی قافلہ سالاری اور قیادت کے لئے عملی تربیت دی ایک طرف آپ کی نظر عنایت یہ کام کر رہی تھی اور دوسری جانب یہاں تربیت پانے والے نفوس قدسیہ کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کا سامان کرنے کے لئے وحی ربانی ٹھہر ٹھہر کر نازل ہو رہی تھی اور آہستہ آہستہ ان کے دلوں کو خوف غیر اللہ کی آلائشوں سے پاک کر رہی تھی، ظلم و شرک کی تمام ترچیرہ دستیوں کے باوصف یہ کاروان اسلام تربیت کی منازل طے کرتے ہوئے دین اسلام کے مستقبل کی راہیں متعین کر رہا تھا، حق کی ان راہوں پر گامزن ہونے کے وسائل میں ہجرت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ دو اہم وسیلے ہیں، ہجرت الی اللہ میں گھر بار اور وطن چھوڑنا حتیٰ کہ اہل و عیال کے علائق سے بھی منقطع ہونا ضروری ہے، دارارقم کی اس تربیت گاہ میں قدرت ربانی اہل ایمان کے دلوں کو حب وطن کے بجائے حب اللہ سے آباد کرنے اور دنیاوی

رشتوں سے آزاد کر کے اسلامی اخوت و محبت کے غیر فانی رشتوں میں منسلک کر رہی تھی تاکہ کاروان اسلامی ہجرت الی اللہ کے صبر آزما مراحل اور جہاد فی سبیل اللہ کی کٹھن منازل آسانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ طے کرنے کے قابل ہو سکے۔ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کی عظیم ترین ذمہ داری کے دو بڑے ہتھیار غیر متزلزل قوت عزم و ایمان اور ناقابل شکست طاقت صبر و استقامت ہیں، ساقی حق اپنے جان نثاروں کو مئے توحید پلا کر رشتہ اخوت اسلامی میں پرو کر اور صبر و استقامت کی تلقین فرما کر گوشت پوست کے ضعیف البنیان انسانوں کو فولاد و آہن کے غیر متزل اور اٹل پہاڑوں میں تبدیل کر رہے تھے کیونکہ قرآن کریم کی رو سے ہجرت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ میں صبر و استقامت ازل سے پیغمبرانہ طریق رہا ہے چنانچہ کتاب اللہ میں دار ارقم کی اس نبوی تربیت گاہ کے ربانی اسلوب کے متعلق بھی بڑے واضح اشارے موجود ہیں مثلاً

مربیؐ دار ارقم کو احیائے ملت ابراہیمی اور رسالات سابقہ کی مشترکہ روح اسلام کا اعلان فرمانے کے بعد منکرین حق کی پروانہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم پر ہمت و استقامت کا حکم دیا جارہا ہے ۴۳۔

فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواء ھم وقل امنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم ، اللہ ربنا ، وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر یعنی سو آپ اسی صراط مستقیم کی دعوت دیجئے اور استقامت سے کام لیجئے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے، آپ ان کی خواہشوں کی پروانہ کیجئے، اور کہہ دیجئے کہ میں ہر کتاب پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور مجھے یہ حکم ہے کہ تمہارے درمیان نظام عدل قائم کر دوں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں یکجا کرنا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان لانے اور کفر و شرک کی آلائشوں کو مسترد کر دینے کے بعد صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کے لئے ہر قسم کے خوف اور غم کی نفی فرما دی گئی ہے۔ ۴۴۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ، بلاشبہ وہ لوگ جنھوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب تو اللہ ہی ہے اور پھر اس پر انہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تو انہیں نہ تو دنیا میں کوئی خوف ہے اور نہ آخرت میں کوئی غم ہو گا

(احقاف آیت ۱۳)

بلکہ ان ثابت قدم اہل ایمان کے لئے تو آسمان سے فرشتے بھی قطار اندر قطار نازل ہوتے ہیں اور اس ہمت و استقامت پر شاباش دیتے ہوئے جنت کی پر مسرت زندگی کی بشارت دیتے ہیں۴۵۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون یعنی بیشک وہ لوگ جنھوں نے یہ اقرار کر لیا کہ ہمارا رب تو صرف اللہ ہی ہے اور پھر اس بات پر انہوں نے ثابت قدمی و استقامت کا مظاہرہ کیا ان کے پاس فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دنیا میں کسی قسم کا خوف نہ کرو اور آخرت میں تمہیں کسی قسم کا غم نہ ہو گا، ہم تمہیں اس جنت کی بشارت دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

دین اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی اس ایک شریعت غرا کا تسلسل ہے جس کی تمام انبیاء کرامؑ نے تبلیغ و تلقین فرمائی اور بقول امام شاہ ولی اللہ دھلوی یکے از مقاصد اسلام احیائے ملت ابراہیمی ہے اس لئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی متواتر اور متعدد ہجرتوں کو مکی وحی ربانی میں اجاگر کر دیا گیا تھا اور حضرت ابراہیم کے بھتیجے اور اللہ تعالیٰ کے نبی مرسل سیدنا لوطؑ کی زبانی ہجرت الی اللہ کے سبق سے بھی دار ارقم میں تربیت پانے والے نفوس قدسیہ کو آگاہ فرما دیا گیا تھا تاکہ وہ ذھنی طور پر ہجرت الیٰ اللہ کے لئے تیار ہو جائیں، چنانچہ مکی عہد نبوت کی سورت عنکبوت میں یوں ارشاد ربانی ہوا۴۶۔

"فامن لہ لوط، وقال انی مہاجر الی ربی، انہ ہو العزیز الحکیم یعنی لوطؑ ان (ابراہیم خلیل اللہؑ) پر ایمان لے آئے اور کہا کہ میں اپنے رب کے لئے وطن چھوڑنے والا ہوں، بلاشبہ وہ زبردست حکمت والا ہے۔"

مکی عہد نبوت میں نور ایمان سے فیضیاب ہونے والے اور دار ارقم کی نبوی تربیت گاہ میں تعلیم و تربیت پانے والے اہل ایمان کو صبر و ہمت کی تلقین اور حسن عمل پر حسن ثواب کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ وحی ربانی اللہ کی سرزمین کی وسعتوں کا بھی احساس دلاتی ہے، یہ باتیں ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے کے لئے خفی اشارات ہیں، مکہ کی سرزمین اگر تنگ ہو رہی ہے اور بے رحم مشرکانہ ماحول نے دین حق پر قائم رہنا مشکل بنا دیا ہے تو اللہ کی سرزمین تو بہت کشادہ اور وسیع ہے، چنانچہ اہل ایمان بندگان حق کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔

"قل یا عبادی الذین آمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ہذہ الدنیا حسنۃ" وارض اللہ

واسعۃ انما یوفی الصٰبرون اجرھم بغیر حساب (الزمر آیت ۱۰) یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو، جو لوگ اس دنیا میں حسن عمل کا مظاہرہ کریں گے ان کے لئے حسن ثواب ہے اور اللہ کی سرزمین وسیع و کشادہ ہے، یہ تو صرف صبر کرنے والے ہی ہیں جنہیں ان کا اجر بے حساب ملتا ہے۔"

مکی عہد نبوت کی وحی ربانی کی سورتوں میں سے ایک سورت نحل بھی ہے اس میں بھی دو مختلف مقامات پر ہجرت الی اللہ کے متعلق ربانی اشارات موجود ہیں، اکتالیسویں اور بیالیسویں آیات میں ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنا عقیدہ و ایمان محفوظ رکھنے کے لئے ہجرت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنے والوں سے دنیا میں حسن ثواب اور آخرت کے عظیم اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اور ان کے صبر و توکل پر وحی ربانی میں تحسین و آفرین فرمائی گئی ہے ۴۷۔

"والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ماظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ والاجر الآخرۃ اکبر لو کان یعلمون الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون یعنی وہ لوگ جو ظلم و ستم اٹھانے کے بعد ہجرت الی اللہ سے سرفراز ہو گئے یقیناً ہم اسی دنیا میں ان کے لئے اچھا ٹھکانا بنائیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہو جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔"

اسی سورت کی ایک سو دسویں آیت میں ہجرت الی اللہ کا مضمون ایک اور انداز میں دوھرایا گیا ہے اور ہجرت الی اللہ کو فتنہ و ابتلاء سے نجات کا راستہ قرار دیا گیا ہے مگر اس میں صبر و ہمت اور استقامت کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی بھی بشارت ہے جو بندگان حق کے لئے بخشش و مغفرت اور رضا و خوشنودی کے حصول کا وسیلہ ہے ۴۸۔

"ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد مافتنوا ثم جاھدوا و صبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم یعنی پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان کے لئے ہے جو فتنہ و ابتلاء کے بعد ہجرت الی اللہ سے سرفراز ہوئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، بیشک اس کے بعد تیرا رب یقیناً بخشنے والا مہربان ہے۔"

مکہ کے ابوجہل اور امیہ بن خلف اہل ایمان کی اذیت رسانی میں انتہا کر رہے تھے، اسلام حضرت بلالؓ، یاسرؓ اور سمیعہؓ وغیرہ کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے بجائے لات و عزی کے سامنے جھکنے پر مجبور کر رہے تھے، صبر و استقامت کے یہ پہاڑ ابوجہل اور امیہ

کے جبر و قہر اور ظلم و چیرہ دستی کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے۔ یاسر اور سمیعہ رضی اللہ عنہما تو اذیت رسانی کے دوران اسی راہ میں شہادت عظمیٰ کا منصب پا کر اسلام کے اولین شہداء کا مرتبہ حاصل کر چکے تھے۔ ایسے میں مکی عہد کی وحی ربانی ایک بار پھر ہجرت الی اللہ کا احساس دلانے کے لئے اللہ کی وسیع سرزمین کا ذکر کرتی ہے، صبر و توکل اور عمل صالح کے اجر عظیم کا وعدہ کرتے ہوئے موت کی پروانہ کرنے کی بھی تلقین کرتی ہے کیونکہ جان تو فانی ہے مگر شہادت عظمیٰ کا مقام غیر فانی ہے۔!

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں!

ذرا دیکھئے تو مکہ مکرمہ کے ان مٹھی بھر فرزندان حق کو پروردگار نے کتنے پیارے انداز میں مخاطب کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے بندو میری زمیں تو کشادہ ہے، ارشاد ربانی ہے[49]۔

"یا عبادی الذین آمنویان ارضی واسعہ فایای فاعبدون کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنبوء نہم من الجنتہ غرفا تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا نعم اجر العاملین الذین صبروا وعلی ربہم یتوکلون یعنی اے میرے بندو! جو ایمان سے سرفراز ہوئے ہو، بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے، سو عبادت صرف میری ہی کرو جینے والے نفس نے موت کا تلخ گھونٹ تو چکھنا ہی ہے، پھر تم نے ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں ہم جنت کے جھروکوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہوں گے، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، خوب اجر ہے کام کرنے والوں کا، وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھا۔"

مکی وحی ربانی کی یہ آیات بینات ہجرت الی اللہ کے واضح اشارات کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے صبر و استقامت اور عزم و ہمت کی تلقین بھی کرتی ہیں، یہی آیات دار ارقم میں بھی تلقین و تعلیم فرمائی جاتی تھیں اور امرہم شوریٰ کے مطابق ہجرت کے فیصلے بھی یقیناً یہیں ہوئے ہوں گے۔

مستضعفین و فقرائے اسلام

طلوع اسلام کے وقت مکہ مکرمہ میں مستضعفین کا جو طبقہ موجود تھا اس میں یتیم بچے، بیوہ عورتیں، غلام، موالی یا آزاد کردہ غلام، کسی طاقتور خاندان یا قبیلہ سے تعلق نہ رکھنے والے بے کس

کے جبر و قہر اور ظلم و چیرہ دستی کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے، یاسر اور سمیعہ رضی اللہ عنہما تو اذیت رسانی کے دوران اسی راہ میں شہادت عظمیٰ کا منصب پا کر اسلام کے اولین شہداء کا مرتبہ حاصل کر چکے تھے، ایسے میں مکی عہد کی وحی ربانی ایک بار پھر ہجرت الی اللہ کا احساس دلانے کے لئے اللہ کی وسیع سرزمین کا ذکر کرتی ہے، صبر و توکل اور عمل صالح کے اجر عظیم کا وعدہ کرتے ہوئے موت کی پروانہ کرنے کی بھی تلقین کرتی ہے کیونکہ جان تو فانی ہے مگر شہادت عظمیٰ کا مقام غیر فانی ہے۔!

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں!

ذرا دیکھئے تو مکہ مکرمہ کے ان مٹھی بھر فرزندان حق کو پروردگار نے کتنے پیارے انداز میں مخاطب کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے بندو میری زمیں تو کشادہ ہے، ارشاد ربانی ہے ۴۹ ؎ ۔

"یا عبادی الذین آمنو ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون والذین آمنوا وعملوا الصالحات لنبوءنہم من الجنتہ غرفا تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا نعم اجر العاملین الذین صبروا وعلی ربہم یتوکلون یعنی اے میرے بندو! جو ایمان سے سرفراز ہوئے ہو، بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے، سو عبادت صرف میری ہی کرو جینے والے نفس نے موت کا تلخ گھونٹ تو چکھنا ہی ہے، پھر تم نے ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں ہم جنت کے جھروکوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہوں گے، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے، خوب اجر ہے کام کرنے والوں کا، وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھا۔"

مکی وحی ربانی کی یہ آیات بینات ہجرت الی اللہ کے واضح اشارات کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے صبر و استقامت اور عزم و ہمت کی تلقین بھی کرتی ہیں، یہی آیات دار ارقم میں بھی تلقین و تعلیم فرمائی جاتی تھیں اور امرہم شوریٰ کے مطابق ہجرت کے فیصلے بھی یقیناً یہیں ہوئے ہوں گے۔

مستضعفین و فقرائے اسلام

طلوع اسلام کے وقت مکہ مکرمہ میں مستضعفین کا جو طبقہ موجود تھا اس میں یتیم بچے، بیوہ عورتیں، غلام، موالی یا آزاد کردہ غلام، کسی طاقتور خاندان یا قبیلہ سے تعلق نہ رکھنے والے بے کس

و بے سہارا لوگ جو کسب معاش یا حوادث سے وادی ام القریٰ میں چلے آئے تھے، مکہ کے صاحب ثروت و اغنیا لوگ انہیں اپنا محتاج تصور کرتے تھے اور بچا کھچا یا پس خوردہ کھانا بھی انہیں احسان جتاتے ہوئے کھانے کو دیتے تھے، مکہ کے بڑے لوگ اور مغرور سردار انہیں پائے حقارت سے ٹھوکر مارنا بھی اپنے لئے عار تصور کرتے تھے، ایسے اوباش لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو انہیں چھیڑنے اور ستانے کو ایک مستقل اور دلچسپ مشغلہ تصور کرتے تھے مگر ان کا استحصال کرنے پر سب متفق تھے، وقت کے ان ناخداؤں کے ہاتھوں اس طبقہ مستضعفین کی زندگی اجیرن بن چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ان بیکس و بے بس بندوں کے متعلق ظہور اسلام کے وقت دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے، ایک نقطہ نظر تو قریش کے اس بت پرست اور مبتلائے شرک معاشرہ کا تھا جو ان کی تحقیر و تذلیل اور استحصال و اذیت رسانی سے عبارت تھا لیکن دوسرا نقطہ نظر مربیؐ دار ارقم اور یہاں گوشہ عافیت میں مشغول عبادت اور زیر تربیت مختصر سی اسلامی جمعیت کا تھا جو احترام آدمیت، وحدت نسل انسانی، اخوت و مساوات اسلامی اور خدمت خلق کے اصولوں پر مبنی تھا، یہ دونوں نقطہ ہائے نظر نمایاں طور پر متضاد و مختلف اور دو الگ الگ مقاصد و اہداف رکھتے تھے، ایک کا کام ان زیر دست مستضعفین کو دبانا اور کچلنا تھا جب کہ دوسرے کا مطمح نظر انہیں اٹھانا اور سنبھالنا تھا۔

کتاب اللہ کی مکی سور و آیات نے ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے متعلق نہ صرف یہ کہ کچھ واضح اشارات دیئے ہیں بلکہ انہیں ہم تک نہایت محفوظ، قابل یقین اور مفصل طور پر پہنچا بھی دیا ہے، دار الاسلام دار ارقم کی جمعیت ربانی نے ان زیر دستوں اور مستضعفین کو زمین سے اٹھا کر گلے سے لگایا اور انہیں نہ صرف قریش کے عالی نسب زعماء و صنادید کے ساتھ برابر بٹھایا اور ان کا ہم پلہ بنا دیا بلکہ انہیں زعماء و صنادید بھی بنا دیا، یہ بات مکہ کے ابو جہلوں اور ابو سفیانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی، اقبال کی خارا شگاف شاعرانہ نظر کس قدر عمیق تھی کہ اس بات کی تہ تک پہنچ گئی اور حقیقت حال کو یوں آشکارا کر دیا، کعبہ شریف کے اندر ابو جہل کی روح یوں ماتم کرتی نظر آ رہی ہے۔

سینہ ما از محمد داغ داغ! | از دم او کعبہ را گل شد چراغ!
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود | نوجواناں را زدست ما ربود
مذہب او قاطع ملک و نسب | از قریش و منکر از فضل عرب!
در نگاہ او یکے بالا و پست | با غلام خویش بریک خواں نشست
قدر احرار عرب نشناختہ | با کلفتان حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند | آبروئے دودمانے ریختند!

این مساوات این مواخات اعجمی است　　خوب می دانم کہ سلماں مزدکی است
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است　　رست خیزے بر عرب آوردہ است

دارارقم کی جمعیت ربانی نے بت پرست اور مشرک معاشرہ کو جو نقطہ نظر دیا وہ بالکل نیا، انوکھا اور ان کے لئے نا قابل قبول تھا، شرک وبت پرستی جب شراب نوشی اور سرمایہ پرستی کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے تو انسانی معاشرہ ہولناکیوں کی زد میں آجاتا ہے، فقر وافلاس کا دور دورہ اور فقراء و مفلسین سے چشم پوشی، اعراض بلکہ انہیں دھتکارنا اور اذیت پہنچانا ان ہولناکیوں کا صرف ایک پہلو ہے، مکی عہد کی وحی ربانی نے اس بت پرست اور مشرک معاشرہ کو ان ہولناکیوں سے نکالنے کے لئے جو عملی خطوط مہیا کئے ان میں ان زیردستوں کو بھوک اور افلاس کی اس دلدل سے نکالنا بھی شامل تھا، قرآن کریم میں طرح طرح سے انسان کو غربت اور مفلس کو بھوک سے نجات دلانے کی تاکید کی گئی اور اس کار خیر میں دل کھول کر حصہ لینے پر ابھارا گیا ہے۔

مکی عہد کی ابتدائی اور مختصر سورتوں میں سے ایک سورت الماعون (۱ - ۳) بھی ہے اس کی پہلی تین آیات میں روز قیامت کو جھٹلانے والے مغرور انسان کی پہنچان ہی یہ ہے کہ وہ یتیم پر رحم نہیں کھاتا اور بیکس کو کھانا نہیں کھلاتا۔

"کیا تو نے وہ شخص نہیں دیکھا جو روز جزا و یوم انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے
جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانے کھلانے کی تاکید نہیں کرتا"

کھانا کھلانے کی تاکید کرنا یا اس کے لئے جوش دلانا اور آمادہ کرنا خاص قرآنی اسلوب ہے، جس میں خود دوسروں کو کھلانا بدرجہ اولی شامل ہے اس لئے کہ دوسروں کو اس پر آمادہ کرنا اس وقت ہی موزوں ہو سکتا ہے جب کوئی پہلے خود اس کار خیر کو انجام دیتا ہو، چنانچہ مکی عہد نبوت کی چند اولین سورتوں میں سے ایک سورت الحاقہ (آیات ۳۳ - ۳۷) میں بھی یہی بات اسی انداز میں بیان فرمائی گئی ہے، جہاں اپنے اعمال کی شامت میں گرفتار اور عذاب دوزخ کے مستحق کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اسے یہ سزا اس لئے مل رہی ہے کہ یہ محتاجوں کو کھانا کھلانے کے نیک کام پر نہیں ابھارتا تھا۔

"یہ شخص وہ ہے جو عظمت والے اللہ جل شانہ پر ایمان نہیں لاتا تھا اور مسکین کو کھلانا کھلانے کی تاکید نہیں کرتا تھا اس لئے آج اس کا کوئی مخلص دوست نہ ہوگا، اس کی خوراک زخموں کا دھوون ہوگا جو گنہگاروں کی خوراک ہے۔"

یہ نقطہ قابل توجہ ہے کہ وحی ربانی اللہ جل شانہ پر ایمان لانے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی تاکید کرنے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے اس کار خیر کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔

مکی دور کی بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورت مدثر بھی ہے اس کی آیات بیالیس تا چوالیس میں عذاب دوزخ کا سبب محتاجوں کو کھانا نہ کھلانا بتایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی اس طرح ہے (اصحاب یمین جنت میں ہوں گے اور اہل جہنم سے پوچھیں گے)

"تمہیں دوزخ میں کس بات نے جا پھینکا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے!"

سورت الفجر (۸۹/۱۶ - ۱۸) میں یہ فرمایا گیا ہے کہ نعمت اور مصیبت دونوں بندگان خدا کے لئے آزمائش ہیں، اللہ تعالیٰ جب اپنے بے پایاں انعامات سے نوازتا ہے تو یہ بھی بندہ کی آزمائش ہوتی ہے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا نہیں، اور جب وہ افلاس و تنگ دستی میں کسی کو مبتلا کرتا ہے تو یہ بھی ایک آزمائش ہے کہ آیا بندہ صبر و رضا کے امتحان میں پورا اترتا ہے یا نہیں، گویا دولت کی فراوانی، خوشحالی اور عارضی عیش و آرام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و معزز ہونے کی علامت نہیں ہے اسی طرح غربت و افلاس اور تنگ دستی بھی اللہ تعالیٰ کا عتاب یا ناراضگی سے عبارت ہرگز نہیں ہے، تاہم تنگ دستی و افلاس کا ایک سبب یتیم کی تکریم نہ کرنا اور محتاج کو کھانا نہ کھلانا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے۔ ۵۰۔

"اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت و تذلیل کی ہے، خبردار سن لو کہ یہ اس لئے ہے کہ تم یتیم کی عزت و تکریم نہیں کرتے تھے اور محتاج کو کھانا کھلانے کی تاکید نہیں کرتے تھے۔"

عرب کا بت پرست اور مشرک انسان مال یتیم کو لقمہ تر تصور کرتا تھا مکی عہد کی وحی ربانی میں اس رسم قبیح کے خلاف بھی اعلان جنگ ہوا اور اسے حرام قرار دیا گیا، سورہ انعام (۶/۱۵۲) اور سورہ بنی اسرائیل (۱۷/۳۴) کی ایک جیسی آیات متشابہات میں جن اشیاء کو صریحاً حرام قرار دیا گیا ہے ان میں یتیم کا مال کھانا بھی شامل ہے۔

"یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے ہاں مگر جائز حد تک خرچ کر سکتے ہو۔"

حق کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے ہمیشہ غریب ہوتے ہیں، سیدنا نوح علیہ السلام قدیم ترین زمانوں میں ہوئے ہیں، سورہ ھود (۱۱/۲۵) میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ان کی قوم کے مغرور اکابر کو تحریک نبوی پر یہی اعتراض تھا کہ ان کے پیروکار پنچ اور غریب لوگ ہیں، وہ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ ہماری قوم کے وہی لوگ تیری پیروی کرتے ہیں جو بظاہر ہم میں سے پنچ اور

رذیل دکھائی دیتے ہیں، صنادید قریش بھی یہی کہتے تھے کہ ہم آپ کی بات سنیں تو کیسے سنیں آپ کے پاس تو رذیل لوگ ہی بیٹھے ہوتے ہیں ہم ان کے برابر تو نہیں بیٹھ سکتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی وحی ربانی میں ایک سے زائد مرتبہ عتاب کرتے ہوئے اس روش کو برداشت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، سورہ انعام (۵۲/۶) اور سورہ کہف (۲۸/۱۸) کی آیات میں یکساں انداز میں فقرائے اسلام کو چھوڑ کر اغنیائے قریش سے مذاکرات اور ان کی ہدایت کے لئے بے قرار ہونے سے منع کیا گیا ہے، سورہ انعام میں ہے۔

"اور مت دور کیجئے، ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس سے دعائیں کرتے رہتے ہیں، نہ تو ان کے حساب میں سے کچھ آپ پر ہے اور نہ آپ کے حساب میں سے کچھ ان پر ہے کہ تو انہیں اپنے سے دور کرنے لگے اور بے انصاف لوگوں میں سے ہو جائے اور یوں ہم لوگوں میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ یوں کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے؟"

سورہ کہف میں اسی مضمون کو ذرا مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔!

"اور روکے رکھیئے خود کو ان لوگوں کے ہمراہ جو اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی کے لئے صبح و شام پکارتے رہتے ہیں اور آپ کی نگاہ کو ان سے ہٹنا نہیں چاہئے، آپ دنیاوی زندگی کی رونق و زینت چاہتے ہیں، آپ اس شخص کی بات مت مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا دیا ہے اور وہ اپنی نفس پرستی کا غلام ہے، حد میں نہ رہنا اس کا کام ہے"

علامہ آلوسی نے صراحت سے لکھا ہے کہ صنادید قریش جن میں امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ بھی شامل تھے اس بات کے لئے تیار نہ تھے کہ خباب بن ارت، بلال، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقرائے اسلام کے ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں۔ ۵۱۔

مکی عہد نبوت کے دوران اور دار الاسلام دار ارقم کی تربیت گاہ کے زمانے میں جو مستضعفین اور صعالیک مکہ مکرمہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی تھے، ایک دن سرداران قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلام اللہ سنا رہے تھے کہ اتنے میں کوئی دینی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے ابن مکتوم بھی ادھر آنکلے۔ وہ لوگ پہلے ہی یہی کہہ رہے تھے کہ آپ کے پیروکار تو بس فقراء لوگ ہی ہیں چنانچہ ابن ام مکتوم کو دیکھ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو بڑے پیارے عتاب کیا جو سورہ عبس (آیات ۱ - ۱۰) میں یوں ریکارڈ ہوا ہے۔

"اس نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑا کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا، اور بھلا تجھے کیا خبر کہ شاید وہ سنورنا یا سوچنا چاہتا ہو تا کہ یہ سمجھنا اس کے کام آئے، رہا وہ جو پروا نہیں کرتا سو اس کی تو آپ فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اگر وہ پاکیزہ نہیں بنتا تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے اور وہ جو دوڑتا ہوا تیرے پاس آیا تو اس سے تو تو نے تغافل برتا، خبردار یہ نصیحت ہے، پھر جو چاہے اسے پڑھے!"

اللہ رب العزت نے اس عتاب کو ایک سبق آموز نصیحت فرمایا ہے، کیونکہ یہ بات ایک لحاظ سے صادق وامین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر مہر تصدیق بھی ہے، کون ہے جو اپنی کوتاہی کو یوں گوارا کرے کہ اسے قرآن کریم جیسی کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے؟ ظاہر ہے یہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اپنے حبیب صادق وامین ؐ کو یوں پیارے انداز میں عتاب کر کے اپنے کلام حق میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے، ابن کثیر ۵۲ ؎ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کو ہمیشہ ان الفاظ میں خوش آمدید کہتے تھے! مرحبا تبنی عاتبنی فیہ ربی (جس کے بارے میں میرے مولیٰ نے مجھے عتاب فرمایا میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں)۔

مستضعفین و فقرائے اسلام کے حوالے سے دو اور آیات کریمہ کا مطالعہ بہت ضروری اور مفید ہو گا، اس سے دار الاسلام دار ارقم میں مشغول ذکر و فکر اور زیر تربیت چھوٹی سی جمعیت ربانی کے متعلق مستکبرین قریش کے موقف اور نقطہ نظر کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو گی، سورت ص (آیات ۶۲ - ۶۴) میں صنادید قریش کے آتش دوزخ میں ڈالے جانے کے تذکرہ کے بعد ان کی باہم گفتگو کو نقل کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وقالوا مالنا لانری رجالا کنا نعدھم من الاشرار اتخذناھم سخریا ام زاغت عنھم الابصار ان ذلک لحق تخاصم اھل النار یعنی وہ کہنے لگے کیا ہو گیا ہے ہمیں، وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شرپسند شمار کرتے تھے ہم نے انہیں یونہی تمسخر کا نشانہ بنالیا تھا یا ہماری آنکھیں ان سے ہٹ گئی ہیں؟ بلاشبہ اہل دوزخ کا یوں جھگڑنا برحق ہے۔"

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں ذکر کیا ہے کہ کفار مکہ فقرائے اسلام کو رذیل و حقیر جانتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے، جیسے حضرت صہیب رومی، بلال حبشی، خباب اور عمار رضی اللہ عنہم، وہ انہیں رذیل و کمتر تصور کرتے ہوئے یا اپنے آباء واجداد کے مذہب کے خلاف ہونے

کے باعث انہیں شر پسند قرار دیتے تھے ۵۳۔ قرطبی (احکام القرآن) نے لکھا ہے کہ جہنم میں ابو جہل پوچھے گا کہ بلال رضی اللہ عنہ کدھر ہے؟ صہیب رضی اللہ عنہ و عمار رضی اللہ عنہ کہاں ہیں کیا وہ سب جنت الفردوس میں ہیں، آہ! کتنا عجیب لگتا ہے ابو جہل کے لئے! اس کا بیٹا عکرمہ، بیٹی جویریہ، اس کی ماں اور بھائی سب مشرف بہ اسلام ہوئے مگر ان کے نصیب میں اسلام نہ تھا! ۵۴۔"

و نور اضاء الارض شرقا و مغربا
وموضع رجلی منہ اسود مظلم!

ایک نور تھا جس نے مشرق سے مغرب تک روئے زمین کو روشن کر دیا تھا مگر میرے پاؤں والی جگہ اس سے محروم رہی جو اسی طرح کالی اور تاریک ہے!"

زیر دست و بے کس فقرائے اسلام کو کھانا کھلانے کی تاکید پر قریش کے ان مستکبرین کا ردعمل بھی عجیب اور افسوس ناک ہوتا تھا، سورہ یٰسین (آیت ۴۷) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

"واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ قال الذین کفروا للذین امنوا انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ ان انتم الا فی ضلال مبین یعنی اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو، تو یہ کافر لوگ مومنوں سے کہتے ہیں کہ ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے کھلائے۔ تم لوگ تو صریح گمراہی میں ہو۔"

یہ آیت کریمہ مکی عہد نبوت میں فقرائے اسلام کے متعلق مستکبرین قریش، زنادقہ اور مغرور مشرکین اغنیاء کے طرز عمل اور سلوک کو واضح کرتی ہے، مشرکین مکہ نے جو ڈھکوسلے گھڑ رکھے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اپنے معبودان باطل کے لئے جو نذریں مانتے تھے ان میں سے کچھ بزعم خویش فی سبیل اللہ بھی وقف رکھتے تھے، جب مکہ مکرمہ کے زیر دست حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مسلمان ہونے والے غلاموں کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کر کے آزاد کرا دیا تھا تو اب ان کا فوری مسئلہ معاش کا تھا، ان فقرائے اسلام نے اغنیائے قریش سے یہ کہا کہ اپنے مال و دولت میں سے جو حصہ تم نے فی سبیل اللہ وقف کر رکھا ہے اس میں سے ہمیں بھی کھانے کو دو مگر مشرکین نے انکار کیا اور کہا کہ تم جب اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو کھانا بھی اسی سے لو، جسے اللہ نہیں دیتا ہم اسے کیوں کھلائیں، ہاں ایک شرط ہے کہ تم مرتد ہو کر ہمارے مسلک بت پرستی میں پھر داخل ہو جاؤ تو پھر ہم تمہیں کھانے کو دیں گے، اہل اسلام اعلانیہ کہتے تھے کہ روزی رساں تو اللہ تعالیٰ ہے، اس پر مشرکین تمسخر اور استہزاء کرتے ہوئے کہتے کہ تمہارا روزی رساں جب اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اسی سے مانگو تمہیں دے گا ہم کیوں دیں؟

ابن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ مکہ میں کچھ ملحد اور زندیق لوگ تھے اگر انہیں فقراء و مساکین کو صدقہ و خیرات دینے کے لئے کہا جاتا تو تمسخر اڑاتے اور کہتے تھے کہ مسلمانوں کے نزدیک تو ہر بات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے تو جب وہ انہیں غربت و افلاس سے مارنا چاہتا ہے تو ہم اللہ کی مشیت میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب ان فقرائے اسلام پر خرچ کرتے تو ابو جہل جیسے لوگ طعنہ زنی کرتے اور تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے کہ ابو قحافہ کے بیٹے عقل سے کام لے، اس طرح اگر مال و دولت اڑاتا رہا تو ایک دن خود بھی مفلس و قلاش ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ جب انہیں غربت و افلاس سے مارنا چاہتا ہے تو ان کی مدد سے اللہ کی مشیت میں دخل اندازی کیوں کرتا ہے؟

قرآن کریم (سورت نحل آیت ۷۱) نے کفار کی اس روش کو کفران نعمت سے تعبیر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال و دولت کے لحاظ سے سب کو یکساں نہیں رکھتا مگر جو صاحب ثروت اپنے زیر دستوں کو اپنی دولت میں شریک نہیں کرتے اور انہیں کھانے پینے میں اپنے برابر تصور نہیں کرتے وہ مجرم اور ناشکرے ہیں!

مکی وحی ربانی نے اہل ایمان کو لقمانی وصیت کی زبان میں یہ سمجھا دیا تھا کہ کوئی چیز جہاں بھی ہو جو مخلوق کے مقدر میں ہے وہ ہر صورت میں مل کر رہے گی (سورت لقمان ۱۶)

"انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ اوفی السمٰوات اوفی الارض یأت بہا اللہ، ان اللہ لطیف خبیر یعنی اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، خواہ وہ کسی پتھر میں ہو، یا آسمانوں میں ہو اللہ تعالیٰ اسے لا حاضر کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ لطیف و خبیر ہے۔"

سابقین اولین کی جماعت

یہ تصویر تو وہ ہے جو مستضعفین و فقرائے اسلام کو مکہ مکرمہ میں اس وقت کے مشرک و بت پرست اور غربت و امارت میں بٹے ہوئے جاہل معاشرہ میں انفرادی طور پر اور ان کے حقوق کے لئے دعوت اسلامی کے عمومی جہاد کو پیش کرتی ہے مگر اس انفرادی تصویر کے علاوہ دار ارقم کی مختصر سی مسلم کمیونٹی کی ایک اجتماعی تصویر بھی ہے جس کے نقوش تاریخ و سیرت کے علاوہ مکی عہد کی وحی ربانی میں بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں، یہ نقوش اس جمعیت کے ہیں جو آگے چل کر اللہ کی اس کتاب میں مہاجرین و انصار کے رنگ میں سامنے آنے والی تھی جو "اشداء علی الکفار" بھی تھی اور "رحماء بینھم" بھی تھی، وہی جمعیت جسے ہجرت کے بعد مواخات کی لڑی میں ایک بار پھر پرو دیا جانا

تھا کیونکہ مواخات مدینہ سے پہلے مواخات مکہ میں تو صرف مکی عہد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کو اپنے اپنے قبائلی علائق اور رشتوں سے کاٹ کر اسلامی اخوت کے پاکیزہ، غیر فانی اور ناقابل شکست رشتہ میں منسلک کیا گیا تھا مگر ہم یہاں مدنی عہد کے اسلامی معاشرہ کی بات نہیں کریں گے، ہماری بات ابھی مکی عہد نبوت کی مختصر سی مسلم جمعیت سے متعلق ہو گی جو مکہ مکرمہ کے دارالاسلام دار ارقم میں فروکش تھی یہ حویلی اس وقت دار الاسلام کہلاتی تھی، جو اسلام کا گھر، مسلم جمعیت کا معاشرتی و اجتماعی مرکز، اہل اسلام کی پناہ گاہ اور تربیت گاہ بلکہ عبادت گاہ بھی تھی، اس مرکز میں فروکش ہونے والی مسلم کمیونٹی میں امیر و غریب اور آقا و غلام کا کوئی امتیاز نہ تھا بلکہ اس کا نظام زندگی تو اخوت و مساوات سے عبارت تھا جس میں سب کو ایک چٹائی پر بیٹھنا اور ایک دسترخوان پر کھانا ہوتا تھا، یہاں عمر فاروق ؓ کو یہ سکھایا گیا تھا کہ وہ یوں کہا کریں کہ "ہمارے سردار ابو بکر صدیق ؓ نے ہمارے سردار بلال حبشی ؓ کو آزاد کرایا ہے!" دار ارقم کی یہ اخوت اور مساوات ہی تھی جس نے ابو جہل کے قلب و جگر کو جلا کر بھسم کر دیا تھا اور صنادید قریش لرزہ براندام ہو گئے تھے کہ غلاموں اور زیر دستوں کو اٹھا کر آقاؤں اور سرداروں کے ہم پلہ کیا جا رہا ہے! بقول اقبال!

نکتہ شرع مبیں ایں است و بس
کس نباشد در جہاں محتاج کس!

مکی وحی ربانی کی سورتوں میں دار الاسلام میں فروکش اہل اسلام کو پہلی مرتبہ یہ بتایا گیا کہ شرع اسلام وہ ازلی و ابدی شرع ہے اور یہ دین حق وہ ازلی و ابدی دین ہے جو آدم و نوح سے شروع ہو کر ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام سے ہوتا ہوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر عروج و کمال کو پہنچا ہے۔ ۵۵

"شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ وعیسیٰ. ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ، اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب یعنی اے مسلمانو! تمہارے لئے اس نے دین وہ بنایا ہے جس کی اس نے نوح ؑ کو وصیت فرمائی تھی اور وہی ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعہ پہنچایا ہے اور ابراہیم ؑ، موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ مت ڈالو، مشرکین کو بہت بوجھل لگا ہے جس کی آپ انہیں دعوت دیتے ہیں اور اللہ تو جسے چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے اور اپنی راہ بھی اسے دکھاتا ہے جو اس کی طرف مائل ہوتا ہے!"

مکہ مکرمہ کے دار الاسلام میں فروکش کاروان اسلام کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس شرع میں اور

دین اسلام پر عمل کرنے والے ازل سے ابد تک ایک ہی امت ہیں اور تم اے فروکشان دار الاسلام دارارقم اسی شرع پر عامل اور اسی دین کے حامل ہونے کے طفیل اسی امت کا حصہ اور تسلسل ہو۔

"ان ہذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون یعنی بلاشبہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی عبادت کیا کرو" (الانبیاء ۹۲)

اسی بات کو ذرا سے فرق کے ساتھ سورہ المومنون (آیت ۵۲) میں یوں دھرایا گیا۔

"وأن ہذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون یعنی بلاشبہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو میرا ہی تقویٰ اختیار کرو"

اسی طرح وحی ربانی دار ارقم میں فروکش اس مختصر سی مسلم جمعیت کو اپنے شاندار ماضی اور قابل فخر تاریخ سے جوڑ کر اس کی جڑوں کو مضبوط اور اس کے عزم و ارادے اور خود اعتمادی کے لئے تقویت کا سامان کرتی ہے، اس عزم و ایمان کی روشنی میں چلنے والی جمعیت اور امت نہ بھٹک سکتی ہے، نہ اسے متزلزل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

دار ارقم اہل ایمان کے لئے ایک تربیت گاہ بھی تھی اور عبادت گاہ بھی، کاروان اسلام کی پہلی منزل کی حیثیت سے اہل ایمان کے سابقین اولین کی تربیت بھی یہاں ہوئی اور عبادت و ذکر اللہ کا مقدس و مبارک کام بھی یہاں انجام پایا، ان اہل ایمان کا تربیتی نصاب قرآن کریم تھا اور نبوت کی زبان مقدس ان کی معلم تھی، مکی وحی ربانی میں اس کے متعلق نقوش و اشارات پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم اس وقت بھی ایک کتاب تھا جب تک وہ لوح محفوظ میں تھا اور جب جبریل امین ؑ اسے رسول صادق و امین علیہ السلام کے قلب اطہر پر نقش کرنے کے لئے لے کر نازل ہوتے رہے تو اس وقت بھی یہ کتاب ہی تھی اور آج اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہو کر بھی یہ کتاب ہی ہے، ازل سے ابد تک یہ اللہ کا کلام کتاب ہی کتاب ہے بلکہ الکتاب ہے، سورہ اعراف میں اس دستور حیات کو جہاں وسیلہ تبلیغ و انذار قرار دیا جا رہا ہے وہاں اہل ایمان کے لئے یہی کتاب ذکر و نصیحت کا نصاب بھی قرار پا رہی ہے۔ ۵۶۔

"المص کتاب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ لتنذر بہ وذکری للمؤمنین یعنی یہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے، سو اس کے متعلق آپ کے دل میں کوئی تنگی نہیں ہونی چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ انسانیت کو خوف خدا دلائیں

اور مومنوں کے لئے تو یہ کتاب ذکر و نصیحت ہے۔"

دار ارقم دارالاسلام کا گوشہ عافیت ہو، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم معلم و مربی ہوں، قرآن کریم جیسا پاکیزہ نصاب تعلیم ہو اور سابقین اولین اہل ایمان کی مختصر سی مسلم جمعیت سیکھنے والی ہو تو عبادت و ذکر اللہ اور تعلیم و تربیت کا کیا لطف ہو گا؟ اگر یہاں بھی دولت سکون و اطمینان نہ ہو تو عرش و فرش پر اور کہاں ہو گی، سورہ الرعد (آیات ۲۷ - ۲۸) میں یوں فرمایا جا رہا ہے۔

"ان اللہ یضل من یشاء و یہدی الیہ من اناب، الذین آمنوا و تطمئن قلبہم بذکر اللہ، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اپنی راہ دکھلا دے جو رجوع کرے، وہی لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں اور خبردار ذکر اللہ ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں"

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت و شفقت تھے بلکہ آپ تو رحمۃ للعالمین تھے مگر اس روئے زمین پر جس معاشرہ انسانی کا قیام اللہ تعالیٰ کو مقصود تھا وہ ایک ذمہ دار معاشرہ تھا، ایسا ذمہ دار معاشرہ جو ایک دوسرے کے دکھ درد، مدد و دستگیری اور باہمی شفقت و مودت، محبت و رحمت اور اخوت و مساوات کا معاشرہ تھا اس لئے دار ارقم میں فروکش مختصر سی مسلم جمعیت کو آنے والے زمانوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال بنانا مقصود تھا اس لئے مکہ مکرمہ میں آپ نے اس جمعیت کے افراد کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا تھا جسے ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنانے کے لئے پھر سے دوہرایا گیا، مگر اس ذمہ دار معاشرہ کے سربراہ اور قائد و سالار کے لئے رحیم و شفیق ہونا ضروری تھا اقبال کے الفاظ میں سالار کارواں اسلام کے لئے یہ رخت سفر ضروری ہے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے!

چنانچہ مربی دار ارقم داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کی اکثر تاکید فرمائی گئی وہ یہی دل نوازی اور رحمت و شفقت تھی، اسی سے دعوت حق کی کامیابی وابستہ تھی اور اسی کے طفیل وادی بطحاء کی سعادت مند روحیں خود بخود دار ارقم کی طرف جوق در جوق کھنچی چلی آتی تھیں، جو ایک بار سایہ رحمت و شفقت میں آ گیا پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت، کوئی اذیت اور کوئی لالچ اس حظیرہ رحمت سے دور نہ کر سکا، ارشاد ربانی ہوا (الحجر ۸۸)

"لا تعدن عینیک الی متعنا بہ ازواجا منہم ولا تحزن علیہم، و اخفض جناحک

منین یعنی ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو جو مال اور دولت دے رکھی ہے اس کی طرف آنکھ بھی مت اٹھایئے اور نہ ان کی فکر کیجئے آپ تو بس مومنین کے لئے اپنے نرم گوشہ دل جھکایا کیجئے۔"

سورہ الشعراء میں جہاں آپ کو "وانذر عشیر تک الاقربین" (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے) کا حکم ہے وہیں یہ بھی ارشاد ہے (الشعراء ۲۱۵) کہ!

"واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین یعنی اہل ایمان میں سے جو آپ کے پیرو کار ہیں ان کے لئے اپنے بازو جھکایئے"

بازو جھکانا دراصل خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہنا ہے، یہ وہی صفت دلنواز ہے جو پیرو کاروں کو اپنے قائد پر جان تک نچھاور کر دینے پر بھی آمادہ کر دیتی ہے، یہ مشفقانہ سلوک ہی وہ قوت اور دولت تھی جو دار ارقم میں فروکش اور زیر تربیت مسلم جمعیت کا اصل سرمایہ تھی!

مکی وحی ربانی میں دار ارقم میں فروکش مسلم جمعیت سابقین اولین کے اوصاف و امتیازات کے جو نقوش و اشارات دستیاب ہیں ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے اور مستقل کتاب نہیں بلکہ کئی مجلدات کے محتاج ہیں، اس لئے صرف تین سورتوں کی چند آیات بینات پر اکتفا مناسب ہو گا، سورہ المومنون میں اہل ایمان کی کامیابی و کامرانی کے راز کا ذکر کرتے ہوئے وہ اوصاف بیان فرما دیئے گئے ہیں جو اس جمعیت کی دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کے ضامن ہیں۔ ۵۷

"بیشک وہ مومنین کامیابی سے ہمکنار ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور جو زکوۃ دیا کرتے ہیں، اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں پر یا جو لونڈیاں ان کی ملکیت ہیں، تو اس میں ان کے لئے کوئی ملامت نہیں سوا اس کے علاوہ جو ڈھونڈھے گا تو وہ لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے قول و قرار کا پاس کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو وارث ہیں، یہ فردوس کے وارث بنیں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے!"

ان اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمہ کے علاوہ ان اہل ایمان کی کچھ امتیازی علامات بھی تھیں جو انہیں مکہ مکرمہ کے مشرک و بت پرست معاشرہ میں ممتاز اور نمایاں کرتی تھیں، ان کا ذکر سورہ الفرقان میں اس طرح فرمایا گیا ہے! ۵۸

"رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ان سے ناسمجھ یا جاہل لوگ، مخاطب ہوں تو سلامتی کی بات کرتے ہیں اور وہ لوگ جو رات کو

اپنے رب کے حضور سجدہ و قیام کی حالت میں گزارتے ہیں اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کا عذاب ہم سے دور کر دے، اس کا عذاب تو گلے پڑنے والا ہے، وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لئے بری جگہ ہے، اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان ایک سیدھا گزارا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام بنایا ہے اسے قتل نہیں کرتے ہاں مگر جب قانون کے ساتھ ہو تو، اور نہ وہ بدکاری کرتے ہیں۔"

اللہ رحمٰن کے سچے بندوں کے یہ اوصاف ہیں جو مکی عہد نبوت کی وحی ربانی اس وقت بیان کر رہی ہے جب کاروان اسلام اپنی پناہ گاہ و تربیت گاہ دار الاسلام دار ارقم میں فروکش تھا، یہیں مربی و داعی حق ؐ ایک ایسی جماعت کی تربیت فرما رہے تھے جو بظاہر کفر و شرک میں گھری ہوئی، ظلم و اذیت کا شکار اور بیکس و بے بس نظر آتی تھی مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صادق و امین ؐ کے علم میں تھا کہ یہی جماعت قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ کر ایک بے مثل و بینظیر انقلاب برپا کرنے والی تھی، اس جماعت کو نبوت کے سایہ عاطفت میں جو تعلیم و تربیت مل رہی تھی اور یہ جماعت جس چھوٹی سی مسلم جمعیت سے عبارت تھی اس میں نبوی نگاہ کرشمہ ساز نے یہ اوصاف و اخلاق پیدا کر دیئے تھے، اس لئے جب وہ اس ناہنجار جاہلی معاشرہ میں چلتے پھرتے تھے تو دیکھنے والے ان کی چال ڈھال، سلوک اور انداز رفتار و کردار سے انہیں پہچان لیا کرتے تھے!!

دار ارقم دارالاسلام بھی تھا اور اولین مرکز اسلام کی حیثیت سے مسلمانوں کا دارالشوریٰ بھی تھا، جہاں امرھم شوریٰ کا حکم ربانی چلتا تھا اور ہر بات باہم مشاورت سے طے ہوتی تھی، جس داعی حق ؐ کو مکی عہد میں اہل ایمان کے لئے خفض جناح (بازو جھکانے) کا حکم ہو چکا تھا اسے آگے چل کر وشاورھم فی الامر (معاملہ میں ان ایمان والوں کو شریک مشورہ کیجئے) کا حکم ملنے والا تھا اس لئے دار ارقم کے حوالے سے مکی وحی ربانی کی سورت الشوریٰ کی آیات چھتیس تا انتالیس کا مطالعہ بے حد اہم ہے۔ یہ آیات اہل ایمان کے نو امتیازی اوصاف کا تذکرہ کرتی ہیں جو وحی ربانی کا فیض اور تربیت نبوی کا ثمر ہیں۔

سورہ شوریٰ میں اللہ جل شانہ کی عظمت و قدرت مطلقہ، توحید باری تعالیٰ کی تاکید کے ساتھ شرک و بت پرستی کی مذمت اور دنیا کی حقیر نعمتوں اور مختصر زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی عظیم الشان نعمتوں اور دائمی زندگی کے مضامین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، یہود و نصاریٰ، جو اہل کتاب تھے اور علم و فضل کے وارث و مالک متصور ہوتے تھے، وہ بھی موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام

کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر تفرقہ و اختلاف کا شکار ہو چکے تھے۔ بلاد عرب کے مشرک و امی تو ان سے بھی بدتر صورت حال سے دوچار تھے، ایسے میں غار حراء سے نور حق کی ضیائے سرمدی کی پھوٹنے والی کرن دار ارقم میں ایک ایسی جماعت کی تربیت کر رہی تھی جو آگے چل کر ظلم و جہالت کے پردے چاک کر کے عدل و عرفان کا علم بلند کرنے والی تھی اور ایک ایسی ریاست اور تہذیب کی بنیاد رکھنے والی تھی جس کے لئے انسانیت کی قیادت و حفاظت مقدر ہو چکی تھی، سورہ شوریٰ کی یہ آیات اسی جماعت کے نو امتیازی اوصاف بیان کرتی ہیں!

ان نو اوصاف امتیازی میں سے پہلا وصف ایمان باللہ کی دولت سے سرفراز ہونا ہے جس سے انسان کو اللہ رب العزت کا سہارا میسر آ جاتا ہے وہ خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے، بندہ مومن و موحد جب اپنے آپ کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے حوالے کر دیتا ہے تو قوت ایمانی و خود اعتمادی کی دولت اس کی کایا ہی پلٹ دیتی ہے پھر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کائنات ارض و سماء کا وارث بن جاتا ہے کہ "عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث"!

دار ارقم میں تربیت پانے والی اس قائد و رہنما جماعت کا دوسرا وصف توکل بیان ہوا ہے جو توحید پر غیر متزلزل ایمان اور شریک کو مسترد کر دینے سے پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد بندۂ مومن کی امیدوں کا مرکز و محور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بن جاتی ہے اور اسے غیر اللہ سے قطعی بے نیازی کی دولت نصیب ہوتی ہے لیکن یہ توکل (صرف اللہ پر پورا بھروسہ کرنا) کی بات ہے توکل (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا) کی بات نہیں بقول شاعر!

توکل کا یہ مطلب ہے کہ اپنا خنجر تیز رکھ
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر،

بندۂ مومن کا توکل یہ ہے کہ تمام ممکن وسائل کے استعمال اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو کام میں لایا جائے جہاں وسائل اور صلاحیتوں کی حدود ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے اللہ رب العزت پر توکل کی حدود شروع ہو جاتی ہیں!

ان آیات میں اس جماعت کی تیسری خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتی ہے اور فواحش و مناکیر سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے، اس جماعت کا چوتھا وصف یہ ہے کہ یہ غصہ پی جانے والی اور غیظ و غضب کے عالم میں عفو و درگزر، معذرت و مغفرت کو اپنا شعار بناتی ہے کیونکہ عفو کے ساتھ صبر کو کتاب اللہ عزم الامور قرار دیتی ہے، ان اہل ایمان کا پانچواں وصف احکام الٰہی پر عمل کرنا اور اپنے پروردگار کے ہر فرمان پر بطیب خاطر لبیک کہنا ہے، چھٹا وصف اقامت صلوۃ ہے جو فواحش و منکرات سے باز رکھتی ہے اور بندۂ مومن کی ڈھال ہے۔

سورہ شوریٰ کی ان آیات میں اہل ایمان کا ساتواں وصف امرھم شوریٰ ہے، یہ اپنا ہر معاملہ باہم مشاورت سے طے کرتے ہیں، اس وصف پر تفصیلی بحث کی جگہ تو اس کتاب کا ایک اور باب ہے مگر یہاں صرف دو نقطوں پر توجہ مبذول کرانا کافی ہے، ایک تو یہ ہے کہ ان نو اوصاف میں سے صرف ایک یہ وصف جملہ اسمیہ کی شکل میں وارد ہوا ہے باقی سب اوصاف جملہ فعلیہ کی شکل میں آئے ہیں، جملہ اسمیہ دوام اور یقین پر دلالت کرتا ہے اس سے اسلام میں شورائی جمہوری نظام کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، دوسرا نقطہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مختصر سی مسلم کمیونٹی ابھی دار ارقم تک محدود ہے جسے دار الاسلام یا اسلامی مرکز کی حیثیت حاصل ہے، قیام ریاست کا مرحلہ ابھی بہت دور ہے مگر پھر بھی یہاں ہر بات باہمی مشورہ سے طے ہوتی ہے جس میں جملہ اہل اسلام شریک ہوتے ہیں تاکہ ان میں باہمی اعتماد پیدا ہو اور جمعیت کے کاموں میں براہ راست شرکت کا احساس ہو، یہ بات اسلام کے جمہوری مزاج کو واضح کرتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام شورائیت کے اس دائمی وصف سے محرومی کو کبھی قبول نہیں کریں گے، کوئی استبداد، کوئی آمریت اور خلافت کے نام پر کوئی ملوکیت امت اسلام کے اس امتیازی وصف کو ہرگز ہرگز معدوم نہیں کر سکے گی!

یہاں پر مسلم جمعیت کا آٹھواں وصف انفاق فی سبیل اللہ ہے، یہی امتیازی وصف ہے جس نے صدیق اکبرؓ کو فقرائے اسلام کا مربی و سرپرست بنا دیا تھا، نواں وصف یہ ہے کہ سابقین اولین اہل اسلام کی یہ جماعت ظلم و سرکشی کو ہرگز برداشت کرنے والی نہیں ہے، یہ نہ ظلم کرتی ہے نہ ظلم سہتی ہے ظالم کا پنجہ مروڑنا اور ظلم کو نابود کرنا اہل ایمان کا امتیازی وصف ہے، ہمارے اس باب کا اختتام مکی وحی ربانی کی انہی آیات بینات کے مکمل ترجمے پر ہوتا ہے! ۵۹۔

"سو جو کچھ تمہیں کسی چیز کی شکل میں دیا گیا تو وہ دنیا کی زندگانی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور غیر فانی ہے، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے حکم پر لبیک کہا، اور نماز کو قائم کیا، اور ان کا معاملہ تو باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے، اور ہم نے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ کہ جب ان پر حملہ ہو یا ان کے خلاف سرکشی کی جائے تو وہ بدلہ لے کر غالب آتے ہیں۔"

مکی وحی ربانی اور دار الاسلام دار ارقم رض

۱ = ملاحظہ فرمایئے باب "دار ارقم کے مآخذ و مصادر کا مفصل تجزیاتی مطالعہ"

۲ = جوامع السیرۃ ص ۵۱، ۶۴، سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۶۵

۳ = سورت الزخرف آیت ۳۱ - ۳۲ ۴ = سورت الانعام آیت ۱۲۴

۵ = سورۃ الاسراء آیت ۴۹ - ۹۸، سورت المومنون آیت ۸۲ سورت الصّٰفّٰت آیت ۱۶

۶ = سورت سبا آیت ۷ - ۸ ۷ = سورت الدخان آیت ۱۴

۸ = سورت النحل آیت ۱۰۳ ۹ = سورۃ ق آیت ۱ - ۴

۱۰ = سورت الفرقان آیت ۷ - ۸ ۱۱ = سورت بنی اسرائیل آیت ۹۱ - ۹۳

۱۲ = ایضاً آیت ۹۳ ۱۳ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۹۰، روح المعانی ۱۸/۲۱۰

۱۴ = سورت بنی اسرائیل آیت ۸۵ ۱۵ = سورت یٰسین آیت ۸۲

۱۶ = سورت الانعام آیت ۳۳ ۱۷ = ایضاً آیت ۳۷

۱۸ = ایضاً آیت ۳۵ ۱۹ = سورت القمر آیت ۱ - ۸

۲۰ = سورت یونس ۱۶ - ۱۷ ۲۱ = ایضاً آیت ۲۱ - ۲

۲۲ = سورت عبس آیت ۱ - ۱۲ ۲۳ = سورت الانعام آیت ۵۲ - ۵۳، سورت کہف آیت ۲۸

۲۴ = ایضاً آیت ۵۳ ۲۵ = سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸

۲۶ = سورت الانعام آیت ۳۳ ۲۷ = سورت یونس آیت ۱۵

۲۸ = ایضاً آیت ۳۷ ۲۹ = سورت حم السجدہ آیت ۲۶

۳۰ = سورت بنی اسرائیل آیت ۱۰۶، سورت الفرقان آیت ۲۲

۳۱ = سورت عنکبوت آیت ۴۹ ۳۲ = سورت بنی اسرائیل آیت ۸۱ - ۸۲

۳۳ = سورت بنی اسرائیل آیت ۹ ۳۴ = سورت بنی اسرائیل آیت ۸۸

۳۵ = سورت فاطر آیت ۱۸ ۳۶ = سورت عبس ۱ - ۱۰

۳۷ = سورت یونس آیت ۵۷ ۳۸ = سورت النحل آیت ۹۰

۳۹ = ایضاً آیت ۱۲۵ ۴۰ = سورت کہف آیت ۲۸

۴۱ = سورت الزخرف آیت ۲۰
۴۲ = ایضاً آیت ۲۲
۴۳ = سورت الشوریٰ آیت ۱۵
۴۴ = سورت الاحقاف آیت ۱۳
۴۵ = سورت حم السجدہ آیت ۳۰
۴۶ = سورت عنکبوت آیت ۲۶
۴۷ = سورت النحل آیت ۶۱
۴۸ = ایضاً آیت ۱۱۰
۴۹ = سورت عنکبوت آیت ۵۶ - ۵۹
۵۰ = سورت الفجر آیت ۱۶ - ۱۸
۵۱ = روح المعانی ۷/۸۴، ۱۵/۲۶۲
۵۲ = تفسیر ابن کثیر ۴/۴۷
۵۳ = روح المعانی ۲۳/۵۳
۵۴ = الجامع لاحکام القرآن ۸/۲۲۴
۵۵ = سورت الشوریٰ آیت ۵۵
۵۶ = سورت الاعراف آیت ۱ - ۲
۵۷ = سورت المومنین آیت ۱ - ۱۱
۵۸ = سورت الفرقان آیت ۶۳ - ۶۸
۵۹ = سورت الشوریٰ آیت ۳۶ - ۳۹

دار ارقم کے مآخذ و مصادر کا مفصل و تجزیاتی مطالعہ

یہ باب ان مآخذ و مصادر کے ایک مفصل و تجزیاتی مطالعہ کے لئے مختص ہے جن سے دار ارقم کے متعلق معلوماتی مواد میسر آتا ہے، ہو سکتا ہے محترم قاری کو تکرار ممل کا احساس ہو لیکن یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے، تمام مآخذ و مصادر کو ایک نظر میں رکھ کر اور انہیں تاریخی ترتیب کے ساتھ زیر بحث لا کر ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دار ارقم کا حقیقی مصرف اور تاریخ ساز کردار اگرچہ اکثر و بیشتر آنکھوں سے اوجھل ہی رہا مگر مرور ایام کے ساتھ ساتھ سیاسی، فکری اور دینی اقدار کے تغیر پذیر ہونے کے باعث مختلف ادوار کے تاریخ نویس اور تذکرہ نگار چونکہ اسلام کی تربیتی اور شورائی جمہوری اقدار سے بے نیاز ہوتے چلے گئے تھے اس لئے عہد اول کے اہل علم نے دار ارقم کے جو دھندلے سے نقوش ریکارڈ کر دیئے تھے وہ بھی بعد والوں کے لئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بے قیمت ہوتے چلے گئے اور انہیں قابل اعتنا نہ سمجھا جا سکا، اسلامی نظام سیاست کے بنیادی نقطہ شورائی جمہوریت کے علاوہ اسلام کے عطا کردہ نظام اخوت و مساوات اور نظریہ احترام آدمیت و آزادی رائے کی جو روایات دار ارقم سے وابستہ تھیں وہ بھی نادانستہ طور پر اعراض و چشم پوشی کی زد میں آتی گئیں۔

اس تقابلی و تجزیاتی مطالعہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گی کہ زمانہ اور ابنائے زمانہ نے جو کچھ خلافت راشدہ اسلامیہ کی راہ روکنے اور اسلام کے عالمی انسانی منشور و پیغام کو پس پشت ڈالنے میں کیا وہی کچھ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بے رحمانہ سلوک دار الاسلام اور کاروان اسلام کی منزل اولین دار ارقمؓ کے ساتھ کیا گیا، ایک مخلص جاں نثار صحابی رسولؐ کے اس تاریخ ساز مکان کے متعلق متد اول اور زبان روایت پر رواں معلومات کو ضبط تحریر میں لانے والے اور بعد میں ان ضبط

تحریر میں لائی گئی معلومات کو سمجھنے اور ان سے استفادہ و استنباط کرنے والے اہل دانش نے کیا کیا اسالیب اختیار کئے اور اس کی اہمیت و مصرف یا کردار کو کس کس انداز سے محسوس کیا، یہ تمام باتیں گہرے غور و فکر کو دعوت دیتی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح واضح اور کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ کج فطرت انسانوں نے دین حنیف کے بتائے ہوئے صراط مستقیم کو اپنانے سے ہمیشہ پہلو تہی کی ہے مگر اس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حرف بحرف عمل کر کے ایسی مثالیں قائم کیں جن کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پرائے تھکتے نہیں اور جن کی نظیر یا ان کا متبادل کہیں دستیاب نہیں، دین حنیف کے بتائے ہوئے اس صراط مستقیم پر چلنے سے اپنوں نے بھی پہلو تہی کیا ہے اور کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں اور غیروں نے بھی اس سے اعراض کیا ہے اور اسے دبانے یا اس کا راستہ روکنے کے تمام جتن کئے ہیں، اسی طرح دار ارقمؓ کے تاریخی کردار کو چھپا کر استبدادی ملوکیت کے پرویزی حیلوں نے حقیقت پر جہالت کی چادر تان دی مگر قرآن کریم کا حکم مشاورت اور دار ارقم والوں کے شورائی نظام کو بنظر استحسان دیکھنا ایک اٹل حقیقت ہے جو ہمیشہ اہل ایمان کی رہنمائی کے لئے قائم و دائم ہے اس لئے دار ارقمؓ کے مآخذ و مصادر کے مفصل تجزیاتی مطالعہ کے لئے یہ باب باندھا گیا ہے تاکہ عصر حاضر کے روشن ضمیر و بیدار مغز مسلمان کو بھی براہ راست ان کے مطالعہ میں شریک کیا جا سکے، اس لئے اس تکرار ممل مگر مفید کو گوارا کرنا علت و غایت سے خالی نہیں ہو گا۔

دار ارقم کے مآخذ و مصادر پر نظر ڈالنے سے پہلے چار باتیں ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہیں!

۱۔ کتب مغازی و ارشادات نبوی کو ضبط کرنے کی بعض انفرادی کوششوں سے قطع نظر امت میں تصنیف و تالیف کا باقاعدہ سلسلہ پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے آغاز سے شروع ہوتا ہے، یہ وہ لمحات ہیں جب کاروان اسلام کئی کٹھن مراحل سے گذر چکا ہے، ہجرت نبویؐ، غزوات و سرایا کا ہنگامہ خیز دور، ارتداد اور جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ، یثرب و خیبر سے بھاگنے والے یہودیوں کی دسیسہ کاری اور سازش کے طفیل روم و ایران کے نوخیز شجرہ اسلام کے خلاف بھڑنے اور پھر عظیم فتوحات کے دروازے کھلنے کے تمام مراحل گذر چکے ہیں۔

۲۔ ہجرت کے باعث مکی زندگی بہت سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی پھر غزوات، وفات رسولؐ کے صدمہ کبریٰ، فتنہ ارتداد اور بقائے امت کی دفاعی کوششوں نے امت

کے ہوش بھلا دیئے تھے، سابقین اولین کی ایک بہت بڑی تعداد جنگوں میں شہید ہو چکی تھی حتیٰ کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی شہادت سے شیخین رضی اللہ عنہما کو ضیاع قرآن کا بھی خدشہ ہوا تھا، شہادت عثمانؓ و علیؓ جنگ جمل وصفین کے روح فرسا واقعات اور کربلا کی قیامت کبریٰ نے امت کو نڈھال کر دیا تھا اور استبداد ملوکیت نے آزادی رائے پر پہرے بٹھا دیئے تھے، ایسے میں دار ارقمؓ کی سماجی فلاحی روایات اور شورائی جمہوری نظام کی باتوں کو یاد رکھنے والے کتنے رہ گئے ہوں گے؟ اس ماحول میں دار ارقمؓ سے دلچسپی یا اس کی اہمیت کیا رہ گئی ہو گی؟ صرف یہی نا کہ علم و دانش سے آراستہ اموی اور عباسی خلفاء کو دار الندوہ اور دار ارقمؓ کے کردار سے آگاہی حاصل تھی اس لئے انہیں اپنے تصرف کا شرف بخشنا ضروری خیال فرمایا گیا!!

۳۔ یہاں دار ارقمؓ سے متعلق تمام مآخذ و مصادر کا استیعاب و احاطہ نہ تو مقصود ہے اور نہ یہ ممکن ہے، صرف اہم دستیاب مآخذ کی ورق گردانی ہو گی اور ان سے حاصل شدہ معلومات کا اردو ترجمہ اور موقع کی مناسبت سے تحلیل و تجزیہ پیش کیا جائے گا، مآخذ کی ملتی جلتی عبارات کی بے فائدہ تکرار سے بھی اجتناب کیا جائے گا اور صرف اس صراحت پر اکتفا کیا جائے گا کہ یہی باتیں فلاں مآخذ میں بھی موجود ہیں مگر ساتھ ہی فرق یا اختلاف کی بھی نشاندہی کر دی جائے گی، انشاء اللہ!

۴۔ ہم نے چار ایسے موضوعات لئے ہیں جن کا تعلق براہ راست دار ارقمؓ سے بہت گہرا ہے (۱) مربی اکبر و معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ارقمؓ میں فروکش ہونا (۲) خود حضرت ارقمؓ کا تذکرہ (۳) سیدنا عمار بن یاسرؓ اور صہیب بن سنان رومیؓ کی دار ارقمؓ کے دروازہ پر اتفاقیہ ملاقات اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واقعہ (۴) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشرف بہ اسلام ہونا، سب سے آخر میں سورہ الشوریٰ کی اس آیت کریمہ کا عہد بہ عہد تفسیری مطالعہ جو دار ارقمؓ کے اولین اسلامی دار الشوریٰ کا اشارہ دیتی ہے، ایک مستقل باب کے طور پر آئے گا۔

یہ مآخذ سات قسم کے ہیں (۱) کتب سیرت نبویﷺ (۲) کتب حدیث نبویﷺ (۳) کتب سیر و تراجم صحابہ کرامؓ (۴) کتب تاریخ اسلام (۵) کتب تاریخ حرمین شریفین (۶) کتب جغرافیہ و سفرنامے (۷) سب سے آخر میں سورہ الشوریٰ کی متعلقہ آیت کے حوالہ سے کتب تفسیر قرآن کریم کا مطالعہ، اس مطالعہ میں بھی تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا تاکہ یہ معلومات جن جن تغیراتی مراحل سے گذری ہیں وہ بھی واضح ہو سکیں۔

اولاً ! کتب سیرت نبوی ؐ ! متاخر ادوار کے سیرت نگار عموماً صرف ان کتابوں تک محدود رہے ہیں جو سیرت نبوی ؐ کے عنوان سے تصنیف ہوتی رہی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مستند مآخذ کی طرف بہت کم بزرگوں کا دھیان گیا ہے، ہمارے لوگوں کا مطالعہ سیرت بھی ایسی ہی کتب کا پابند رہا ہے، لیکن یہ کتب سیرت نبوی ؐ خود بھی دو مشکلوں سے دوچار رہی ہیں، ایک یہ ہے کہ آغاز کار میں سیرت نبوی اکثر و بیشتر عبارت تھی سرایا و غزوات کی تاریخ سے، اسی لئے ابتدائی دور کی تصانیف کتب المغازی کہلائیں اور ان کے مصنفین اصحاب المغازی مشہور ہوئے، حتیٰ کہ سیرت پاک پر پہلی مکمل، جامع، مشہور و مقبول ہونے والی کتاب جو محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی کی تصنیف ہے اور جس کا اصل نام کتاب المبتدا والمبعث والمغازی ہے، لوگوں کی زبان پر کتاب المغازی کے نام سے ہی مشہور ہوئی ا ۔

محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ نے اپنے سے پہلے لوگوں کی روش سے ہٹ کر بعثت سے قبل، بعثت نبوی ؐ کے احوال اور ہجرت کے بعد غزوات، سرایا اور دیگر وقائع کو جمع کرنا ضروری تصور کیا، اس سے پہلے والے دار ارقم ؓ کا تذکرہ تو کیا کرتے وہ تو مکی عہد کو ہی فراموش کر دیتے رہے، انہوں نے تو سیرت کو بھی ایام جاہلیت کی طرح جنگوں تک ہی محدود رکھا، قدیم جاہلی لڑائیاں ایام العرب کہلاتی تھیں، بعید نہ تھا کہ یہ حضرات اسلام کی آمد کے بعد والی جنگوں کو "ایام الاسلام" کا نام ہی دے ڈالتے مگر ان بزرگوں نے اتنی مہربانی ضروری فرمائی کہ ان کے لئے غزوات، مغازی یا سرایا کے الفاظ استعمال کئے اور خود اصحاب المغازی کہلائے۔

ابن اسحاق نے حضرت ارقم ؓ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے مگر دار ارقم ؓ کا نام تک نہیں لیا۔ حضرت حمزہ ؓ کے قبول اسلام کے ضمن میں فوری سبب ابو جہل کی وہ بدتمیزی بتائی ہے جو اس نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کوہ صفا کے پاس بنو مخزوم کے محلے کی ایک گلی میں روا رکھی تھی، اسی طرح حضرت عمر ؓ کے قبول اسلام کے ذکر میں بھی یہی بتایا ہے کہ حضرت خباب ؓ نے فاروق اعظم ؓ کو یہی بتایا تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے قریب ایک مکان میں ہیں" ۲ ۔

محمد بن عمر الواقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بھی اپنی کتاب المغازی ۳ میں حضرت ارقم ؓ کا تین مرتبہ نام لیا ہے مگر مدنی عہد کے حوالے سے، مکی عہد یا دار ارقم ؓ کی بات اس کے حساب سے ہی باہر ہے۔

ابو محمد عبدالمالک بن ہشام حمیری متوفی ۲۱۸ھ کا ایک علمی کارنامہ یہ متصور ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق کی مذکورہ کتاب کا فالتو اور غیر ضروری مواد حذف کر دیا اور اہم مضامین پر

مشتمل اپنی مشہور زمانہ کتاب "السیرۃ النبویہ" مرتب کی، جو سیرۃ ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ مگر وہ بھی ابن اسحاق کی طرح دار ارقم ؓ میں حضورؐ کے فروکش ہونے کا ذکر تک نہیں کرتے بلکہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ کے ضمن میں اس تاریخ ساز مکان کو (انہم قد اجتمعوا فی بیت عند الصفا وھم قریب من اربعین من بین رجال ونساء ۴۔ یعنی حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ؓ جو چالیس کے قریب مرد و خواتین پر مشتمل تھے، صفا کے پاس ایک گھر میں جمع ہوگئے ہیں، کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں، لیکن سیرت ابن ہشام کا جلیل القدر شارح ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ صاحب الروض الانف، بھی صفا کے قریب اس گھر کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتا۔

امام ابو بکر بیہقی متوفی ۴۰۸ھ محدث اور سیرت نگار ہیں سیرت نبوی کے حوالے سے ان کی ضخیم کتاب دلائل النبوۃ ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، وہ بھی حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دار ارقم کا نام لئے بغیر تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ۵۔ ہیں! فلما عرفوا الصدق منی قالوا فی بیت باسفل الصفا (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کو میری سچائی کا یقین ہو گیا تو بتایا کہ آپ ایک مکان میں ہیں جو کوہ صفا کے نیچے ہے) بیہقی نے ابوجہل کی بدتمیزی والا واقعہ ۶۔ بھی "عند الصفا" یعنی صفا کے پاس وقوع پذیر ہوتا بتانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

سیرت نگاری میں چونکہ ابن اسحاق اور اس کے بعد ابن ہشام کو اولیت اور امامت کا درجہ حاصل ہے، پھر چونکہ بزرگان سلف سے خوردگان خلف تک سب کے نزدیک اس بات کو مکھی پر مکھی مارنے کے بجائے امانت داری پر محمول کیا جاتا رہا ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ تمام کے تمام سیرت نگار حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ کے ضمن میں یہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے دکھائی دیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے بعض صحابہ کرام کے ساتھ کوہ صفا کے پاس ایک مکان میں تھے، بلکہ یہ بھی کہتے سنائی دیں گے کہ وہاں روپوش تھے، مگر کسی سیرت نگار نے اپنے سے پہلے والے سیرت نگاروں کی روش سے ہٹ کر کتب سیر صحابہ، حدیث یا تاریخ حرم سے رجوع نہیں کیا!!

ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۶۳۰ھ صاحب دلائل النبوۃ وحلیۃ الاولیاء حدیث، سیرت اور تصوف کی دنیا کا ایک معتبر نام ہے، ان کی ثانی الذکر کتاب صحابہ کرام ؓ تابعین اور اتباع تابعین کا تذکرہ ہے اس میں تزکیہ نفوس اور زہد و تصوف کے نامور بزرگوں کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسلام کے اولین و سابقین حلقہ بگوش اور تربیت پانے والے ہی اس کتاب کا سرعنوان ہیں جس سلسلہ تربیت کا نقطہ آغاز دار ارقم ؓ ہی تھا مگر موصوف نے حضرت ارقم ؓ کو ساتواں

مسلمان ہونے کے باوجود قابل توجہ ہی نہیں سمجھا، حضرت صہیب اور عمار کے تذکروں میں دار ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ان کی ملاقات اور قبول اسلام کا واقعہ تک نہیں لکھا، ابو نعیم اصفہانی دار ارقم رضی اللہ عنہ سے آگاہ ضرور تھے مگر انہیں اس کے تاریخی کردار کا ادراک نہیں تھا چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے تذکرہ میں کہتے ہیں۷۔ کہ ''بعض مشرکین نے انہیں مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھا اور ان سے تعرض کیا تو انہوں نے تعرض کرنے والے کے سر میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دار ارقم رضی اللہ عنہ میں جاکر چھپ گئے، اس واقعہ سے قبل ایک جماعت قبول اسلام سے مشرف ہو چکی تھی، دار ارقم کو اب دارالخیزران کہتے ہیں، نبوت کے چوتھے سال اسلام کی کھلے عام تبلیغ کا حکم فاصدع بما تومر (جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا کھلے عام چرچا کیجئے) نازل ہوا، تاہم نبوت کے پانچویں سال سے بھی اس واقعہ کا تعلق بتایا گیا ہے جو زیادہ واضح بات ہے، کہا جاتا ہے کہ دار ارقم رضی اللہ عنہ میں چھپنے کی مدت چھ ماہ تھی یا صرف ایک ماہ وہاں قیام رہا! جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد انتالیس تھی''

اصفہانی کے نزدیک چونکہ دار ارقم رضی اللہ عنہ میں داخل ہونے سے پہلے انتالیس لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، وہاں ایک ماہ یا چھ ماہ سے چھپے ہوئے تھے اور صرف چالیسویں مسلمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی کمی تھی پھر کھلے عام اظہار اسلام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے ضمن میں دار ارقم رضی اللہ عنہ کا ایک جگہ یوں ذکر کرتے ہیں۸۔! قلت این رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قالت اختی ھو فی دار الارقم بن ابی الارقم عند الصفا فاتیت الدار و حمزۃ فی اصحابہ جلوس فی الدار یعنی میں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہوں گے؟ تو میری بہن (فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب) نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے پاس ارقم رضی اللہ عنہ بن ابی ارقم کے گھر میں ہیں، میں وہاں آیا تو حضرت حمزہ بھی وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھر میں بیٹھے تھے'' اسی ضمن میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۹۔! ''فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی دار عند الصفا فجلست بین یدیہ (میں صفا کے پاس ایک گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا''

حافظ ابوالفداء ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ محدث، مؤرخ اور سیرت نگار ہیں، انہوں نے البدایہ والنہایہ میں دار ارقم سے متعلق جو بات کی ہے وہ آگے آتی ہے، سیرت نبوی پر اپنی کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ کے ضمن میں دار ارقم کا ذکر کرتے ہیں مگر نام لئے بغیر حضرت عمر کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں! فدلنی یا خباب علی محمد حتی آتیہ فاسلم قال خباب ھو فی بیت عند الصفا معہ نفر من اصحابہ یعنی اے خباب مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتا دو کہ ان کے پاس جاکر اسلام قبول کروں، خباب نے بتایا کہ آپ صفا کے پاس ایک مکان میں ہیں آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک

جماعت بھی ہے۔"

علمائے سیرت کے ان بیانات پر اگر آپ غور فرمائیں تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو گی کہ یہ سب کے سب بزرگ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے الفاظ ہی کو دوہرا رہے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی دار ارقم کے حقیقی مصرف اور اصلی کردار کا احساس نہیں ہے، کم سے کم وہ مصرف اور کردار بھی جس کا ابن سعد، امام ازرقی اور امام حاکم رحمہم اللہ پر واضح تھا۔

متاخر دور کے سیرت نگاروں میں سے السیرۃ الحلبیہ یا انسان العیون فی سیرہ الامین المامون ؒ کے مصنف ابو الفرج نورالدین علی بن ابراہیم حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ، السیرۃ الشامیۃ یا سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العبادؐ کے مؤلف محمد بن یوسف صلاحی الشامی اور المواہب اللدنیہ کے مصنف محمود بن عبدالباقی الرزقانی متوفی ۱۱۲۲ھ کے نام نمایاں ہیں مگر ظاہر ہے کہ دور زوال وانحطاط کے ان بزرگوں سے بھی کوئی بڑی توقع نہیں باندھی جاسکتی۔

الحلبی حضرت صہیب و عمار کے قبول اسلام کا ذکر یوں کرتے ہیں ۱۰۔! "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو صہیب بن سنان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے گزرے تو دیکھا کہ عمار وہاں کھڑے ہیں، تب عمار نے ان سے پوچھا صہیب کدھر کا ارادہ ہے؟ صہیبؓ نے جواب دیا میں تو محمدؐ کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تاکہ ان کی باتیں سنوں اور ان کی دعوت سے آگاہی حاصل کروں، اس پر عمارؓ نے کہا! میں بھی تو یہی چاہتا ہوں چنانچہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر بیٹھ گئے، آپ نے انہیں آیات قرآنی پڑھ کر سنائیں اور قبول اسلام کی دعوت دی تو دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو گئے، پھر وہ تمام دن آپ کے پاس رہے اور شام کو چھپتے چھپاتے چل دیئے "گویا ان کے نزدیک حضرت عمارؓ وصہیبؓ کے قبول اسلام اور ملاقات کا دار ارقمؓ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے؟!

مکہ کی گھاٹیوں میں عبادت کرتے ہوئے ایک روز مشرکین نے مسلمانوں کو تنگ کیا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کے سر میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری، اس واقعہ میں ایک مسلمان کے ہاتھوں کسی مشرک کا پہلی بار خون بہایا گیا، اس کے بعد حضورؐ اور صحابہ کرامؓ دار ارقم میں جاکر چھپ گئے یہ مکان اب (صاحب السیرۃ الحلبیۃ کے زمانے میں) دار الخیزران کہلاتا ہے اور صفا کے پاس ہے اسے منصور نے خرید لیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ دار ارقم میں نمازیں ادا کرتے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلان حق کا حکم فرمادیا، اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ اور صحابہ کرام دار ارقم میں اعلان حق تک مقیم رہے، چوتھے سال میں آپ نے اعلان فرمایا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

آپ وہاں چار سال تک مقیم رہے اور پانچویں سال میں اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی ۱۱۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے سلسلے میں الحلبی کا بیان یہ ہے کہ حضورؐ نے بدھ کے روز ان کے لئے دعا فرمائی اور جمعرات کے دن وہ اسلام سے مشرف ہو گئے، قال عمرؓ! فلما عرفوا الصدق منی قلت لهم اخبرونی بمكان رسول الله صلی الله علیه وسلم قالوا هو فی بیت باسفل الصفا وصفوه ای وهی دار الارقم یعنی حضرت عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو میری سچائی معلوم ہو گئی تو میں نے کہا! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتاؤ لوگوں نے کہا وہ صفا کے نیچے ایک مکان میں ہیں اور انہوں نے مکان کا حلیہ بیان کیا یعنی وہ دار ارقم تھا ۱۲۔"

علامہ حلبی کی بیان کردہ یہ تفاصیل ابن سعد، ازرقی اور حاکم کی تفاصیل پر مبنی معلوم نہیں ہوتیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے طبری اور ابن الاثیر کے علاوہ ابن عبدالبر اور ابن کثیر الدمشقی سے استفادہ کیا ہو، بہرحال حلبی دار ارقم کے مصرف اور کردار سے مکمل آگاہی کا اظہار کرتے نظر نہیں آتے۔

شرح المواھب اللدنیہ میں حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ یوں نقل ہوا ہے (قوسین میں المواھب کی عبارت ہے اور باقی شرح کی ہے) ۱۳۔!

"هو فی اسفل الصفا (فجئت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بیت فی اسفل الصفا) هی دار الارقم الصحابی کان صلی الله علیه وسلم مختفیا فیها بمن معه من المسلمین، قال المحب الطبری ویقال لها الیوم دار الخیزران، وفی الصفوة! فقال عمر! یا خباب انطلق بنا یعنی وہ گھر صفا کے نیچے ہے (چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صفا کے نیچے ایک مکان میں تھے) یہ مکان ہی دار ارقم ہے جو ایک صحابی ہیں یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ چھپے تھے محبّ الدین طبری کا قول ہے کہ اب اس مکان کو دار الخیزران کہتے ہیں، الصفوۃ میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خباب سے کہا! چلو ہمیں وہاں لے چلو ۱۴۔"

شرح المواھب اللدنیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ اوپر تھی، پھر فتح الباری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد انتالیس تھی میں چالیسواں مسلمان تھا اور جب میں (عمرؓ) مسلمان ہوا تو اسلام کو عزت اور غلبہ حاصل ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی! یا ایها النبی حسبک الله ومن اتبعک من المؤمنین اے نبی

تیرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تیری پیروی کرنے والے مومن ۱۵۔! مگر یہ آیت سورہ انفال کی ہے جو مدنی ہے اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام مکی عہد کا واقعہ ہے۔ اسے ہم تسامح پر ہی محمول کریں گے جو علم و ادب کی دنیا کی ایک کمزوری ہے مگر ایسی کہ اسے گوارا ہی کیا جاتا ہے۔

بعد کے سیرت نگار حتیٰ کہ عہد جدید کے مصنفین کتب سیرت بھی قدیم روش پر چلتے ہوئے نہ تو مکی عہد کے واقعات سیرت کی تفصیل و تحقیق کے متعلق فکر مند نظر آئے اور نہ دار ارقم کی اہمیت یا اس کے تاریخی کردار کا تذکرہ کیا، اردو زبان میں سیرت نگاری کے میدان میں علامہ شبلی مرحوم کی سیرۃ النبیؐ کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، وہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے حوالے سے دار ارقمؓ کا یوں تذکرہ فرماتے ہیں! "یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں تھا پناہ گزین تھے ۱۶۔"

مشہور مصری دانشور اور رہنما محمد حسین ہیکل کی کتاب "حیاتِ محمدؐ" کا بھی بڑا شہرہ ہے وہ بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے حوالے سے دار ارقم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۱۷۔! "ذرا دیر پہلے جس گھر میں موجود برگزیدہ کائنات کو تہ تیغ کرنے جا رہے تھے بار یاب ہوئے اور اس کے حضور سرنگوں ہو گئے"

مصری سکالر حسن ملطاوی کی کتاب "رسول اللہؐ فی القرآن الکریم" بہت عمدہ کتاب سیرت ہے وہ بھی دار ارقم کا ذکر ابن ہشام کے حوالے سے کرتے ہیں اور بیت عند الصفا (صفا کے پاس ایک گھر ہے) پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۱۸۔

سیرت نگاری کا آغاز مغازی کو ضبط تحریر میں لانے سے ہوا تھا، بعد میں مکی زندگی کے واقعات کو ابن اسحاق اور ابن ہشام کے حوالے سے بیان کیا جانے لگا، یہ سلسلہ آج تک اسی طرح جاری و ساری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کتب تفسیر و حدیث کے علاوہ تراجم و سیر رجال کی کتابوں کو بھی مآخذ سیرت میں شامل کر کے سیرت کے ہر ایک پہلو کا الگ الگ پوری دقت اور تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

متاخرین و معاصرین سیرت نگاروں میں ثورۃ الاسلام و بطل الانبیاء (انقلاب اسلامی اور نبیوں کے ہیرو یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مصنف محمد لطفی جمعہ (جن کی شہرۂ آفاق تصنیف تاریخ فلاسفہ اسلام سے دنیا واقف ہے) کا نام قابل ذکر ہے، انہوں نے اسلام کے شورائی نظام کا پورا پورا ادراک رکھتے ہوئے دیمقراطیۃ محمدؐ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جمہوریت ۱۹۔) کے عنوان سے آدمیت کا بول بالا کرنے والے بطل نبوت کو خراج تحسین پیش کیا ہے تاہم مکی عہد کے متعلق معلومات کی کمی کے باعث نہ تو وہ امر ھم شوریٰ پر توجہ دے سکے ہیں

اور نہ دار ارقم کے تاریخ ساز کردار کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین ؐ کے مصنف پروفیسر محمد الخضری، عبقریہ محمدؐ کے مصنف عباس محمود العقاد، سیرۃ الرسول ؐ کے مصنف علامہ محمد دروزہ اور ڈاکٹر عماد الدین خلیل صاحب دراستہ فی السیرۃ کے نام سیرت نگاری کے فن میں معتبر و محترم نام ہیں مگر یہ بھی ابن ہشام پر بھروسہ کرتے ہوئے دار ارقم کو محض ایک پناہ گاہ اور اکٹھا ہونے کی جگہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں ۲۰۔

ثانیاً! ہمارے علماء کے دو گروہ اکثر و بیشتر استبدادی قوتوں سے دور اور بالکل محفوظ و بے نیاز رہے ہیں، ایک اصحاب طریقت اور دوسرے محدثین کرام، علمائے حدیث توامت کا انتہائی قابل اعتماد و امانتدار دماغی ریکارڈ ہیں، سیرت و شریعت کے حوالے سے جو بات صداقت و اعتماد کے ساتھ پایہ ثبوت تک پہنچ گئی اسے محدثین اسلام نے محفوظ کر دیا ہے حتیٰ کہ رواۃ حدیث کے احوال و تراجم تک ریکارڈ کر دیئے ہیں، جن میں صحابہ کرام ؓ سرفہرست ہیں، مناقب صحابہ یا معرفت صحابہ کے عنوان سے کتب حدیث میں مستقل عناوین ہیں جو کتب سیر و تراجم رجال کے علاوہ ہیں، تاہم ان سیر اور تراجم میں رواۃ حدیث کو ہی مقدم و قابل ترجیح تصور کیا گیا ہے۔

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ چونکہ قلیل الحدیث ہیں اس لئے ان کے احوال کو کم ہی درج کیا گیا ہے، ابن حزم نے اسماء الصحابتہ الرواۃ میں ان کا نام تک درج نہیں کیا حالانکہ اولین سابقین اور اصحاب بدر میں ان کا تذکرہ کیا ہے ۲۱۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مناقب و فضائل صحابہ کے ابواب میں بھی حضرت ارقم کا تذکرہ نہیں ملتا، وجہ یہی نظر آتی ہے کہ علمائے حدیث میں سے جن بزرگوں نے صحابہ کرام ؓ کے تراجم کے لئے مستقل تصنیف نہیں فرمائی یا سب کا ذکر نہیں کیا انہوں نے قلیل الروایہ یا عدیم الروایہ صحابہ کا تذکرہ نہیں کیا تاہم امام ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری نے اس کمی کا تدارک فرما دیا ہے۔

امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ (۱۰۴۱ء) اعلام الحدیث النبوی میں جس مقام پر فائز ہیں اس میں ان کا اور کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، انہوں نے صحیحین کی شرائط پر پوری اترنے والی احادیث جمع کر کے مسلم و بخاری پر استدراک پیش کیا ہے، گویا صحت سند و متن کے شرائط کی رو سے مستدرک حاکم صحیحین کا نمونہ ہے، اس کتاب کا ایک حصہ کتاب معرفہ الصحابتہ کے عنوان سے اصحاب رسول اللہ ؐ کا مستند اور جامع تذکرہ ہے۔

مستدرک میں امام حاکم نے حضرت ارقم مخزومی ؓ کا تذکرہ بھی بڑے عمدہ اور مفصل انداز میں درج کیا ہے، جو بظاہر ابن سعد زہری کی کتاب الطبقات الکبیر سے منقول نظر آتا ہے، خصوصاً حضرت عثمان بن ارقم کے اس قول (کہ میں ساتویں مسلمان کا بیٹا ہوں میرا باپ اسلام قبول کرنے

والا ساتواں آدمی ہے) سے لے کر سنہ ۵۵ ہجری میں پچاس سال کی عمر میں حضرت ارقمؓ کے وفات پانے اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کرنے کے تذکرہ تک کا بیان تو لفظ بلفظ ابن سعد کے بیان سے ملتا ہے۲۲۔

حضرت ارقم کے تذکرہ ہی کے ضمن میں امام حاکم نے حضرت عمر کے قبول اسلام کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی ابن سعد کے بیان سے لفظ بلفظ ملتا ہے اس لئے اس کا یہاں نقل کرنا تحصیل حاصل اور تکرار ممل کے ضمن میں آتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ اگرچہ امام حاکم نے امیرالمومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر مفصل انداز میں کیا ہے لیکن ان کے قبول اسلام میں نہ تو دار ارقم کا ذکر ہے اور نہ ابن سعد والی تفاصیل موجود ہیں، یہاں امام حاکم نے صرف یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللھم اید الدین بعمر بن الخطاب (اے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو تقویت دے) ابن عباس کی روایت سے اس دعاء میں ایدالدین کی جگہ اعزالاسلام کے الفاظ آئے ہیں مگر ابن مسعود سے منقول دعا کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو ابن سعد نے روایت کئے ہیں۲۳۔ مستدرک حاکم میں ابن عمرؓ کی زبانی نقل ہونے والے یہ الفاظ بہت اہم ہیں، یہ دار ارقم میں تربیت و تزکیہ نفوس کے نبوی اسلوب کی غمازی بھی کرتے ہیں، ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں۲۴۔

> "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب صدر عمر بن الخطاب بیدہ حین اسلم ثلاث مرات وھو یقول! اللھم اخرج مافی صدرہ من غل وابدلہ ایمانا، یقول ثلاثا یعنی حضرت عمر نے جب اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر تین بار اپنے دست مبارک سے ضرب لگائی اور تین مرتبہ یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے سینے سے کھوٹ نکال دے اور اسے ایمان سے بدل دے"

ثانیاً! تراجم صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین کے سلسلے میں علامہ محمد بن سعد زھری متوفی ۲۳۰ھ (۸۴۵ء) کی کتاب الطبقات الکبریٰ کو اولیت کا شرف حاصل ہے ابن سعد کے استاذ الواقدی کی ثقاہت و اعتبار تو اہل علم کے نزدیک محل جرح و تنقید رہا ہے مگر وہ خود ثقات و معتمدین کی صف میں شمار ہوتے ہیں، طبقات ابن سعد، سلسلہ تراجم و اسمائے رجال کا ایک سنہرا حلقہ ہے اور اسے اسمائے رجال کے فن میں سنگ میل بلکہ اصلی اور بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

سیدنا ارقم بن ابی ارقم عبد مناف رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے ضمن میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ! "یحییٰ بن عمران بن عثمان سے منقول ہے کہ میں نے اپنے دادا عثمان بن ارقمؓ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں داخل اسلام ہونے والے ساتویں شخص کا بیٹا ہوں، میرے والد (حضرت ارقمؓ)

اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی تھے، مکہ میں ان کا مکان کوہ صفا پر تھا، یہی وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آغاز اسلام میں رہا کرتے تھے، اس جگہ حضورؐ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے اور یہاں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہیں پر ایک دن پیر کی رات اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے آپ نے عرض کیا تھا کہ ”اے اللہ! تو عمر بن الخطاب اور عمرو بن ہشام دونوں میں سے اپنے پسندیدہ آدمی کے ذریعہ اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما۔“ چنانچہ اگلے دن صبح کو عمر بن الخطابؓ آئے اور دار ارقم میں مشرف بہ اسلام ہو گئے، لوگ دار ارقم سے باہر آ گئے، نعرہ تکبیر بلند کیا اور کھلے عام بیت اللہ کا طواف کرنے لگے اور دار ارقم کو دار الاسلام کہا جاتا تھا ۲۵ ۔!

حضرت عمرؓ کے تذکرہ کے ضمن میں ان کے قبول اسلام کا واقعہ ضبط تحریر میں لاتے ہوئے ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ گھر سے تو قتل کے ارادہ سے نکلے تھے مگر راستے میں اپنی بہن کے گھر رخ کرنا پڑا، وہاں حضرت خباب بن ارت کے زبانی دعائے نبوی کی بشارت سن کر دار ارقم کا رخ کیا، حضرت خباب نے کہا ۲۶ ۔!

> ”عمر! بشارت ہو، مجھے یقین ہے کہ تمہارے حق میں رسول اللہؐ کی دعا قبول ہو گئی ہے، جو انہوں نے جمعرات (بدھ اور پیر بھی مذکور ہے) کی رات کو فرمائی تھی کہ اے اللہ! تو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت و غلبہ عطا کر، رسول اللہؐ اسی مکان میں تھے جو کوہ صفا کے دامن میں ہے (و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدار التی فی اصل الصفا) چنانچہ عمرؓ اسی مکان میں آ گئے، دروازے پر حضرت حمزہ، طلحہ اور دوسرے صحابہ کرامؓ موجود تھے، حضرت حمزہؓ نے جب لوگوں کے دلوں میں حضرت عمر کا خوف محسوس کیا تو کہا! اچھا تو یہ عمر ہے! اگر اللہ تعالیٰ نے عمر کے لئے بھلائی مقدر کر دی ہے تو اسلام قبول کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو کار بن جائے گا اور اگر وہ کسی اور ارادے سے آ رہا ہے تو اس کا قصہ پاک کرنا ہمارے لئے کچھ مشکل نہ ہو گا، حضورؐ مکان کے اندر تھے، نزول وحی کا موقع تھا، پھر حضورؐ باہر تشریف لائے، عمر کے پاس آ کر آپ نے ان کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا عمر! کیا تم باز آنے والے نہیں ہو، یہاں تک کہ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی رسوائی اور عذاب نازل ہو جائے جو ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکا ہے، اے اللہ! یہ ہے عمر بن خطاب اسی کے طفیل اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما، تب حضرت عمر بول اٹھے! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

چنانچہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے"

حضرت مصعب بن عمیر الخیرؓ کے قبول اسلام کے ضمن میں ابن سعد کا یہ بیان بھی قابل غور ہے ۲۷۔

"حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ رسول اللہؐ دار ارقم بن ابی ارقم میں دعوت اسلام دیتے ہیں چنانچہ وہ آپ کے پاس گئے، اسلام قبول کیا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی پھر باہر چلے گئے، اپنی والدہ اور قبیلہ کے لوگوں سے اپنا اسلام قبول کرنا پوشیدہ رکھا"

حضرت صہیب بن سنان اور حضرت عمارؓ بن یاسر کے قبول اسلام کے ضمن میں ابن سعد نے لکھا ہے ۲۸۔ کہ! "عمار بن یاسر بیان کیا کرتے تھے کہ میری ملاقات صہیب بن سنان سے دار ارقم کے دروازہ پر ہوئی جبکہ رسول اللہؐ وہاں پر موجود تھے، میں نے صہیب سے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے پوچھا! آپ کیا چاہتے ہیں؟ تب میں نے انہیں جواب دیا! میں تو محمدؐ کے پاس جا کر ان کی باتیں سننا چاہتا ہوں اس پر حضرت عمارؓ نے کہا! میں بھی تو یہی چاہتا ہوں! چنانچہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، آپ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، ہم مشرف بہ اسلام ہو گئے پھر اس روز شام تک ہم وہیں رہے، پھر ہم چھپتے چھپاتے نکل پڑے" یہ بھی واضح رہے کہ حضرت صہیب و عمار رضی اللہ عنہما کے قبول اسلام سے پہلے تیس سے زائد آدمی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔

ابن سعد نے دار ارقم کے حوالے سے جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دار ارقم میں حضورؐ کے فروکش ہونے کو ایک تاریخ ساز مرحلہ تسلیم کرتا ہے، بعد کے مؤرخین و تذکرہ نگاروں میں سے امام ابو عبداللہ الحاکم، حافظ ابن الاثیر صاحب کتاب الکامل فی تاریخ الاسلام اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کے سوا ابن سعد کے اس موقف اور اسلوب کو کوئی اور سمجھ نہیں سکا، یہ تینوں جلیل القدر اہل علم ابن سعد کی طرح دار ارقم کے دار الاسلام بنائے جانے کو ایک تاریخی واقعہ تصور کرتے ہوئے طلوع اسلام کی تاریخ میں اسے وہی اہمیت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جو زمانہ قبل اسلام میں عام الفیل، حرب الفجار اور حلف الفضول کو حاصل تھی، کم سے کم مکی عہد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں میں واضح طور پر تفریق و امتیاز کے لئے ضروری سمجھا ہے، ابن سعد نے مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ کے تذکروں میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم سے تشریف فرما ہونے سے قبل اسلام قبول کر ۲۹۔ چکے تھے! حضرت خدیجہ، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے علاوہ عبیدہ بن حارث، ابو حذیفہ بن عتبہ، عبداللہ بن جحش، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، خباب بن

ارت، مسعود بن ربیع، واقد بن عبداللہ، عامر بن فہیرہ ، ابو سلمہ بن اسد، سعید بن زید، عامر بن ربیعہ، خنیس بن حذافہ، عبداللہ بن مظعون اور حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اسی طرح ابن سعد نے ان بزرگوں کی نشاندہی بھی ضروری سمجھی ہے جو دار ارقم کے اندر آکر حضورؐ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے ان صحابہ کرامؓ میں حضرت صہیبؓ اور عمارؓ کے علاوہ مصعب بن عمیر، عمر بن الخطاب، عاقل بن ابی بکر، عامر بن ابی بکر، ایاس بن ابی بکر اور خالد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم۔

علامہ محمد بن سعدؒ کی ان تصریحات کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ!

۱۔ اسلام کا مرکز اور اہل اسلام کا ماویٰ و ملجا ہونے کے باعث دار ارقمؓ کو دار الاسلام کے نام سے پکارا اور پہچانا جاتا تھا۔

۲۔ یہ مکان مہبط وحی ربانی تھا، یہ بات صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے علم میں ہے کہ یہاں کن کن آیات ربانی کا نزول ہوا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آنے والے طالبان حق کو دعوت اسلام دیتے تھے اور جو آتا تھا وہ فیض ہدایت پا کر ہی نکلتا تھا۔

۴۔ یہ مکان اہل اسلام کے لئے سکون و اطمینان قلب کا مرکز بھی تھا، نادار، بیکس، ستائے ہوئے اور مجبور اور غلام یہاں آکر پناہ بھی لیتے تھے۔

۵۔ یہاں پر ذکر اللہ اور وعظ و تذکیر کا فریضہ بھی مسلسل انجام پاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اجتماعی دعائیں بھی فرماتے تھے حضرت خبابؓ کے بیان سے تو یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں راتوں کو بھی بندگان خدا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں فرماتے تھے۔

ابن سعد کے عہد تک خلافت علی منہاج النبوۃ کے اختتام کو ڈیڑھ یا دو سو سال بیت چکے تھے اور اسلام کا شورائی جمہوری نظام دھندلا چکا تھا اس لئے وہ یہ بات تو نقل کر گئے کہ دار ارقم کو دار الاسلام کہتے تھے اور یہاں تعلیم و تربیت نبوی اور تزکیہ نفوس کا سلسلہ رہتا تھا مگر وہ دار ارقم اور وامرھم شوریٰ بینھم میں جو باہم ربط ہے وہ ان کی نظر سے بھی اوجھل ہی رہا مگر امام حاکم کے عہد تک تو تاریخ انسانی کے اس مثالی شورائی جمہوری نظام کو بیتے ہوئے تین چار صدیاں بیت چکی تھیں، ملوکیت کے استبدادی پنجوں نے امت کے عقول و اذہان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا اس لئے ابن سعد والی بہت سی باتیں امام حاکم نیشاپوری کے عہد تک نہ صرف مدھم پڑ چکی تھیں بلکہ بالکل محو ہو گئی تھیں یا کم سے کم استبدادی ملوکیت اور مطلق العنان شہنشاہیت کے دباؤ اور منحوس

سایہ میں پنپنے والے دماغ اسلام کی اس شورائی جمہوری روح کے ادراک سے عاجز ہو چکے تھے۔

ہماری تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری کا ایک پہلو نقل راچہ باید عقل بہی رہا ہے۔ مثلاً آٹھویں صدی ہجری کا تذکرہ نگار پہلی صدی ہجری کی کسی شخصیت کا تذکرہ لکھنے بیٹھا ہے تو ظاہر ہے اس نے اپنے سے پہلے مصنّفین سے ہی معلومات لینا ہیں مگر لفظ بہ لفظ عبارت نقل کر دے گا اور حوالہ نہیں دے گا، اسی طرح مکھی پر مکھی بھی ماری جائے گی کہ اگر "اسفل الصفا" لکھا ہے تو اسفل الصفا لکھ دے گا، اگر پہلے نے اصل الصفا لکھا ہے تو یہ بھی ایسے ہی نقل کر لے گا اور اگر اہل الصفا لکھا ہے تو بغیر سوچے سمجھے یونہی نقل کر دیا جائے گا، لیکن اس بھیڑ چال تاریخی روایت کے باوجود ہمارے تاریخ نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے دار ارقمؓ کے سلسلے میں اس روایت کو بھی کم کم اپنایا ہے، ابن سعد اور ابو الولید ازرقی نے دار ارقمؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے اساسی معلومات کی حیثیت حاصل ہے، مگر بعد کے تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں نے ان اساسی معلومات کو چھان پھٹک کر "دار فی اسفل الصفا کان مختبیاً الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (صفا کے دامن میں ایک مکان ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپے تھے) بنا دیا، دار ارقمؓ میں کیا ہوتا تھا؟ یہاں فروکش کمیونٹی کے لئے وامرھم شوریٰ کیوں آیا؟ مدینہ پہنچ کر حضورؐ کو مدنی دار ارقمؓ کے قیام کی ہی فکر کیوں ہوئی؟ عہد نبوت و خلافت راشدہ میں اسلام کا شورائی جمہوری نظام کیا تھا؟ اس پر توجہ کم ہی دی جا سکی!

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) اسلامی اندلس کے جلیل القدر محدث ہیں، معلوم ہوتا ہے ان تک ابن سعد کی الطبقات، تاریخ طبری اور امام ابو عبداللہ الحاکم کی مستدرک یا ان کی معلومات پہنچ گئی تھیں، چنانچہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں حضرت ارقمؓ کا تذکرہ کرتے ۳۰۔ ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ ارقم بن ابی ارقم وہی ہیں جن کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قریش سے پوشیدہ مقیم رہتے تھے، کھل کر سامنے آنے سے قبل آغاز اسلام میں آپ یہاں پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے، حضرت ارقمؓ کا یہ مکان مکہ میں کوہ صفا پر واقع تھا، چنانچہ یہاں پر ایک بہت بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا، یہ ارقمؓ بنو مخزوم سے ہیں اور بہت بڑی مشہور شخصیت ہیں، ان کے گھر میں ابتدائے اسلام کے مرحلے میں کبار صحابہؓ اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ صفا کے قریب ان کے اسی مکان میں مقیم رہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی ان میں آخری اسلام لانے والے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے چنانچہ جب چالیس پورے ہو گئے تو باہر آ گئے"

حافظ ابن عبدالبر کا یہ بیان واضح طور پر دار ارقم کی اہمیت اور کردار کو اجاگر کرتا ہے، البتہ ان کے اس انداز بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ان چالیس مسلمانوں کو ہجرت حبشہ سے قبل قبول اسلام سے مشرف تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ حضرات ہجرت حبشہ کے بعد اس تعداد میں مسلمان ہوئے تھے یا جو ہجرت حبشہ سے رہ گئے تھے انہیں شامل کر کے حضرت عمرؓ کی آمد سے چالیس ہو گئے تھے جیسا کہ ابن الاثیر نے الکامل میں صراحت سے لکھا ہے۔

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ کے تذکرہ میں ۳۱۔ حضرت عمار بن یاسر کا وہ بیان بھی نقل کرتے ہیں جو دار ارقم کے دروازہ پر حضرت صہیبؓ سے ملاقات اور مکالمہ کے بارے میں ہے اور جسے ابن سعد اور امام حاکم نیشاپوری نے روایت کیا ہے؟ حضرت عمر کے تذکرہ میں ان کے قبول اسلام کے ضمن میں ان کے سینہ پر تین بار اپنے دست مبارک سے ضرب لگانے اور تین بار یہ دعا کرنے کا واقعہ بھی نقل کرتے ہیں کہ اللھم اخرج مافی صدرہ من غل وابدلہ ایمانا (اے اللہ! ان کے سینہ میں سے کھوٹ نکال دیجئے اور اسے ایمان سے بدل دیجئے ۳۲۔

علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی کتاب صفۃ الصوۃ ۳۳۔ میں حضرت عمر کے احوال میں ان کے قبول اسلام اور دار ارقم کے حوالے سے صرف ایک جملہ لکھا ہے! اسلم ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدار التی فی اصل الصفا (وہ جمعرات کے روز اسلام لائے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان میں تھے جو صفا کی اصل میں واقع ہے)۔ حضرت صہیب و عمار کے ترجمہ میں ان کے قبول اسلام کے ضمن میں دار ارقم کا ذکر تک نہیں کیا اور حضرت ارقم کے احوال میں یہ بتایا ہے کہ ان کے مکان میں حضورؐ چھپے تھے، لوگوں کو دعوت اسلام دی تھی اور ارقم نے اس مکان کو وقف کر دیا تھا، بعد میں اسے عباسیوں نے خرید لیا تھا۔

حافظ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی ۶۳۰ھ اسلام کا عظیم و جلیل مؤرخ ہے اور ابن الاثیر برادران (تین بھائی تھے تینوں ابن الاثیر الجزری کہلاتے ہیں) میں بلند ترین مقام کے مالک ہیں، دار ارقم کے حوالے سے انہوں نے ایک ثقہ و مستند مؤرخ اسلام کے طور پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آگے آتا ہے، یہاں انہوں نے اپنے تذکرہ صحابہ کرام مسمی بہ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اس حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے، حضرت صہیب اور عمار بن یاسر کے احوال ۳۴۔ میں صراحت سے لکھا ہے کہ یہ دونوں بیک وقت دار ارقمؓ میں قبول اسلام سے مشرف ہوئے تھے اور عمار کے ترجمہ میں ۳۵۔ اس ملاقات اور مکالمہ کو اس تفصیل اور انہی الفاظ میں ان کی اپنی زبانی قبول اسلام کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ۳۶۔ ہے!

"خباب بن ارت ؓ نے کہا! ابن خطاب! تمہیں خوشخبری ہو کہ پیر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرتے سنا ہے آپ فرماتے تھے! اللھم اعزالاسلام باحب الرجلین الیک اما عمرو بن ہشام او عمر بن الخطاب، ہمیں امید ہے کہ قبول اسلام کی یہ دعائے نبوی آپ کے ہی حق میں قبول ہوئی ہے، اس لئے ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں، جب سب لوگوں کو میری صدق دلی کا یقین ہو گیا تو میں نے پوچھا بتاؤ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ تو سب نے جواب دیا! وہ کوہ صفا کے دامن والے مکان میں ہیں"

حضرت ارقم ؓ کے احوال میں ابن الاثیر کا یہ قول حافظ ابن عبدالبر مذکور کے بیان کی بازگشت معلوم ہوتی ہے مگر اس کا تقابلی مطالعہ ابن الاثیر کے آئندہ بیان بحیثیت مؤرخ و صاحب الکامل فی التاریخ کے ساتھ ہونا چاہئے، لکھتے ہیں!

"وھوالذی استخفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دارہ وھی فی اصل الصفا و المسلمون معہ بمکۃ لماخافوا المشرکین فلم یزالوا بھا حتی کملوا اربعین رجلا و کان آخرھم اسلاما عمر بن الخطاب فلما کملوابہ اربعین خرجوا یعنی یہ ارقم وہی ہیں جن کے مکان میں حضور ؐ چھپے تھے اور جو صفا کے نیچے مکہ میں واقع ہے، مسلمان بھی آپ کے ساتھ تھے کیونکہ وہ مشرکین سے ڈر گئے تھے، چالیس کی تعداد مکمل ہونے تک وہیں رہے سب سے آخری اسلام لانے والے عمر بن خطاب ؓ تھے جب چالیس ہو گئے تو باہر آ گئے"

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذھبی متوفی ۷۴۸ھ (۱۳۷۴ء) بڑے پائے کے محدث و مؤرخ ہیں، رواۃ حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی ثقاہت اور احتیاط کا جواب نہیں، عہد نبوی و خلافت راشدہ کو بیتے ہوئے سات طویل و مہیب صدیاں ہو چکیں تو وہ مطلع علوم اسلامیہ پر نمودار ہوئے اسلامی دنیا جابرہ امت کے پنجوں میں جکڑی ہوئی اور صلیب وہلال کے معرکوں سے نڈھال ہو چکی تھی، احترام آدمیت، مکمل آزادی رائے اور شورائیت کا علمبردار اسلامی نظام قصہ پارینہ بن چکا تھا اس لئے حافظ ذھبی حضرت ارقم ؓ کے احوال میں دار ارقم ؓ کے بارے میں ایک جملہ لکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں!

"وقد استخفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی دارہ وھی عندالصفا یعنی یہ ارقم وہ ہیں جن کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپ گئے تھے اور وہ صفا کے پاس واقع ہے"

حضرت عمار ؓ بن یاسر کا طویل تذکرہ لکھا ہے مگر ان کے قبول اسلام یا دار ارقم کے دروازہ

پر حضرت صہیب سے ان کی ملاقات اور تاریخی مکالمہ کا تو ذکر نہیں کیا، البتہ واقدی کے حوالے سے اتنا بتایا ہے کہ جب تیس سے زائد لوگ مسلمان ہو چکے تو صہیب ؓ اور عمار ؓ ایک ساتھ اسلام لائے تھے، لیکن حضرت صہیب رومی ؓ کے احوال کے ضمن میں لکھتے ہیں ۳۸ ۔!

"قال عمار لقیت صہیبا علی باب دار الارقم و فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخلنا فعرض علینا الاسلام فاسلمنا ثم مکثنا یوما علی ذلک حتی امسینا فخرجنا ونحن مستخفون یعنی عمار کہتے ہیں کہ دار ارقم کے دروازہ پر جب صہیب سے میری ملاقات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تھے، ہم آپ کے پاس اندر گئے، آپ نے ہمیں دعوت اسلام دی، ہم مسلمان ہو گئے ہم نے وہ دن اسی طرح وہیں گزارا جب شام ہوئی تو وہاں سے چھپتے ہوئے نکل پڑے تھے۔"

تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلے کی آخری کڑی حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ (۱۳۷۲ء) کی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ہے، وہ حضرت ارقم کے احوال کے ضمن میں حاکم کی متدرک کے حوالے سے صرف اتنا بتاتے ہیں ۳۹ ۔ کہ "وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دارہ التی عند الصفا حتی تکاملوا اربعین رجلا مسلمین و کان آخرھم اسلاما عمر فلما تکاملوا اربعین رجلا خرجوا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تھے جو صفا کے پاس تھا یہاں تک کہ چالیس آدمی مسلمان ہو گئے جن میں آخری حضرت عمر ؓ تھے جب چالیس ہو گئے تو باہر آ گئے۔

حضرت عمار و صہیب کے تذکروں میں ابن سعد کے حوالے سے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ یہ دونوں اس وقت اسلام لائے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تھے ۴۰ ۔

حضرت عمر کے ترجمہ میں ان دعوات نبوی کے الفاظ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جو ان کے قبول اسلام کے لئے آپ ؐ فرمایا کرتے تھے، جن میں سے یہ الفاظ بھی تھے کہ اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک ؛عمر بن الخطاب او بابی جہل بن ہشام (اے اللہ دونوں میں سے آپ پسندیدہ آدمی کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما، عمر بن خطاب ؓ یا ابو جہل بن ہشام) لیکن یہ دعائیں کہاں فرمائی گئیں اس کا ذکر نہیں کیا یا دار ارقم کا حوالہ صرف اس قدر آیا ہے کہ "وہ باہر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت حمزہ کے درمیان تھے اور وہ لوگ بھی جو دار ارقم میں چھپے ہوئے تھے!"

رابعاً! امام المؤرخین ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ (۹۲۳ء) نے جب اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ الرسل والملوک مرتب کی تو عباسیوں کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا اور

اسلامی تاریخ بہت سے موڑ مڑ چکی تھی مگر اس درویش صفت و جفاکش ستارہ علم و دانش کی عقابی نگاہوں سے کوئی گوشہ اور نشیب و فراز اوجھل نہ رہ سکا، طبری نے جس محنت شاقہ اور ہمت مردانہ سے کام لیتے ہوئے تاریخی مواد کو جمع کیا وہ قابل تحسین ہے، تاریخ طبری کی ورق گردانی ۴۱ ؎ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو جعفر طبری کو دار ارقم کی خصوصی اہمیت کا احساس ضرور ہے، چنانچہ وہ اس تاریخ ساز مکان میں آفتاب رسالت ؐ اور کاروان اسلام کے فروکش ہونے کو ایک نہایت اہم واقعہ اور سنگ میل تصور کرتا ہے، سابقین اولین مہاجرین کے قبول اسلام کو اس واقعہ سے قبل یا اس کے بعد کے حوالے سے ذکر کرتا ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں فروکش ہونے سے قبل کا واقعہ بتاتے ہوئے طبری اس کی تاریخ کا تعین کرتا ہے اسی طرح جعفر بن ابی طالب ؓ اور ابوالاعور سعید ؓ بن زید (حضرت عمر ؓ کے بہنوئی) کے قبول اسلام کے واقعات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں فروکش ہونے سے قبل وقوع پذیر ہوئے، طبری اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کرتا ہے کہ دار ارقم کو دعوت اسلامی کا مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا چنانچہ وہ دار ارقم میں حضور ؐ کی آمد کے ساتھ ساتھ وہاں دعوت اسلام کا سلسلہ شروع کرنے کا بھی تذکرہ کرتا ہے، قبل ان یدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار الارقم وقبل ان یدعو فیھا (یہ لوگ حضور ؐ کے دار ارقم میں فروکش ہونے اور اسے دعوت اسلام کا مرکز بنانے سے قبل اسلام سے مشرف ہوگئے تھے)۔

طبری اس بات کی بھی صراحت کرتا ہے کہ قبول اسلام میں حضرت ارقم ؓ کو ساتواں مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ ان کے بیٹے حضرت عثمان بن ارقم ؓ کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ میں ساتویں مسلمان کا فرزند ہوں، میرے والد اسلام قبول کرنے والے ساتویں آدمی تھے اور دار ارقم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے ۴۲ ؎ !

> "وکان دارہ علی الصفا، وھی الدار التی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فیھا فی اول الاسلام وفیھا دعا الناس الی الاسلام فاسلم فیھا قوم کثیر یعنی حضرت ارقم کا گھر کوہ صفا پر واقع تھا اور یہی وہ گھر ہے جہاں آغاز اسلام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے، یہیں پر آپ لوگوں کو دعوت اسلام دیا کرتے تھے اور یہاں پر بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔"

ابو جعفر کی یہ تصریحات بہت اہم ہیں اور دار ارقم کے تاریخ ساز کردار پر روشنی ڈالتی ہیں، ایک تو یہ کہ طبری کے نزدیک دار ارقم میں کاروان اسلام کا

فروکش ہونا کوئی معمول کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک تاریخ ساز مرحلہ تھا، یہ واقعہ عام الفیل کی طرح کا ایک مہتم بالشان واقعہ تھا جس کے حوالے سے مسلمان اپنی مکی تاریخ کے واقعات کا تعین اسی طرح کرتے تھے جس طرح طلوع اسلام کے وقت مکہ والے اپنی معاصر تاریخ کے واقعات کا تعین عام الفیل کے حوالے سے کرتے تھے، دوسری یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ دار ارقم کاروان اسلام کے لئے کوئی وقتی یا عارضی پناہ گاہ نہ تھی جہاں روپوش ہونے کی سہولت تھی بلکہ یہاں تو دعوت اسلام اور افراد امت کی تربیت کا کام بھی انجام پاتا تھا۔ اس دعوت و تربیت کے شرف سے وہ لوگ سرفراز ہوئے جو ہجرت نبوی سے قبل اسلام لائے اور سابقین اولین کے درجہ اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کے بعد آنے والے مؤرخین میں سے جس مؤرخ نے دار ارقم کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے اندراج سے اعراض نہیں کیا وہ ہیں ابو الحسن عزالدین علی بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ (۱۲۳۴ء) صاحب الکامل فی التاریخ اور اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ، بلکہ دار ارقم کے حوالے سے ابن اثیر طبری پر بھی سبقت و برتری حاصل کر گئے ہیں کیونکہ یوں لگتا ہے کہ علامہ محمد بن سعد کی طبقات کبریٰ پر اعتماد کرتے ہوئے ابن اثیر وہ تمام اشارات درج کر گئے ہیں جو دار ارقم کے متعلق بنیادی ماخذ کی حیثیت سے طبقات میں مذکور ہیں بلکہ ابن اثیر نے ایک ایسی وضاحت درج کی ہے جو نہ طبری کے ہاں ملتی ہے اور نہ ابن سعد کے ہاں، چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے حوالے سے ابن الاثیر لکھتے ہیں۔ ۴۳؎

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے گھر سے نکل پڑے، ان کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کا تھا، مسلمان بھی آپ کے ساتھ دار ارقم میں جمع تھے جو کوہ صفا کے پاس واقع تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان مسلمانوں میں سے تقریباً چالیس آدمی، مرد و زن موجود تھے جو ہجرت حبشہ کے لئے نہیں نکلے تھے۔"

حافظ ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ کا یہ اقتباس بہت اہم ہے اور کئی ایک اہم تاریخی وقائع کا تعین اور وضاحت کرتا ہے۔

۱۔ ایک تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہجرت

جبشہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد اسلام سے مشرف ہوئے۔

۲۔ جب وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دار ارقم میں اہل ایمان کی ایک جماعت موجود تھی جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی، اس میں مرد اور خواتین سب شامل تھے اور یہ تعداد ان بزرگان سلف کے علاوہ تھی جو ارشاد نبوی کے مطابق حبشہ چلے گئے تھے۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے نتیجہ میں جن اہل اسلام کو عزت اور جرأت میسر آئی اور وہ بیت اللہ شریف میں کھلے عام نماز ادا کرنے کے قابل ہوئے وہ یہی چالیس صحابہ کرامؓ تھے جو ہجرت حبشہ کے بعد مسلمان ہوئے یا ہجرت نہ کر سکے تھے۔

ابن الاثیر ابن سعد اور طبری کی طرح دار ارقمؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فروکش ہونے کو ایک اہم اور تاریخی واقعہ تصور کرتے ہیں مثلاً وہ حضرت واقد بن عبداللہؓ متوفی ۲۳ھ، مسعود بن ربیعؓ متوفی ۳۰ھ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے قبول اسلام کے متعلق یہ صراحت کرتے ہیں کہ وہ حضورؐ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ ۴۴۔

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے ضمن میں ابن الاثیر کا یہ جملہ بھی خصوصی معنویت کا حامل ہے ۴۵۔ "وہوالذی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یختفی فی دارہ بمکہ یعنی یہ ارقم وہی ہیں جن کے گھر واقع مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ رہا کرتے تھے۔"

ابن سعد اور طبری کے ہاں کان یکون فیہا رسول اللہؐ کے الفاظ تھے یہاں ان کی جگہ کان کے الفاظ آ گئے ہیں، اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ابن الاثیر کے عہد تک مقیم ہونے کی جگہ چھپ جانے کے تصور نے لے لی تھی، یہ تبدیلی قابل توجہ اور خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

حافظ ابوالفداء ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے بحیثیت سیرت نگار اور مفسر بھی اس موضوع پر قیمتی معلومات مہیا کی ہیں مگر مؤرخ اسلام کی حیثیت سے بھی انہوں نے دار ارقمؓ کے متعلق اہم باتیں کہیں ہیں، حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے فوری سبب کے ضمن میں یہ لکھا ہے کہ ۴۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے پاس ایک مکان کے باہر تشریف فرما تھے، ابو جہل لعین نے آپ سے تعرض کیا، اذیت پہنچائی گالیاں دیں اور دین اسلام کو برا بھلا کہا جو آپؐ کے لئے تکلیف کا باعث ہوا، اسی طرح حضرت ارقمؓ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ابن کثیر لکھتا ہے کہ "ان کا مکان مسلمانوں کے لئے ایک ماویٰ و ملجا تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش

میں سے اسلام قبول کرنے والے پناہ لیتے تھے، یہ کوہ صفا کے پاس تھا، بعد میں یہ خلیفہ مہدی کی ملکیت بن گیا اس نے یہ مکان اپنی بیوی خیزران کو ہبہ کر دیا جو خلیفہ موسیٰ الہادی اور ہارون الرشید کی ماں تھی، اس نے اسے از سر نو بنوایا اس لئے یہ اس کے نام سے مشہور ہو گیا، بعد میں دوسروں کی ملکیت ہو گیا۔"

تو یہ ہیں وہ تاریخی معلومات جو آٹھویں صدی ہجری کا مؤرخ ابن کثیر قلمبند کر رہا ہے۔

گویا!

۱۔ ابن کثیر اس بات سے بھی آگاہ نہیں کہ دار ارقم آل ارقم کی ملکیت سے نکل کر سب سے پہلے دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی ملکیت میں آیا تھا۔

۲۔ دار ارقم ایک پناہ گاہ تھی جہاں اہل اسلام آکر پناہ لیتے تھے، دعوت اسلام یا تعلیم و تربیت اور وعظ و نصیحت کا مرکز ہونے کا علم ابن کثیر کو نہیں ہے۔ سب سے آخر میں تحقیق پسند مؤرخ اسلام علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ (۱۴۰۷ء) کا بیان سنتے ہیں جو حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۴۷؎ "ارقم بن عبد مناف بن اسد بن عبداللہ مخزومی رضی بدری صحابی ہیں اسلام کے پھیلنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان خفیہ طور پر ان کے گھر میں اکٹھے ہوا کرتے تھے" (کان یجتمع بدارہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون سرا قبل ان یفشوا الاسلام)۔

ابن خلدون کے نزدیک بھی دار ارقم کی اہمیت اتنی ہی تھی اور اس نے حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے مشہور واقعہ یا حافظ ابن الاثیری کی الکامل فی التاریخ کے اس بیان کو بھی قابل اعتناء نہیں سمجھا کہ ہجرت حبشہ کے بعد بھی یہاں چالیس کے قریب مسلمان مقیم تھے اور یہ اسلام کے پھیلنے سے قبل کی بات بھی نہیں ہے۔

خامساً! مکہ مکرمہ کی تاریخ کو سب سے پہلے ضبط تحریر میں لانے کا شرف علامہ ابو الولید محمد بن عبداللہ الازرقی متوفی ۲۲۳ھ کے حصہ میں آیا، ان کی کتاب اخبار مکہ دار ارقم کے متعلق بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، بعد میں آنے والے مؤرخ اور تذکرہ نگار سب کے سب اس کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں، دار ارقم کے متعلق اولین اور مستند معلومات جمع کر دینے میں ازرقی کو وہی حیثیت حاصل ہے جو سیرت طیبہ اور تراجم صحابہؓ کے ضمن میں ابن سعد کو حاصل ہے امام ابو الولید الازرقی رحمۃ اللہ علیہ، نے دار ارقم اور مکہ مکرمہ کے دیگر مقامات و مشاہیر اور آثار و مناسک کے متعلق اپنی شہرہ آفاق کتاب اخبار مکہ و ما جاء فیہا من الآثار ۴۸؎ میں جو معلومات ازرقی نے درج کی ہیں وہ اولیت کا شرف پانے کے علاوہ مستند و مفصل بھی ہیں، چنانچہ وہ دار ارقمؓ کے متعلق

تفصیلی معلومات مہیا کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۴۹۔

"ربع (حویلی محلہ اور ڈیرہ) آل ارقم بن ابی ارقم (اور ابو ارقم کا نام عبد مناف بن ابی جندب اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم ہے) اب بھی صفا کے قریب موجود ہے جو دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے، اس حویلی کے اندر مسجد ہے جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں، یہ مسجد پہلا گھر تھا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی آنکھوں سے اوجھل یکسو ہو کر رہتے تھے، یہاں پر آپ ؐ اور آپ ؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس اکھٹے ہوا کرتے تھے، آپ انہیں قرآن کریم پڑھاتے تھے اور ان کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی یہیں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔"

بعد میں دار ارقم میں جو تغیر و تبدل ہوا اور یہ مکہ مکرمہ کے متبرک مقامات میں شمار ہونے لگا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ابو الولید الارزقی ۵۰۔ لکھتے ہیں! "ارقم بن ابی ارقم مخزومی کے مکان میں ایک مسجد ہے جو کوہ صفا کے پاس ہے اور جسے اب دار الخیزران کہتے ہیں، یہ ایک گھر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں یکسو ہو کر تشریف فرما ہوئے تھے۔"

ازرقی کا یہ بیان ۵۱۔ ظاہر کرتا ہے کہ دار ارقم کو دار خیزران بناتے وقت از سر نو تعمیر کیا گیا تھا! دار ارقم وتسمی الیوم دار الخیزران بجانب الصفا و کانت تسمی ایضا المختبأ و دار الخیزران حول ہذا المختبی، وحد المعلا من شق مکہ الایمن ما جازت دار الارقم بن ابی الارقم یعنی دار ارقم جسے اب دار خیزران کہتے ہیں، صفا کے پاس واقع ہے، اسے مختبا بھی کہا جاتا ہے، دار خیزران اس مختبی کے ارد گرد ہے معلات یعنی مکہ مکرمہ کے قبرستان کی حدود یوں ہیں کہ یہ مکہ مکرمہ کے دائیں پہلو سے ہو کر دار ارقم بن ابی ارقم کے پاس سے آگے تک ہے۔"

جمال الدین محمد جار اللہ بن ظہیرہ القریشی المخزومی المتوفی ۹۷۷ھ کی الجامع اللطیف فی فضل مکہ و بناء البیت الشریف ایک مختصر تاریخ مکہ ہے جو سنہ ۹۵۰ھ میں لکھی گئی وہ دار ارقم کا تذکرہ دو جگہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ۵۲۔

"دار ارقم بن ابی ارقم مخزومی جو اب دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے اور کوہ صفا کے پاس ہے، یہاں مقصود زیارت وہ مسجد ہے جو اس گھر میں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آغاز اسلام میں یہاں چھپتے رہتے تھے (کان مختبأ فیہ فی مبداء الاسلام) یہیں پر عمرؓ بن الخطاب اور حمزہؓ بن عبدالمطلب وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہیں سے اسلام ظاہر و غالب ہوا اور یہیں پر صحابہ کرام ؓ کا اجتماع ہوا کرتا تھا، اس لئے اس کے فضائل بہت ہیں، اس میں یہ مسجد خیزران نے بنوائی تھی

جو مہدی عباسی کی لونڈی تھی یہاں مغرب و عشاء کے درمیان قبولیت دعا کا مقام وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ ؐ یکسو ہوا کرتے تھے۔"

قبیلہ بنو مخزوم کے چشم و چراغ ابن ظہیرہ جیسا جلیل القدر عالم دسویں صدی ہجری میں مکہ مکرمہ کی تاریخ لکھ رہا ہے تو اس کے نزدیک اب دار ارقم کا مقام و مرتبہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ۔

۱۔ وہ دار خیزران کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس میں خیزران کی بنا کردہ متبرک مسجد ہے جس میں حضورؐ کے چھپنے والی جگہ اگر دعا مانگی جائے تو قبول و مستجاب ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت عمر و حمزہ رضی اللہ عنہما یہاں پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

۳۔ اسلام کا غلبہ و ظہور بھی اس سے وابستہ ہے۔

۴۔ صحابہ کرام ؓ کے یہاں اجتماعات ہوتے تھے۔

مکہ مکرمہ کی تاریخ مرتب کرنے والوں کا اولین ماخذ چونکہ ابوالولید ازرقی کی کتاب رہی ہے، اس لئے بعد زمانی کے باوجود بھی اس نوع کی تصانیف میں دار ارقم کا تاریخی کردار چھپانے سے بھی نہیں چھپتا، ابن ظہیرہ کے عہد میں دار ارقم اگرچہ دار خیزران بن چکا تھا مگر بایں ہمہ اس تاریخ ساز حویلی سے اسلام کے غلبہ و ظہور کی وابستگی اور یہاں اہل ایمان کے اجتماعات کا تذکرہ چار و ناچار ہو ہی جاتا رہا ہے۔

قطب الدین محمد بن احمد نہروالی لاہوری مکی متوفی ۹۸۸ھ دار ارقم کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۵۳۔

"مکہ مکرمہ کے متبرک مقامات زیارت میں سے دار الخیزران بھی ہے جو صفا کے قریب ہے اور پہلے دار الارقم المخزومی کہلاتا تھا پھر دار الخیزران مشہور ہو گیا، مختبا والی جگہ مکہ مکرمہ میں موجود تمام مقامات سے افضل ہے مگر اس کا مقام ام المومنین سیدہ خدیجہ ؓ کے مکان کے بعد ہے کیونکہ یہاں حضور ؐ نے بہت وقت گزارا تھا اور اسلام کی دعوت دیتے رہے تھے، کفار قریش کے شریر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر یہ باتیں تقی الفاسی نے شفاء الغرام میں ذکر کی ہیں، بعض علماء نے یہاں دعا مانگنے کے وقت کا بھی تعین کیا ہے اور کہا ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان یہاں دعا قبول و مستجاب ہوتی ہے، اس (دار ارقم) میں مختبا یعنی چھپنے کی جگہ ایک قبہ بنا ہوا ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے پوشیدہ رہتے تھے، یہیں پر تمام ایمان لانے والے

آپ کے پاس جمع ہوتے تھے آپ ؐ انہیں خفیہ پانچ وقتی نماز پڑھاتے تھے (حالانکہ نماز پنجگانہ تو معراج کی رات فرض ہوئی جو اس کے بعد کا واقعہ ہے) یہاں تک کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، تو آپ نے اپنے اسلام اور ادائے نماز کا اعلان فرما دیا اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و وقار بخشا، دار الخیزران دراصل ان کمروں سے عبارت ہے جو مختبا کے گرد بنے ہوئے ہیں، ہارون الرشید کی والدہ خیزران نے جب حج کیا تھا تو اسے خرید کر اپنی ملکیت میں لے لیا تھا پھر مختلف ملکیتوں سے گزرتا ہوا اب سلطان ملک مظفر منصور اعظم مراد خاں اکبر وافخم کی مملکات میں شامل ہو گیا ہے۔"

نہروالی کے اس بیان سے ایک نئی بات یہ سامنے آتی ہے کہ دار ارقم عثمانی سلطان ترکی مراد خان کی ملکیت میں بھی رہا مگر پانچ وقتی نماز کی ادائیگی کی بات محض تسامح اور تعسف ہی کہا جائے گا، اسی طرح یہ بات بھی محل نظر ہے کہ دار ارقم خیزران والدہ ہارون الرشید نے خود خریدا تھا، خفیہ طور پر پانچ وقتی نماز کی امامت بھی دلچسپ اضافہ ہے جو حیرت کا باعث بھی ہے۔

تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المکی متوفی ۸۳۲ھ دار ارقم کو مکہ مکرمہ کے متبرک مقامات میں شمار کرتے ہوئے لکھتا ہے ۵۴۔

"ان میں سے ایک دار الارقم المخزومی ہے اور یہی بعد میں دار الخیزران کہلایا جو صفا کے پاس واقع ہے، یہاں مقصود زیارت وہ مسجد ہے جو اس میں بنی ہوئی ہے، وہ بہت مشہور ہے اور ان مساجد میں سے ہے جن کا تذکرہ الازرقی نے کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپے ہوئے تھے، یہیں عمر بن الخطاب ؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، غالباً دار خدیجہ بنت خویلد ؓ کے بعد مکہ مکرمہ کے تمام مقامات میں سے یہ جگہ سب سے افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بہت زیادہ مقیم رہے اور پوشیدہ طور پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، مگر یہاں پر حضور ؐ کا قیام دار خدیجہ ؓ میں قیام سے کم تر تھا، اس لئے دار خدیجہ ؓ اس جگہ سے افضل و برتر ہے۔"

فاسی نے مسجد کی لمبائی چوڑائی کی پیائش کا ذکر بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہاں پر جو کتبہ ہے اس پر ایک تو یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

"فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال ۵۵۔
اور پھر یہ عبارت لکھی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختبا (چھپنے کی

جگہ) اور دار الخیزران ہے اس میں اسلام کا نقطہ آغاز ہوا تھا، اس کی تجدید کا حکم اللہ تعالیٰ کی محتاج بندی امیر الملک مفلح کی آزاد کردہ لونڈی نے سنہ چھ (آگے تاریخ مٹی ہوئی ہے) میں دیا تھا، وزیر الجواد نے بھی اسے آباد کرایا تھا، پھر ایک مجاورہ مرہ الصماء نے بھی اس کی تعمیر کا کام کرایا پھر کسی نے ۸۲۱ھ میں بھی اس کی عمارت کی تجدید کرائی، اس کے اخراجات کے متولی اس وقت علاء الدین علی بن ناصر محمد بن الصلارم المعروف ثائر تھے۔"

تقی الفاسی کی تاریخ مکہ کے متعلق متعدد دوسری کتابوں میں سے ایک العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ۵٦ ۔ بھی ہے، اس میں دار ارقم کا مختصر ذکر ہے مگر یہ جملہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے کہ " وھناک اسلم جماعہ من جملہ الصاحابہ منھم عمر الفاروق رضی اللہ عنھم " یعنی یہاں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا جن میں سے حضرت عمر فاروقؓ بھی ہیں۔

سادساً! قرآن کریم نے مطالعہ فطرت کی جو عادت دی ہے اور روئے زمین کی عبرتوں سے بہرور ہونے کی جو تلقین کی ہے، اس نے ملت اسلامیہ میں سینکڑوں علوم کو جنم دیا، ان علوم میں سے ایک وہ ذخیرہ معلومات بھی ہے جو ہمارے جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے جمع کیا ہے، قدیم دنیا کے اماکن اور بلدان کی تاریخ تک رسائی مقصود ہو تو آج سوائے عربی زبان میں کتب جغرافیہ و سیاحت کے اور کوئی وسیلہ یا ماخذ دنیا میں موجود نہیں ہے،

لیکن دار ارقم کے حوالے سے جب ان جغرافیائی و سیاحی مآخذ سے رجوع کیا جاتا ہے تو سخت مایوسی ہوتی ہے، مکہ مکرمہ اور اس کی گھاٹیوں اور محلوں کے متعلق بہت سے جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے معلومات جمع کی ہیں مگر دار ارقم کے متعلق سب نے مایوس کیا ہے، ادر یسی ناصر خسرو اور ابن بطوطہ نے اپنے اپنے سفرناموں میں حج و زیارت حرمین کے متعلق کافی مفید معلومات درج کی ہیں مگر دار ارقم کا انہوں نے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

البتہ سرزمین سندھ کے ایک نامور عالم مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی نے بذل القوہ میں اور مصری دانشور محمد لبیب بتنونی نے الرحلہ الحجازیہ میں اپنے سفر حج کے متعلق جو تفاصیل دی ہیں ان میں دار ارقم کے متعلق بھی کچھ مفید باتیں درج ہیں، ان کا مفصل ذکر گزشتہ ابواب میں چونکہ گزر چکا ہے، اس لئے یہاں تکرار سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

سابعاً! کتب تفسیر میں آیات شوریٰ (سورت آل عمران و سورت شوریٰ) کی تشریح اور تفسیر کے ضمن میں بعض ایسی مفید معلومات ہیں جو دار ارقم کے تاریخ ساز کردار پر روشنی ڈالتی ہیں، ان معلومات کا مفصل مطالعہ ایک مستقل باب کا تقاضا کرتا ہے اور اگلا باب یہی تقاضا پورا کرتا ہے۔

دار ارقم کے مآخذ و مصادر کا مفصل تجزیاتی مطالعہ

۱ = تاریخ التراث العربی ۱/۸۷ - ۹۱، نقوش رسول نمبر ۱۱/۱

۲ = سیرۃ ابن اسحاق (اردو ترجمہ نقوش رسول نمبر ۱۱/ ۱۹۳

۳ = کتاب المغازی بامداد فہارس ۴ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۱۶

۵ = دلائل النبوۃ ۴/۳۲۵ ۶ = ایضاً

۷ = حلیۃ الاولیاء ۱/۹۲ - ۹۵ ۸ = ایضاً ۱/۴۰

۹ = ایضاً ۱/۴۱ ۱۰ = السیرۃ الحلبیہ ص ۲۸۲ - ۲۸۳

۱۱ = ایضاً ۱۲ = ایضاً ص ۲۳۰

۱۳ = شرح المواہب اللدنیہ ۱/۲۷۳، ۲۷۴ ۱۴ = ایضاً

۱۵ = ایضاً، سورت انفال آیت ۶۴ ۱۶ = سیرۃ النبی ؐ ۱/۲۲۵

۱۷ = حیات محمد ؐ ص ۱۸۲ ۱۸ = رسول اللہ ؐ فی القرآن الکریم ص ۱۳۹

۱۹ = ثورۃ الاسلام و بطل الانبیاء ص ۴۱۹

۲۰ = نور الیقین ص ۵۷، عبقریہ محمد ؐ ص ۲۵ - ۲۷، سیرۃ الرسول ؐ ص ۲۲۳، دراسۃ فی السیرۃ ص ۶۸

۲۱ = دیکھئے جوامع السیرۃ از ابن حزم ۲۲ = مستدرک ۲/۱۱۵، ۲۷۳،

۲۳ = ایضاً ۲۴ = مستدرک ۲/۲۷۳

۲۵ = طبقات ۳/۲۷۳ ۲۶ = ایضاً

۲۷ = ایضاً ۲۸ = طبقات ۳/۱۱۵، ۲۷۳، ۴۲۵

۲۹ = ایضاً ۳۰ = الاستیعاب ۳/۱۲۷

۳۱ = ایضاً ۳۲ = ایضاً

۳۳ = صفۃ الصفوۃ ۳/۱۲۵ ۳۴ = اسد الغابہ ۳/۳۲۵

۳۵ = ایضاً ۳۶ = ایضاً

۳۷ = سیر اعلام النبلاء ۸/۳۱۵ ۳۸ = ایضاً

۳۹ = الاصابہ ۳/۱۷۷ ۴۰ = ایضاً

۴۱ = تاریخ طبری ۱/۲۰۵۵، ۳/۲۲۵۷ ۴۲ = ایضاً ۳/۲۲۳۰

۴۳ = الکامل فی التاریخ ۱/۸۵ ۴۴ = ایضاً ۳/۷۸، ۱۱۶، ۱۸۵

۴۵ = ایضاً ۳/۵۰۲ ۴۶ = البدایہ والنہایہ ۳/۳۳، ۸/۱۷

۴۷ = کتاب العبر ۲/۶۷۴ - ۶۷۵ ۴۸ = اخبار مکہ ۱/۲۶۰

۴۹ = ایضاً ۵۰ = اخبار مکہ ۲/۲۰۰

۵۱ = ایضاً ۲/۲۶۶ ۵۲ = الجامع اللطیف ص ۳۳۰، ۳۴۰، ۳۵۴

۵۳ = الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۴۴۰ ۵۴ = شفاء الغرام باخبار البیت الحرام ۱/۲۷۴

۵۵ = سورت النور آیت ۳۶ ۵۶ = العقد الثمین ۱/۹۸ - ۹۹

امرھم شوریٰ اور دار الشوریٰ

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ طلوع آفتاب رسالت محمدی ؐ انسانی تاریخ کا ایک ایسا مرحلہ ہے جو فیصلہ کن ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال اور بے نظیر بھی ہے، بعثت محمدی ؐ سے وقت کے اس بحر ناپیدا کنار میں جو تلاطم پیدا ہوا اس نے نہ صرف یہ کہ تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا بلکہ اس زوردار تلاطم سے پیدا ہونے والی لہریں دور دور تک پھیلتی چلی گئیں اور آج بھی پھیلتی چلی جا رہی ہیں، نگاہ حقیقت بیں و حق شناس ان لہروں کی اٹھان اور آن بان کو آج بھی دیکھ سکتی ہے، حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے یہی کچھ مشاہدہ کرنے کے بعد تو کہا تھا۔

لہ ہمم لا منتہی لکسارہا

وہمتہ الصغریٰ اجل من الدھر

ترجمہ: آپ ؐ کی ہمتیں اور عزائم بے شمار ہیں، ان میں سے بڑی ہمتوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں، آپ کی تو سب سے چھوٹی ہمت بھی زمانے بھر کی ہمتوں سے بڑی ہے۔

وقت کی رفتار اور کردار پر طلوع آفتاب رسالت کی تاثیر کا جادو ایک ایسا جادو ہے جو حقیقت بیں و حق شناس مغربی مفکرین کے سر چڑھ کر بھی بول رہا ہے، مائیکل ہارٹ جیسا مغربی مفکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لحاظ سے دنیا کا کامیاب ترین اور تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والا قائد و مصلح یونہی تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہوا بلکہ یہ وہ سچائی ہے جو علم کی روشنی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اقرا سے شروع ہونے والی وحی ربانی کی حقیقت کو اور بھی آشکارا کرتی چلی جائے گی۔

تاریخ رسل ؑ و انبیاء میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بلاشبہ ایک لاثانی اور فیصلہ

کن مرحلہ ہے، یہیں پر ہدایت ربانی کا سلسلہ تکمیل و اختتام کے مرحلے کو پہنچتا ہے، یہیں عرش اور فرش کے روابط نے پختگی اور دوام پایا، یہیں سے دین و دنیا کے توازن سے زندگی کو استحکام نصیب ہوا، اسی سے انسان پر حسنات دنیا اور حسنات آخرت کی ترتیب اور اہمیت پوری طرح واضح ہوئی، اسی نے عصمت نبوت اور تحفظ رسالت کا سامان کیا۔ اسی مرحلے میں تو اقرا کے پیغام حق نے علم کو نور اللہ، انسان کا فریضہ اور اس کے لئے حقیقی سرمایہ عزت قرار دیا جو عظمت و احترام آدمیت کی حقیقی منزل، مسجود ملائک ہونے کی شرط اول اور ایمان کی ہم پلہ نعمت ہے، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین حق ہی ہے جو انسان کی حقیقی عظمت علم سے وابستہ کرتا ہے۔

لیکن رسول عربیؐ کا عظیم الشان کارنامہ اور ان کی لائی ہوئی شریعت کا ایک نمایاں ترین امتیاز یہ ہے کہ اس نے نئی مگر اصلی و حقیقی اخلاقی اقدار کو جنم دیا جو معاشرتی اقدار میں انقلاب ثابت ہوئیں۔ انما بعثت معلماً (میں تو سکھانے والا ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں) اور انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق و محاسن الاعمال (مجھے تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ بلند اخلاق اور حسن اعمال کی تکمیل کر چھوڑوں) کا اعلان فرمانے والے رسول عربیؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا، انسان کا اصل فریضہ منصبی، مقصد تخلیق اور مدعائے زندگی یہ بتایا کہ انسانیت کی آزادی کا تحفظ کیا جائے اور اسے بھوک اور افلاس سے نجات دلائی جائے، اس تحفظ اور نجات کا مستحق ہر فرزند آدم ہے، اس میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں ہے، چنانچہ اخوت و مساوات اور وحدت نسل انسانی کے درس محمدیؐ نے ہر قسم کے فروق و امتیازات کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا، فضیلت و عظمت کا معیار صرف یہ اصول قرار پایا کہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کامل و یکتا ہو وہی افضل و برتر ہے، وہی سب سے بڑا متقی ہے، اسی کو آج کی زبان میں اہلیت و صلاحیت (میرٹ) کہتے ہیں۔

مگر آفتاب رسالتؐ کے طلوع ہونے سے انسانیت کو جو سب سے بڑا سبق ملا اسے اپنے پرائے سب فراموش کئے بیٹھے ہیں حالانکہ اس سب سے بڑے سبق اور عظیم ترین درس محمدیؐ کے بغیر انسانیت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر بڑھے گی تو غلط سمت میں جا نکلے گی، آج کی دنیا کے فساد کی جڑ یہی ہے کہ اس سبق کو فراموش کر دیا گیا ہے دار ارقمؓ میں انجام پانے والا یہ درس اعظم کیسے یاد رہتا لوگ تو خود کاروان اسلام کی اس منزل اولین کو ہی فراموش کر بیٹھے، یہ تو سب مان چکے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جو انقلاب بپا ہوا وہ بے مثال و بے نظیر تھا مگر یہ جاننے کی کسی کو فکر نہ ہوئی کہ یہ عظیم الشان انقلاب جس نے دنیا کا رخ موڑ دیا اور تاریخ کا دھارا بدل دیا وہ پیدا کیسے ہوا؟

بعثت محمدیؐ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام تاریخ رسالت و نبوت میں واقع ہونے والی دو

مفسرین نے بھی مکی عہد نبوت کو کس طرح کم کم قابل اعتناء تصور کیا ہے یا ان تک معلومات پہنچ ہی نہیں سکیں۔

امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ (۹۲۳ء) نے اپنی کتاب تاریخ میں دار ارقمؓ کو غیر معمولی اہمیت دی ہے (جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں) سورہ الشوریٰ کی آیت وامرھم شوریٰ بینھم کی تاویل و تفسیر کے ضمن میں وہ دار ارقمؓ کے دار الشوریٰ ہونے کا ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف یہ کہتے ہیں ۱۔ یقول اذا حزبھم امر تشاوروا بینھم یعنی اس ارشاد بانی کا مقصود یہ ہے کہ جب ان اہل ایمان کو کوئی معاملہ مشکل میں ڈالتا ہے تو وہ باہم مشورہ کرتے ہیں، یہ وصف اگرچہ مطلق ہے اور مکی عہد کے سابقین اولین کے ان نو اوصاف میں سے ایک ہے جو اس سورہ کی ان آیات میں بیان ہوئے ہیں لیکن امام طبری بھی بعض دیگر علمائے تفسیر کی طرح یہ وصف ان انصار مدینہ کے لئے مختص سمجھتے ہیں جو عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں اسلام سے مشرف ہوئے تھے اور "یثرب میں نماز ادا کرتے تھے حالانکہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے اور اپنے معاملات باہم مشاورت سے طے کرتے تھے جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود نہ تھے۔" ۲۔

لیکن سورہ آل عمران کی آیت ایک سو انسٹھ کی تاویل و تشریح کے ضمن میں امام ابو جعفر طبری ۳۔ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے اسلام کے شورائی جمہوری نظام پر بھی روشنی پڑتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کے لئے جو عملی تربیت دی ہے اس کی حدود و اہمیت بھی واضح ہوتی ہے، اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ کی شریعت انسانی ذہنوں کی آراء و مشاورت اور امور حکومت و نظام حیات میں انسانوں کی براہ راست مشارکت کو کس قدر مقدس و برتر تصور کرتی ہے اور یہ بھی کہ یہ مشاورت و مشارکت کس رنگ و کس انداز میں مطلوب ہے تاکہ سفید انسان کے جمہوری پارلیمانی یا صدارتی نظام سے یہ اسلام کا شورائی نظام منفرد و ممتاز ہو سکے۔ ابن جریر لکھتے ہیں ۴۔

> "اس بارے میں اہل تفسیر و تاویل کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کرامؓ سے کس لئے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ اور وہ کون سا معاملہ ہے جس کے متعلق حضورؐ کو صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

اس کے بعد طبری نے علمائے تفسیر کے تین گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جو اس ضمن میں مختلف احوال و آراء رکھتے ہیں اور سب سے آخر میں اپنی ذاتی رائے دی ہے، یہ ایک بے حد دلچسپ اور

تبدیلیوں کی حامل ہے اور یہی دو تبدیلیاں اس انقلابی تغیر کی نقیب ہیں جس نے تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا تھا۔

۱۔ پہلی نبوتوں میں دین ایک عقیدہ اور ایک عبادت سے عبارت تھا، عقیدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عبادت یہ کہ اس اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے سربسجود ہو جاؤ کہ یہی جن وانس کی تخلیق کا مقصد ہے مگر بعثت نبوی اور شریعت محمدیؐ سے دین ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر اور ہمیشہ وسعت پذیر تحریک قرار پایا، عقیدہ، عبادت، عملی زندگی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی اقدار اور انسان کی فکری روش میں تبدیلی کا نام دین ٹھہرا۔ اسلام پوری زندگی میں مکمل تبدیلی کا نام قرار پایا۔

۲۔ دین چونکہ ایک تحریک قرار پایا اور کوئی تحریک ایسے تربیت یافتہ کارکنوں کی محتاج ہوتی ہے جو آگے بڑھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں اور اس تحریک کی کامیابی کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا عزم بالجزم بھی رکھتے ہوں، ایسے کارکن خودرو نہیں ہوتے بلکہ یہ تو تیار کرنے پڑتے ہیں، اسی لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ دین کو ہمہ جہت ہمہ گیر اور ہمیشہ وسعت پذیر قوت کی حیثیت سے پروان چڑھانے کے لئے افراد تیار کئے، ان کی تعلیم و تربیت فرمائی، تزکیہ نفوس اور میدان عمل کے لئے فولادی عزم والی ناقابل تسخیر قوت بنا دیا، یہ تربیت آپؐ نے مکی عہد میں دار ارقمؓ میں فرمائی، مکہ کے لوگوں کے پاس دار الندوہ تو تھا بلکہ ہر محلے میں نادی یا پنچائت گھر تو موجود ہوتا تھا اور اس دار الندوہ اور ان نوادی سے معاشرتی اعمال توانجام پاتے تھے اور مشاورت بھی ہوتی تھی مگر نہ تو اس مشاورت کا دائرہ اتنا وسیع تھا جتنا دار ارقمؓ میں وسیع کیا گیا۔ اور نہ اس کام کے لئے تمام لوگوں کی تربیت ہوتی تھی بلکہ عملی زندگی کے کسی پہلو کے متعلق کوئی تربیت ہی نہیں دی جاتی تھی جب کہ دار ارقمؓ میں ہر رکن تحریک کی ہمہ پہلو تربیت ہوتی تھی۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ مکی وحی ربانی کی سورت شوریٰ کی آیت وامرھم شوریٰ کی تفسیر و تشریح میں مفسرین کرام نے کیا کچھ فرمایا ہے، ان کے ان ارشادات سے مکی عہد کے شورائی جمہوری نظام پر کیا روشنی پڑتی ہے اور ان ارشادات سے دار ارقمؓ کے دار الشوریٰ ہونے کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہے یا نہیں اور مختلف ادوار کے مفسرین نے اس منظر کو کس کس نگاہ سے دیکھا ہے، اس مقصد کے لئے یہ مستقل باب باندھا گیا ہے اور اس میں وامرھم شوریٰ والی آیت شوریٰ کے ساتھ وشاورھم فی الامر والی آیت آل عمران کا مشترکہ اور جامع مطالعہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے، اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مترادف مورخین کی طرح

مفید مطالعہ ہے۔

۱= علمائے تاویل و تفسیر کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ "وشاورھم فی الامر" کے ارشاد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ؐ کو اپنے صحابہ کرام ؓ سے جنگی چالوں اور دشمن کا سامنا کرنے کے متعلق مشاورت کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ ان کی دلجوئی کا سامان ہو اور وہ دلی طور پر آپ سے خوش اور مطمئن ہوں، ان کے دلوں میں اپنے دین سے الفت پیدا ہو اور وہ یہ محسوس کریں کہ آپ ؐ ان کی بات سنتے ہیں اور ان سے مدد لیتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کے معاملات کو سنوارنے، آپ ؐ کو حکمت سکھانے اور عملی وسائل کو درست فرما کر ہر طرح سے آپ ؐ کو مشاورت انسانی سے بے نیاز کر دیا تھا، یہ رائے دینے والے علماء میں سے ایک حضرت قتادہ ؒ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاملات میں صحابہ کرام ؓ سے مشورہ لینے کا جو حکم دیا ہے حالانکہ آپ پر وحی ربانی بھی نازل ہوتی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مشاورت لوگوں کے دلی اطمینان اور خوشی کا باعث ہے ۵۔ اور لوگ جب نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے سے مشورہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی صحیح صحیح رہنمائی کرے گا، الربیع کی بھی یہی رائے ہے، ابن سحاق بھی اس گروہ میں شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وشاورھم فی الامر کے حکم کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان پر یہ ظاہر کریں کہ آپ ان کی سنتے ہیں۔ ان سے مدد لیتے ہیں۔ اگرچہ آپ ان سے بے نیاز ہیں۔ مگر اس اقدام سے آپ ؐ ان کے دلوں میں دین کی الفت پیدا کریں گے ۶۔

۲ = علمائے تفسیر کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ آپ کو مشاورت کا یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کے علم میں ہے کہ مشاورت کا بڑا درجہ اور فضیلت ہے اس لئے اس پر عمل ہونا چاہیے حالانکہ حضور ؐ کی رائے بلند ترین تھی اور تدبیر امور میں آپ کی سوچ بھی درست ترین تھی، اس گروہ علماء میں الضحاک بن مزاحم اور امام حسن بصری بھی شامل ہیں جن کا قول ہے کہ ماشاور قوم قط الاحدوا الی ارشد امورھم (یعنی جب کبھی بھی کسی قوم نے مشاورت کی راہ اختیار کی تو وہ اپنے معاملات میں سب سے زیادہ سیدھا راستہ پا لے گی ۷۔

۳ = اہل علم کا تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ آپ ؐ کو صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کا حکم اس لئے دیا گیا ہے، حالانکہ آپ ان کے مشوروں سے بے نیاز تھے، تاکہ اہل ایمان مشکل معاملات میں آپ کا اتباع کرتے ہوئے شورائیت کو اپنائیں، آپ کی سنت پر عمل کریں اور آپ کے نمونہ کی تقلید کریں، اتنے عظیم مرتبہ و منزلت کے باوجود آپ صحابہ کرام ؓ کی مشاورت پر عمل کرتے

تھے اسی لئے دین اور دنیا کے امور میں آپ کے صحابہ ؓ اور تابعین آپ کی پیروی کرتے، باہم مشورہ کرتے اور پھر متفقہ فیصلے صادر کرتے تھے کیونکہ مومنین جب اپنے معاملات میں باہم مشاورت سے کام لیں گے اور حق بات کہیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی مہربانی سے انہیں اصابت رائے کی توفیق عطا فرمائیں گے، ان علماء کے نزدیک اس حکم کی ایک نظیر "وامرھم شوریٰ بینھم" والی آیت ہے جس میں مشاورت سے کام لینے والے اہل ایمان کی مدح اور ستائش کی گئی ہے علماء کے اس گروہ میں حضرت سفیان بن عیینہ کا نام نمایاں ہے۔ ۸۔

یہ آراء ذکر کرنے کے بعد امام ابو جعفر طبری اپنی ذاتی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں ۹۔ کہ!

"اس سلسلہ میں قرین صواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کا حکم دیا ہے تاکہ دشمن کا سامنا کرنے یا جنگی چالوں کے لئے آپ ﷺ صحابہ ؓ سے مشورہ کریں اور جو لوگ دین اسلام کی وہ بصیرت نہیں رکھتے جس کے طفیل شیطانی فتنہ پر غلبہ حاصل کیا جاتا ہے وہ بھی اس دین سے مانوس ہو جائیں، اور یہ بھی کہ آپ امت کو اس بات سے متعارف کرانا چاہتے ہیں کہ آپ کے بعد جو مشکل معاملات درپیش ہوں گے ان میں آپ کی اقتداء کرتے ہوئے باہمی مشاورت کے نظام کو اسی طرح اپنائیں گے جس طرح آپ اپنی دنیاوی زندگی میں اپنائے ہوئے تھے وحی والہام کے ذریعہ مشکلات کا درست حل معلوم ہو سکنے کے باوجود بھی آپ نظام مشاورت کو اولیت دیتے تھے، اس لئے اگر اہل ایمان صدق دل سے حق کی پیروی کرتے ہوئے، آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے درست فیصلہ کی نیت کریں گے اور ہوا و ہوس کی طرف مائل ہوئے بغیر غیر جانبداری سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں حق رائے اور درست سمت کے لئے ضرور توفیق بخشے گا۔ ۱۰۔

امام ابو جعفر طبری کی یہ رائے اور علمائے تفسیر کے نقل کردہ تفسیری مسالک و اقوال سے جو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے وہ یوں ہے کہ!

(۱) دار ارقم ؓ میں جس نظام زندگی کے لئے صحابہ کرام ؓ کی عملی تربیت کا آغاز ہوا اور پھر صفہ و مسجد نبوی میں جس کی تکمیل ہوئی اس میں شورائی جمہوری آراء کے احترام کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ نظام زندگی کے تمام اہم امور میں ہر فرد کو براہ راست شرکت کا احساس دلا کر خوشی و اطمینان اور الفت اور اعتماد کی فضا پیدا کرنا مقدم تھا، اس عہد کے معروضی حالات

میں امور حکومت میں شرکت کا یہ احساس و شعور بڑا اہم ہے۔

(۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے جس اولین کارواں کی دار ارقم میں تربیت فرمائی اور اس میں شورائیت کو جو نمایاں اہمیت دی گئی اس کے متعلق اس عہد زریں کے اہل علم و فضل مشاورت کو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و انعام تصور کرتے تھے، کیونکہ اس میں احسن تقویم میں ڈھلنے والی اور تکریم کی مستحق اولاد آدم کے احترام، آزادی رائے اور حریت فکر کی ضمانت ہے، مکارم اخلاق و محاسن اعمال کی تکمیل کرنے والے رسول عربی ؐ کی رسالت کا یہی طرہ امتیاز ہے۔

(۳) شورائی جمہوریت کی عملی تربیت اور اس میدان میں اسوہ حسنہ قائم کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ ترین اور اولوالعزم رسول عربی ؐ کو اس لئے منتخب فرمایا گیا اور اس پر عمل کا حکم دیا گیا تھا تاکہ بعد میں آنے والے حقیر بندوں کو اس بات کی جرئت نہ ہو کہ وہ استبداد و آمریت کے شکنجے میں بندگان خدا کو جکڑنے کے فعل قبیح کے مرتکب ہوں۔

(۴) شورائیت کے لئے عملی تربیت کے نبوی نمونے اس لئے تھے کہ امت مسلمہ مشکل سے مشکل مسائل کا اجتہادی حل نکالنے کے لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور جمہوری روایات کو پروان چڑھانے کے لئے ہمیشہ سنت نبوی کا اقتداء و پیروی کرے۔

(۵) سنت نبوی کتاب اللہ کے بعد شریعت کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے اور سنت ثابتہ کی پیروی بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح کتاب اللہ میں وارد احکام کی پیروی لازم ہے، سیاسی نظام زندگی میں شورائیت اور جمہوریت سے اعراض دراصل سنت نبوی سے اعراض کے مترادف ہے۔

(۶) مغرب کے پارلیمانی و صدارتی جمہوری نظاموں میں جس مخالفت برائے مخالفت کو جمہوریت کا شیر مادر تصور کر لیا گیا ہے اس کا اسلام کے شورائی جمہوری نظام میں کوئی وجود نہیں، یہاں خود غرضی، ذاتی خواہش اور ہوس پرستی کا بھی کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

(۷) اسلام کے شورائی جمہوری نظام میں غیر جانبداری اور اخلاص نیت کو اولیت حاصل ہے اسلامی جماعت کے لئے اللہ کی رحمت، ہدایت اور رہنمائی کا دار و مدار اسی اخلاص نیت پر ہے۔

پانچویں/چھٹی صدی ہجری کے مفسرین میں علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ کا نام بہت نمایاں اور معتبر ہے۔ ان کی تفسیری تصنیف معالم التنزیل ہے جو تفسیر

البغوی کے نام سے زیادہ معروف و متداول ہے، وہ سورہ شوریٰ کی زیر بحث آیت میں ستودہ وصف کو خاص کے بجائے عام تصور کرتے ہیں اور "امرھم شوریٰ بینھم " کی تفسیر ان الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں ۱۱۔ یعنی یتشاورون فیھما یبدو لھم ولا یعجلون (جو معاملہ سامنے آتا ہے وہ اس کے متعلق باہم مشورہ کرتے ہیں اور جلدی نہیں کرتے)۔ سورہ آل عمران کی آیت ایک سو انسٹھ کی تفسیر میں وشاورھم فی الامر کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "۱۲۔ ای استخرج آراء ھم واعلم ما عندھم، من قول العرب شرت الدابہ وشورتھا اذا الستخرات بسیرھا و شرت العسل واشرتہ اذا اخذتہ من موضعۃ واستخرجتہ یعنی ان کی آراء کو سامنے لائیے اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے آگاہی حاصل کیجئے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ میں نے جانور کو اس کی رفتار سے آزمایا، یا میں نے شہد چھتے میں سے نکالا"

بغوی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ لینے کا جو حکم دیا گیا اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے باوجودیکہ، آپ عقل و دانائی میں کامل، رائے میں بڑے صائب مہبط وحی اور مخلوق کے لئے واجب الاطاعت ہیں" اس کے بعد علامہ بغوی علماء کے مختلف گروہوں کی وہ آراء بڑے اختصار سے بیان کرتے ہیں جو طبری اور قرطبی وغیرہ ہم نے مفصل طور پر بیان کی ہیں، جن میں امام حسن بصری کا یہ قول بھی شامل ہے کہ ۱۳۔ قد علم اللہ انہ مابہ الی مشاورتھم حاجۃ ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ آپ کو ان کے مشورہ کی حاجت نہیں مگر اللہ کا منشا یہ ہے کہ آپؐ بعد میں آنے والوں کے لئے شوریٰ پر عمل کو اپنی سنت بنا دیں پھر حضرت عائشہؓ کا یہ قول بایں الفاظ نقل کیا ہے ۱۴۔ کہ ما رایت رجلا اکثر استشارۃ للرجال من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے رسول اللہ سے بڑھ کر لوگوں سے مشورہ لینے والا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔)

ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ عربی لغت، نحو، بلاغت اور تفسیر میں ایک منفرد اور بلند مقام پر فائز ہیں، معتزلہ کے امام المذہب تھے مگر اس کے باوجود عالم اسلام کے اہل علم نے ان کی تصانیف کو نہ صرف پذیرائی بخشی بلکہ علم کی دنیا کا ایک معتبر نام بھی تسلیم کیا، اس لئے سورہ الشوریٰ اور آل عمران کی زیر نظر آیات کی انہوں نے جو تفسیر و تشریح کی ہے اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے، وہ سورت شوریٰ کی اڑتیسویں آیت میں مذکور اوصاف مومنین میں سے استجابت دعوت، اقامت نماز اور شوریٰ پر عمل کو عقبہ اولیٰ و ثانیہ میں اسلام سے مشرف ہونے والے سابقین اولین انصار سے مختص تصور کرتے ہیں، زمخشری نے شوریٰ کے لفظی معنی اور حضرت حسن بصری کی شوریٰ کے متعلق مشہور روایت بھی نقل کی ہے اور ساتھ ہی سلف صالح کا یہ

قول بھی نقل کیا ہے کہ "بزرگوں کا یہ قول بھی اس معنی و مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے خلافت کو باہمی مشاورت کے لئے چھوڑ دیا تھا (ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عمر بن الخطاب ؓ الخلا شوریٰ)

سورت شوریٰ کی اس آیت کی تفسیر لفظ بہ لفظ نقل کرنے کے بعد ہم علامہ زمخشری کے حلقہ درس قرآن میں شامل ہو کر ان سے چند سوالات بھی کریں گے، وہ فرماتے ہیں ۱۵ ۔

> "والذین استجابوا لربھم (وہ جنہوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا) یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان و اطاعت کی دعوت دی تو انہوں نے اس پر لبیک کہا، ایمان لے آئے اور اطاعت کی، واقاموا الصلوٰۃ (اور نماز قائم کی) انہوں نے پانچوں نمازیں مکمل ادا کیں وامرھم شوریٰ بینھم (اور ان کا معاملہ باہمی مشاورت والا ہے) ظہور اسلام سے بھی پہلے اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ کی آمد سے قبل انہیں جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو اکٹھے ہوتے اور باہم مشورہ کرتے، چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے یعنی جب تک وہ کسی بات پر اکٹھے ہو کر بات نہ کر لیں اس کے متعلق کوئی انفرادی فیصلہ یا رائے قائم نہیں کرتے۔"

پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا تیرہ سالہ مکی عہد نبوت کے دوران جن لوگوں نے اسلام قبول کیا (جن میں خدیجۃ الکبریٰ ؓ، صدیق اکبر ؓ، علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور دیگر سابقین اولین بھی شامل تھے) رونگٹے کھڑے کر دینے والی اذیتیں برداشت کیں اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر تن من دھن نچھاور کرتے رہے بلکہ اشارہ نبوی پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرتیں بھی کیں، وہ بھی دعوت حق پر لبیک کہنے اور ایمان و اطاعت سے سرفراز ہوئے تو آخر وہ اس زمرے میں کیوں نہ آئیں؟ مکہ کی گھاٹیوں میں، اپنے گھروں میں، دار ارقم میں اکیلے اور با جماعت نمازیں پڑھتے اور کفار کے غیظ و غضب کی زد میں آتے رہے تھے وہ اقامت نماز کے وصف میں شامل کیوں نہ ہوں؟ کیا بے آسرا اور بیکس اہل ایمان کی خبر گیری، ستائے جانے والے غلاموں کی آزادی، مکہ مکرمہ میں دعوت حق کو عام کرنے اور ہجرت کے مسائل کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار باہمی مشاورت نہ کرتے ہوں گے؟ کیا ان سوالوں کا کوئی جواب ہے!

علامہ زمخشری سے آخری مگر چبھتا ہوا سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعد، ابوالولید ازرقی اور اما ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ دار ارقم کو دار الاسلام کہا جاتا تھا، یہاں تعلیم و تربیت، تزکیہ نفوس، وعظ و تذکیر اور دعوت اسلام کا کام بھی انجام پاتا تھا، صحابہ کرام ؓ کھلے

بندوں مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں نماز اور یاد الٰہی میں مصروف نہیں ہو سکتے تھے اس لئے دار ارقم کے پرسکون ماحول میں یہ کام بڑے آرام سے انجام پاتے تھے، تو کیا اس تیرہ سالہ مکی دور میں حضور نبی کریم ؐ اور صحابہ کرام ؓ کے لئے دار ارقم میں باہمی مشاورت کی ضرورت یا موقع سامنے نہیں آیا ہو گا؟ کیا امرھم شوریٰ جملہ مومنین کی صفت نہ تصور کی جائے جس میں یہ سابقین اولین مہاجرین اور انصار بھی شامل متصور ہوں؟

ظاہر ہے علامہ زمخشری دار ارقم کے اس کردار سے تو لاعلمی کا ہی اظہار کریں گے مگر وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکیں گے کہ سورت شوریٰ کی ان آیات میں اہل ایمان کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں انہیں سابقین اولین انصار سے مختص کرنا کسی نص قطعی سے ثابت نہیں ہے، نہ کسی صریح نص سے یہ ثابت ہے کہ سابقین اولین مہاجرین ان اوصاف میں سے کسی وصف سے خدانخواستہ محروم ہیں بلکہ قرائن اس بات کو قابل ترجیح قرار دیتے ہیں کہ یہ تمام اوصاف اس مختصر سی مسلم جمعیت میں بدرجہ اولیٰ پائے جاتے ہیں جو ایک عرصہ تک نگاہ آفتاب رسالت ؐ کی نگرانی میں دار ارقم میں فروکش رہے اسی طرح تربیت و تزکیہ کے مراحل سے گزرنے کے علاوہ باہمی مشاورت کے انعقاد کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح یہ امکان بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مجالس مشاورت اسی دار ارقم ؓ میں ہوتی ہوں گی!

وشاورھم فی الامر کی تفسیر کے ضمن میں زمخشری مشاورت کو وحی الٰہی کی رہنمائی نہ ہونے کی صورت میں امور جنگ تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔ ۱۶؎، یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ مشاورت مسئلہ کی تائید، صحابہ کرام ؓ کی دلجوئی، احترام اور منزلت میں اضافہ کا موجب بھی ہے، حسن بصری کا قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "قد علم اللہ انہ مابہ الیھم حاجۃ ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ (اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا کہ آپ کو ان کے مشورہ کی ضرورت نہیں مگر مشیت ایزدی یہ تھی کہ نظام شوریٰ کو آپ کے بعد والوں کے لئے سنت بنا دیا جائے۔

شیخ الاسلام امام فخری الدین محمد بن عمر التمیمی البکریٰ الرازی متوفی ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) چھٹی صدی ہجری کے اختتامی دور سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے ایران، خراسان اور افغانستان کے علاقوں میں علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں اور مفاتیح الغیب کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر کبیر اور تفسیر رازی بھی کہلاتی ہے، اپنی اس تفسیر میں وہ سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت کا مدلول و مصداق کسی خاص گروہ کو تصور کرنے کے بجائے اسے جملہ اہل ایمان پر منطبق کرتے ہیں، یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ وہ سورہ شوریٰ کی آیات چھتیس تا انتالیس میں مذکورہ اوصاف کو بھی تمام اہل ایمان کے خصوصی اوصاف کے طور پر ذکر کرتے ہیں مگر اقامت صلوۃ اور

مشاورت باہمی کو دو الگ الگ صفات کے طور پر ذکر نہیں کرتے بلکہ انہیں استجابت دعوت ربانی کے ضمن میں ہی ذکر کرتے ہیں۔

امام رازی امرھم شوریٰ بینھم کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ١٧ ۔

"قیل کان اذا وقعت بینھم واقعۃ اجتمعوا وتشاوروا فأثنی اللہ علیھم أی لا ینفردون برأی بل مالم یجتمعوا علیہ لا یقدمون علیہ، وعن الحسن ماتشاور قوم الاھدوا الی ارشد امرھم والشوری مصدر کالفتیا بمعنی التشاور و معنی قولہ وامرھم شوری بینھم ای ذوشوری . یعنی بیان کیا گیا ہے کہ جب انہیں کوئی واقعہ پیش آتا، تو اکٹھے ہو جاتے اور باہم مشاورت کرتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر ستائش فرمائی ہے کہ وہ کوئی انفرادی فیصلہ یا رائے قائم نہیں کرتے بلکہ جب تک اکٹھے ہو کر طے نہ کر لیں کوئی اقدام کرتے ہی نہیں۔"

یہاں امام موصوف کے اس حلقہ درس میں شامل ہو کر ان سے ہم چند ایک سوال کرتے ہیں، پہلا سوال یہ ہے کہ یہ جمع ہو کر باہم مشاورت سے فیصلہ کرنے والے کون بزرگ تھے؟ سابقین اولین مہاجرین یا سابقین اولین انصار؟ امام صاحب فرمائیں گے کہ میں نے اس آیت کا مدلول و مصداق کوئی مقید اور مختص نہیں ذکر کیا، یہ صفت سب اہل ایمان کے لئے ہے، مہاجرین و انصار کے سابقین اولین ہوں یا بعد کی امت مسلمہ سبھی اس کا مصداق ہیں، ہم امام محترم کے اس موقف سے پوری طرح مطمئن ہیں، ہم ان سے دوسرا سوال یہ کرتے ہیں کہ یہ اجتماعات مشاورت کہاں ہوتے ہوں گے؟ امام عالی مقام کا جواب یہی ہوگا کہ میں نے کسی مختص اور مقید مقام اجتماع کا ذکر نہیں کیا؟ دار ارقم میں ہوتے ہوں گے، صفہ اور مسجد نبوی میں تو یقیناً ہوتے تھے، اور کہیں بھی ہو سکتے ہیں، اس سے تو ہمیں بحث ہی نہیں، اصل مقصود و مطلوب یہ ہے کہ شورائی اجتہادی کوشش سے کوئی کامیاب مفید اور تسلی بخش حل نکالیں، اگر امام رازی کا جواب یہی ہو (اور ان کے اپنے مذکورہ الفاظ اسی جواب کے غماز ہیں) تو اس سے امرھم شوریٰ کے اجتماعات کے دار ارقم میں یا مکہ مکرمہ میں کہیں بھی منعقد ہونے کی گنجائش نکلتی ہے لیکن اگر ہم امام صاحب سے یہ گستاخانہ سوال بھی کر بیٹھیں کہ کیا آپ دار ارقم ؓ میں اہل ایمان کے شورائی اجتماعات، ذکر و تزکیہ کی مجالس، تعلیم و تربیت کے حلقات نبوی اور دعوت و تبلیغ کے مہتمم بالشان کام کے متعلق کوئی تصور رکھتے ہیں یا ابن سعد، ازرقی اور امام حاکم نے دار ارقم ؓ کے متعلق دار الاسلام کہلانے یا تاریخی کردار کے دیگر پہلوؤں کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو ہمیں یقین ہے کہ امام صاحب کا جواب نفی میں ہی ہوگا۔؟

مکی عہد کی سورت شوریٰ کی اس آیت کے بعد اب ہم مدنی عہد کے حکم ربانی کے متعلق امام رازی کی آراء کا مطالعہ کریں گے جو اسلام کے شورائی جمہوری نظام کو سمجھنے میں مدد دے گا چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت وشاورھم فی الامر کے ضمن میں امام رازی نے پانچ اہم مسائل اٹھائے ہیں اور ان کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے، ان مسائل پنجگانہ کا ایک مختصر خاکہ موضوع زیر بحث کو سمجھنے میں مدد دے گا ۱۸۔ یہاں اٹھایا جانے والا سب سے پہلا مسئلہ شوریٰ کی لفظی تشریح سے متعلق ہے جو متقدمین کی بحث سے زیادہ مختلف نہیں ہے، تاہم وہ لفظ شوریٰ کے ایک ماخذ کے متعلق فرماتے ہیں! وقیل ماخوذۃ من قولہ شرت الدابتہ شوراً اذا عرضتھا والمکان الذی یعرض فیہ الدواب یسمی مشواراً کانہ بالعرض یعلم خیرہ و شرہ فکذلک بالمشاورۃ یعلم خیر الامور و شرھا یعنی شوریٰ کا لفظ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ شرت الدابتہ شورا (یعنی میں نے جانور کو آزمائش کے لئے پیش کیا) جب تم اسے لوگوں کے سامنے آزمائش کے لئے پیش کرو۔ جس جگہ اس طرح جانور پیش کئے جاتے ہیں اسے مشوار کہتے ہیں گویا جانور کو اس طرح پیش کرنے سے اسکا بھلا برا معلوم ہو جاتا ہے، سو اسی طرح باہمی مشاورت سے بھی معاملات کا بھلا برا پہلو معلوم ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر امام رازی نے جو دوسرا مسئلہ اٹھایا ہے وہ ان فوائد کے متعلق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کے حکم ربانی سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۔ ان میں سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ کرنا ان کے علو شان اور رفعت درجہ کو مستلزم ہے اور یہ بات صحابہ کرام ؓ کے دل میں گہری محبت اور خلوص اطاعت کی مقتضی ہے، اگر آپ ان سے مشورہ نہ کرتے تو یہ اہانت کے مترادف ہوتا اور سوء اخلاق اور درشت خوئی شمار ہوتا، مشاورت صحابہ کرام ؓ کے اس حکم میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگرچہ آپ سب سے زیادہ کامل العقل ہیں مگر انسانی معلومات محدود ہوتی ہیں اس لئے یہ بات بعید از امکان نہیں کہ بہتری کی کوئی ایسی بات کسی اور کے ذہن میں آجائے جو آپ ؐ کے ذہن میں نہ ہو خصوصاً دنیاوی امور کے حوالے سے، اسی لئے تو آپ ؐ نے فرمایا تھا کہ انتم اعرف بامور دنیاکم وانا اعرف بامور دینکم (تم اپنی دنیا کے معاملات زیادہ جانتے ہو جب کہ میں تمہارے دین کے معاملات کو سب سے زیادہ جانتا ہوں) اور اسی لئے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ماتشاور قوم قط الاھدوا الی ارشد امرھم (جب کبھی بھی کسی گروہ نے باھم مشاورت سے کام لیا تو وہ واضح ترین بات کے لئے رہنمائی پا گیا) تیسرا فائدہ وہ ہے جس کا تذکرہ امام حسن بصری اور سفیان بن عیینہ نے کیا ہے کہ آپ کو مشاورت صحابہ کرام ؓ کا حکم اس لئے دیا گیا کہ نظام مشاورت قائم کرنے میں دوسرے آپ کی پیروی اور اتباع

کریں اور مشاورت سے کام لینا امت کے لئے آپ کی سنت قرار پا جائے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے موقع پر صحابہ کرام ؓ سے مشورہ لیا تھا تو انہوں نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا تھا حالانکہ آپ باہر نہ نکلنے کی طرف مائل تھے، ۲۰۔ جب آپ مدینہ سے باہر نکل آئے تو جو کچھ ہوا وہ سب پر واضح ہے، اس واقعہ کے بعد اگر آپ ؐ ان سے مشورہ کرنا ترک کر دیتے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ ان کے مشورہ کے نتیجہ میں جو کچھ ہوا اس کا اثر آپ کے دل میں اب بھی باقی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد ان سے مشاورت کا حکم دیا تاکہ یہ ثابت ہو کہ اس واقعہ کے نتائج کا آپ کے دل پر کوئی اثر باقی نہیں رہا ان فوائد میں سے پانچواں فائدہ یہ ہے کہ مشاورت کا یہ حکم محض اس لئے نہیں کہ آپ ان کے علم اور رائے سے مستفید ہوں گے بلکہ اس لئے ہے کہ آپ پر ان کے عقل و فہم کا مرتبہ واضح ہو جائے اور آپ کی محبت و اطاعت کی حد آپ کو معلوم ہو جائے، اس طرح ان میں سے فاضل و مفضول اور ان کے مراتب کی مقدار بھی واضح ہو جائے گی۔

امام رازی کے نزدیک اس حکم مشاورت میں چھٹا فائدہ ۲۱۔ یہ ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ نہیں کہ آپ ان کے مشوروں کے محتاج ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب آپ ان سے مشورہ طلب کریں گے تو ان میں سے ہر ایک بہتر سے بہتر صورت نکالنے کے لئے اجتہاد کرے گا یوں بہت سے نفوس ایک ہی واقعہ میں بہترین صورت نکالنے میں باہم مطابق و موافق ہوں گے اور کسی ایک چیز کے بارے میں بہت سے پاکیزہ نفوس کا مجتمع ہو جانا اس کے حصول میں مددگار بھی ثابت ہوتا ہے، امام موصوف کے نزدیک نمازیں با جماعت ادا کرنے میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے، اسی لئے منفرد نماز سے با جماعت نماز افضل ہے، اس حکم میں ساتواں فائدہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے مشاورت کے حکم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرام ؓ کی عظمت و منزلت بہت زیادہ ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بڑی بڑی مہموں میں صرف اپنے خواص اور مقربین سے ہی مشورے لیتے ہیں، تو صحابہ کرام ؓ سے جب لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر تو فرما دیا تھا اب ہو سکتا تھا کہ وہ یہ سمجھیں کہ ان سے درگزر تو فرما دیا گیا مگر شاید ان کی اب وہ عظمت و منزلت نہ رہی ہو جو پہلے تھی چنانچہ اس حکم سے حکمت ربانی نے یہ واضح کر دیا کہ توبہ کے بعد ان کی منزلت کم نہیں ہوئی بلکہ حسن توبہ کے بعد رحمت ربانی اس منزلت میں اضافہ فرما چکی ہے، اس واقعہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کو صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کا حکم نہیں دیا تھا، یہ حکم فرما کر اس بات سے آگاہ کر دیا گیا کہ اب ان کی عظمت اور قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ کیا جا چکا ہے، اس رحمت ربانی کا سبب یہ ہے کہ پہلے تو اس منزلت کا دار و مدار

صحابہ کرامؓ کے عمل اور اللہ و رسولؐ کے لئے ان کی اطاعت پر تھا مگر اب اس کی ضمانت اللہ کا عفو و درگزر اور اس کا فضل و کرم ہے اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ عظمت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کا عفو و فضل صحابہ کرامؓ کی اطاعت سے افضل و برتر ہے۔

تیسرے مسئلے میں امام رازی نے اس بات سے بحث کی ہے کہ جن امور کے متعلق وحی نازل ہو چکی ہو ان کے بارے میں امت سے مشاورت جائز نہیں کیونکہ نص وحی کی صورت میں رائے اور قیاس بیکار ہو جاتے ہیں البتہ جہاں نص موجود نہ ہو وہاں مشاورت و اجتہاد جائز ہے، حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے جہاں جہاں مشاورت کی وہ چونکہ غزوات اور جنگی معاملات تھے اس لئے امام رازی بھی اس کی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ جس مشاورت کا حکم ہے وہ غزوات اور محاذ جنگ سے متعلق ہے۔ چونکہ استنباط احکام نص قرآنی کے مطابق قابل ستائش بات ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عقل و ذکاء میں سب سے برتر تھے اس لئے جن امور کے متعلق احکام وحی نہ تھے ان کے بارے میں آپ مامور بالاجتہاد تھے اور چونکہ مناظرہ و مباحثہ اجتہادی کاوشوں کو تقویت پہنچاتا ہے اس لئے آپ مامور بالمشاورۃ بھی تھے، چوتھے مسئلے میں یہ بتایا ہے کہ مشاورت کا امر وجوب کے بجائے استحباب پر محمول ہے اور پانچویں مسئلے کی رو سے صحابہ کرامؓ میں سے بعض سے مشورہ لینے کی تخصیص درست نہیں بلکہ تمام صحابہ بلا استثناء اس کے مستحق تھے ۲۲۔

اسلامی اندلس کے مایہ ناز مفسر جن کے تفسیری نکات مشرق اور مغرب کے نئے اور پرانے علمائے تفسیر کے لئے معلومات کا ذخیرہ اور نکتہ رسی کا سرچشمہ تصور کئے جاتے رہے ہیں وہ ہیں ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری الخزرجی القرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن متوفی ۶۷۱ھ (۱۲۷۳ء) انہوں نے سورہ الشوریٰ کی اڑتیسویں آیت کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں جو نکات پیدا کئے ہیں۔ وہ ہمارے لئے خصوصی اہتمام و توجہ کے متقاضی ہیں ۲۳۔

۱ = شوریٰ بشریٰ اور ذکریٰ کی طرح مصدر ہے جو تشاور، مشاورت اور مشورہ کے معنی میں آتا ہے، مشورہ کا شین ساکن اور واؤ مفتوح بھی آتی ہے اور یہ شین مضموم اور واؤ ساکن کے ساتھ بھی آتا ہے، مشورہ کے لفظی معنی میں رفتار وغیرہ سے جانور کو آزمانا اور چھتے سے شہد نکالنا بھی آتا ہے۔

۲ = النقاش کا قول ہے کہ انصار مدینہ ہجرت نبوی سے قبل جب کچھ کرنا چاہتے تو باہم مشورہ کرتے اور پھر عملی قدم اٹھاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو مستحسن اور قابل ستائش قرار دیا ہے (القرطبی کے ذھن سے بھی دار ارقمؓ کے دار الاسلام اور دار الشوریٰ ہونے اور مکی زندگی کے بارہ تیرہ سالوں کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی

باہمی مشاورت اوجھل ہی ہے!)، پھر حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ یہ انصاری بزرگ اپنی اپنی انفرادی رائے کا غلام ہونے کے بجائے اپنے معاملے باہمی اتفاق سے نمٹاتے تھے اور اختلاف نہیں کرتے تھے۔

۳ = امام حسن بصری سے منقول ہے کہ ماتشاور قوم قط الاہدوا الی ارشد امور ھم! جب بھی کسی گروہ نے باہم مشاورت سے کام لیا تو وہ درست رائے تک پہنچ گئے۔

۴ = الضحاک کا قول یہ ہے کہ یہاں شوریٰ سے مراد انصار مدینہ کا وہ مشورہ ہے جو انہوں نے بعثت نبوی کے وقت کیا تھا، جب بیعت عقبہ کے بعد اسلام کے نقیب ان کے پاس پہنچے تھے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں وہ اکٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت و تائید پر متفق ہو گئے تھے۔

۵ = ابن العربی الاندلسی کا قول ہے کہ الشوری الفۃ للجماعۃ ومسبار للعقول وسبب الی الصواب وماتشاور قوم قط الاہدوا! یعنی شوریٰ جماعت کے لئے باعث الفت و اتفاق ہے، عقلوں کے لئے آزمائش کا موقع ہے، درستی اور صحت کا وسیلہ ہے اور جب بھی کوئی گروہ باہم مشاورت کرتا ہے، ہدایت پاتا ہے۔

۶ = اللہ تعالیٰ نے مشاورت کو اپنا معمول بنانے والوں کی ستائش کرکے دراصل امت مسلمہ کو اپنے معاملات میں باہمی مشاورت سے کام لینے کی تاکید فرمائی ہے۔

۷ = رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی مصلحتوں سے متعلق آراء کے ضمن میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے اور ایسا کرنا آراء کے ضمن میں بکثرت منقول ہے شرعی احکام کے سلسلے میں آپؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ نہیں لیتے تھے جیسے فرض، مستحب، مکروہ، مباح اور حرام وغیرہ احکام شرع ہیں کیونکہ یہ احکام تو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہوتے تھے۔

۸ = آپ کے سفر آخرت کے بعد صحابہ کرامؓ تمام معاملات میں مشاورت کرتے تھے چنانچہ وہ شرعی احکام کے ضمن میں باہم مشورہ بھی کرتے اور کتاب و سنت سے ان کا استنباط بھی کرتے تھے۔

۹ = صحابہ کرامؓ نے وصال نبوی کے بعد سب سے پہلا مشورہ خلافت کے متعلق کیا تھا کیونکہ اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی تھی، سقیفہ بنی ساعدہ کے نیچے حضرت ابو بکرؓ اور انصار کے درمیان یہی مشاورت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا اسے اپنی دنیا کے لئے بھی ہمیں پسند کرنا چاہئے، مرتدین کے متعلق مشورہ ہوا تو ان سے

جنگ کے متعلق حضرت ابو بکرؓ کی بات مان لی گئی، نانی اور اس کی میراث کے متعلق بھی مشورہ ہوا، حد شراب اور کوڑوں کی تعداد کے متعلق مشاورت ہوئی، جنگوں کے متعلق مشورے کئے گئے حضرت عمرؓ نے ہرمزان کے اسلام لانے کے بعد اس سے جنگی مشورہ لیا تھا۔

۱۰ = بعض اہل عقل و دانش کا قول ہے کہ میں نے تو کبھی غلطی کی ہی نہیں جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اپنی قوم سے مشورہ کرتا ہوں، اگر میں درست کام کرتا ہوں تو یہ دراصل میری قوم درست کام کرتی ہے اور جب میں غلطی کرتا ہوں تو یہ وہی غلط کرنے والے ہوتے ہیں، یعنی مشاورت سے کام اور ذمہ داری مشترکہ ہو جاتی ہے۔

۱۱ = ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تمہارے میں سے اچھے لوگ تمہارے حکمران ہوں گے، تمہارے میں سے دولت مند لوگ سخی ہوں گے اور تمہارا معاملہ باہمی مشاورت والا ہو گا تو زمین کی سطح اس کی گہرائی سے تمہارے لئے بہتر ہو گی یعنی ایسے ماحول میں زندہ رہنا بہتر ہو گا۔ اور جب تم میں سے برے لوگ تمہارے امیر بن جائیں گے، تمہارے دولت مند بخیل بن جائیں گے اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں آ جائیں گے تو پھر زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر والے سے تمہارے لئے بہتر ہو گا یعنی ایسے حالات میں تمہارا مر جانا بہتر ہو گا۔

۱۲ = دانا شاعر بشار بن برد کہتا ہے۔

اگر معاملہ کا فیصلہ مشورہ سے ہونے لگے تو پھر کسی دانا کی رائے اور کسی محتاط کے مشورہ سے مدد لے، شوریٰ کو اپنے لئے ناگوار نہ جان کیونکہ پرندے کے چھوٹے بال بڑے پروں کے لئے قوت اور طاقت کا باعث ہوتے ہیں۔

سورہ آل عمران کی ایک سوانسٹھویں آیت وشاورھم فی الامر کی تشریح وتفسیر کے ضمن میں القرطبی نے مسئلہ شوریٰ کو ذرا زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے ۲۴۔

۱ = ابن عطبہ نے کہا ہے کہ شوریٰ. شریعت کے بنیادی ستونوں اور بڑے اہم احکام میں سے ہے، جو حکمران اہل علم اور دینداروں سے مشورہ نہیں لیتا اسے معزول کرنا واجب ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں، اللہ تعالیٰ نے مومنین کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وامرھم شوریٰ بینھم (ان کا معاملہ تو باہمی مشاورت والا ہوتا ہے) (یہاں ابن عطبہ نے جہاں اسلام کے شورائی جمہوری نظام کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کیا ہے وہاں سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت کو اہل ایمان کی عمومی صفت بھی قرار دیا ہے جس میں مکہ مکرمہ میں اسلام

سے مشرف ہونے والے سابقین اولین، انصار مدینہ اور جمہور اہل اسلام سب شامل ہیں اور یہ ایک بہت اہم بات کہی گئی ہے)۔

۲ = ابن خویز منداد کا قول ہے کہ حکمرانوں کا فرض ہے کہ جن باتوں کا انہیں علم نہ ہو یا جو دینی معاملات انہیں مشکل نظر آئیں ان کے متعلق علمائے کرام سے مشورہ لیں، جنگی معاملات میں فوج کے سرکردہ قائدین سے مشورہ کریں، عوامی مصلحتوں کے متعلق سرکردہ زعماء سے مشاورت کی جائے، شہروں کی بھلائی اور آبادی کے لئے سیکریٹریوں، وزیروں اور کارکنوں سے مشورہ لیں، کہا جاتا تھا کہ جس نے مشاورت سے کام لیا نادم نہ ہو گا اور جس نے اپنی ہی عقل پر غرور کیا گمراہ ہو گیا!

۳ = "وشاورھم فی الامر" کا حکم ربانی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی کے امکان کے باوجود معاملات میں اجتہاد کرنا اور ظن و تخمینہ سے کام لینا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے زمانے میں اپنے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاورت صحابہ کرام رض کا حکم دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۴ = نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مشاورت امت کا جو حکم فرمایا ہے اس کی تشریحی حیثیت کے متعلق علمائے تفسیر و تاویل کا اختلاف ہے، قتادہ، الربیع ابن اسحاق اور امام شافعی رحمھم اللہ کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے زمرے میں آتا ہے، اس میں صحابہ کرام رض کی دلجوئی، عزت افزائی اور دین سے ان کی الفت مقصود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ ان کی آراء سے تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نیاز کر دیا تھا اور یہ استحبابی مشاورت کا حکم بھی جنگی معاملات اور دشمن کے مقابلہ کے لئے ہے، عرب سرداروں کے ہاں رواج تھا کہ اگر انہیں شریک مشورہ نہ کیا جاتا تو انہیں ناگوار معلوم ہوتا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ انہیں شریک مشورہ کیا جائے تاکہ اس سے ان میں باہمی جذبہ ہمدردی پیدا ہو کینہ وری کے جذبات دور ہوں اور ان کی دلجوئی کا سامان ہو، ابتدائی عہد کے مفسرین کا دوسرا گروہ جس میں امام حسن بصری اور الضحاک بہت نمایاں ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو امت سے مشاورت کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ آپ کسی مشورہ یا رائے کے محتاج تھے بلکہ مشیت و حکمت ایزدی اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو نظام مشاورت کی تعلیم فرمائیں، اس کی فضیلت اور مرتبہ کو واضح کریں اور ایسا قابل تقلید نمونہ چھوڑیں جس میں امت کے لوگ آپ کی پیروی کر سکیں۔

۵ = القرطبی ارشاد نبوی المستشار موتمن (مشیر امانت کا محافظ ہوتا ہے) اور امام حسن بصری ؒ کا یہ قول کہ ما کمل دین امری مالم یکمل عقلہ (انسان کا دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی عقل مکمل نہ ہو جائے) نقل کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک مشیر کا تعلق اگر احکام شرعی سے ہو تو اسے عالم دین ہونا چاہئے اور علم دین بھی عاقل کے سوا کسی اور میں کم ہی ہوا کرتا ہے۔ پھر وہ الخطابی کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ عقل و علم دین کے حامل سے اگر مشورہ لیا جائے اور وہ بہتری کے لئے اجتہاد اور کوشش صرف کرنے کے بعد مخلصانہ مشورہ دے اور وہ غلط بھی نکلے تو بھی اس پر کوئی تاوان یا مواخذہ نہیں ہو گا۔

۶ = ابو عبداللہ القرطبی کی ان قیمتی آراء کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ وہ شریک مشاورت کے لئے امور دنیا سے آگاہی کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور اس میں عقل و دانش کے ساتھ تجربہ بھی شامل ہے، اس کے علاوہ مشیر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مشورہ طلب کرنے والے کے لئے دلی ہمدردی اور اخلاص کے جذبات بھی رکھتا ہو، ذاتی مفاد اور بد دیانتی یا بد خواہی سے اجتناب کرتا ہو۔

۷ = شوریٰ کی اساس اختلاف آراء ہے، ان مختلف آراء میں سے جو رائے صائب اور زیادہ صحیح نظر آئے اسے قبول کر لینا چاہئے، اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کے عملی نفاذ کے لئے اقدام ہونا چاہئے کیونکہ امت اسلامیہ کے اجتہاد کی اصل منزل تو عملی اقدام ہی ہے فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (جب عزم کر لو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو) کے ارشاد ربانی کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ عزم و توکل نہ ہو تو مشاورت، اجتہاد اور فیصلے بیکار ہیں، ایک عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا کنت ذارائی فکن ذا عزیمۃ　　فان فساد الرائی ان تترددا

ترجمہ: جب کوئی فیصلہ کر لو تو پھر عزم میں بھی پختہ ہو جاؤ کیونکہ فیصلہ اور رائے کا فساد اور بگاڑ یہ ہے کہ تم بعد میں تردد اور ہچکچاہٹ کا شکار ہو جاؤ۔

اس موقع پر القرطبی نے جو احادیث نبوی اور اقوال و امثال نقل کی ہیں ۲۵ ۔ وہ بھی بڑی اہم بلکہ نادر ہیں مثلاً یہ ارشاد نبوی کہ!

"ماشقی قط عبد بمسورہ وماسعد باستغناء رای یعنی کوئی بندہ کبھی مشورہ کے باعث بد بخت نہیں بنا اور نہ کوئی دوسری رائے سننے سے بے نیاز ہو کر کبھی خوش بخت بنا ہے۔"

اور کسی بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں!

"شاور من جرب الامور فلنہ یعطیک من رایہ ماوقع علیہ غالبا وانت تاخذہ مجانا یعنی مشورہ اس سے لو جو معاملات میں آزمودہ ہو، کیونکہ وہ تجھے اپنی رائے ایسے معاملہ کے حوالے سے دے گا جس سے غالباوہ خود گزرا ہو گا مگر تجھے یہ تجربہ مفت میں میسر آجائے گا۔"

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی الخازن متوفی ۷۲۵ھ کی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل جو تفسیر الخازن کہلاتی ہے علمی حلقوں کی ایک مقبول و متداول تفسیر ہے، وہ بہت سی باتوں میں علامہ بغوی کی تقلید کرتے ہیں مگر تجدید و اضافات بھی کرتے ہیں، وہ بھی سورہ شوریٰ کی آیت "وامرھم شوریٰ بینھم" کو مخصوص و مقید تصور نہیں کرتے بلکہ اس وصف کو بھی دیگر اوصاف کی طرح عمومیت پر معمول کرتے ہیں۲۶۔

علامہ خازن سورہ آل عمران کی زیر بحث آیت کی تفسیر کے ضمن میں بھی امام بغوی کے الفاظ دھراتے ہوئے طبری و قرطبی کی بیان کردہ باتوں کا اعادہ کرتے ہیں مگر مشاورت کے ضمن میں انہوں نے جو احادیث اور آثار و اقوال نقل کئے ہیں وہ بھی بہت دلچسپ، مفید اور اہم ہیں، امام بغوی نے حضرت عائشہ ؓ کا جو قول نقل کیا ہے اسے پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ احکام شرع کے متعلق آپ کا صحابہ ؓ سے مشورہ کرنا تو جائز ہی نہیں، البتہ جنگ اور دیگر دنیاوی امور کے متعلق مشورہ کا آپ کو حکم ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ اقوال اسلام کے شورائی جمہوری نظام کی تائید کرتے ہیں اور اس کے متعلق ان کا اپنا نقطہ نظر بھی واضح ہوتا ہے۔

۱ = الاستشارۃ عین الھدایۃ وقد خاطر من استغنی برایہ یعنی مشورہ کرنا عین ہدایت ہے اور مشورہ سے بے نیاز ہونے والا خود کو خطرے میں ڈالتا ہے۔

۲ = التدبر قبل العمل یومنک من الندم (کام سے پہلے فکر و تدبر کرنا تجھے ندامت سے محفوظ رکھے گا۔)

بعض حکماء کا قول ہے! ما استنبط الصواب بمثل المشاورہ یعنی مشاورت کی طرح اور کسی ذریعہ سے درست بات کا استنباط نہیں ہوا کرتا۔

امام خازن کے نزدیک مشاورت سے نہ صرف یہ کہ دوسروں کی گفتگو سے صحیح و درست صورت حال سامنے آتی ہے بلکہ مشورہ لینے والے کو اپنی کمزوریوں کا بھی پتہ چلتا ہے، مشاورت کے بعد قدم اٹھانے میں اگر ناکامی بھی سامنے آئے تو اتنا اطمینان بھی کافی ہوتا ہے کہ مشاورت سے

کامیاب راستہ نکالنے کی کوشش تو کی گئی!

امام خازن نے قرطبی و غرناطی کی تقلید میں مشاورت کے متعلق یہ اشعار بھی درج کئے ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا ۲۷۔

وشاور اذا شاورت کل مھذب — لبیب اخی حزم لترشد فی الامر

و لاتک ممن یستبد برایہ — فتنعجز اولا تستریح من الفکر

الم تر ان اللہ قال لعبدہ — و شاورھم فی الامر حتما بلا نکر

۱ = جب مشورہ کرو تو صرف مہذب، دانا اور احتیاط والے سے مشورہ لینا تاکہ تو معاملات میں صحیح بات تک رہنمائی پا سکے۔

۲ = اور ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو اپنی ہی رائے کو درست سمجھتے ہیں کہیں یوں نہ ہو کہ تو عاجز آ جائے اور پریشانی سے نجات بھی نہ پا سکے۔

۳ = کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سے کہا کہ معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے یہ بلاشبہ پکی بات ہے!

امام خازن حافظ ابو الفداء ابن کثیر کی طرح ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مفسرین میں سے ہیں، یہ وہ دور ہے جب اموی اور عباسی خلافتیں بھی قصہ پارینہ بن چکی ہیں، خلافت راشدہ کا بے نظیر و بے مثال عہد اسلام کی عملی سیاست میں عمل دخل رکھنے کے بجائے صرف اہل منبر و محراب کی واعظانہ زبانوں کے لئے تمثیل و موعظت کا وسیلہ اور ذخیرہ قرار پا چکا ہے، مکی عہد میں پیش آنے والے وقائع سیرت پر عالمانہ نظر اور تحریک اسلامی کی تیرہ سالہ مکی تاریخ کے تسلسل کو محققانہ انداز میں پیش کرنے کا خیال کسی کو نہیں، ایسے میں کسی مفسر کے لئے دار ارقم ؓ کے تاریخی کردار یا امرھم شوریٰ کے لئے کسی دار الشوریٰ کی تلاش محال ہے، تاہم خازن کا بغوی کے افکار و اقوال پر اضافہ، قرطبی اور طبری جیسے ائمہ تفسیر سے استفادہ اور بعض اضافی توجیہات پیش کر دینا بھی غنیمت اور ان کے علمی مقام کے لئے خراج تحسین کی حیثیت رکھتا ہے۔

ابو الفداء ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ نے السیرۃ النبویہ اور البدایہ والنہایہ میں دار ارقم ؓ کے حوالے سے جو باتیں کہی ہیں وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، ان کی تفسیر القرآن العظیم، جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے مشہور و متداول ہے بھی اس باب میں بعض معلومات مہیا کرتی ہے، چنانچہ وہ سورہ شوریٰ کی زیر مطالعہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ ۲۸۔

”ان کا معاملہ باہمی مشاورت والا ہوتا ہے یعنی وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتے جب تک اس بارے میں مشورہ نہیں کر لیتے تاکہ جنگوں جیسے مسائل میں اپنی آراء سے

مضبوط موقف اپنا سکیں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد وشاورھم فی الامر کا بھی یہی مطلب ہے، اس لئے آپ ؐ غزوات جیسے معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے تاکہ اس سے انہیں اطمینان قلب حاصل ہو، اسی طرح خنجر لگنے کے بعد جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ نے خلافت جیسا مہتم بالشان معاملہ بھی چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔"

سورہ آل عمران کی زیر بحث آیت کی تشریح کے ضمن میں ابن کثیرؒ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے شورائی انداز سیاست کا نچوڑ اور خلاصہ بڑے فاضلانہ اور خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں ۲۹؎۔

"وشاورھم فی الامر یعنی انہیں مشورہ میں شریک کیجئے، اس لئے جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کرتے تھے تاکہ ان کی دل جوئی کا سامان ہو اور انہیں اطمینان قلب حاصل ہو اور وہ اپنے کاموں میں زیادہ سرگرم ہوں چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر قافلہ ابوسفیان کے درپے ہونے کے سلسلے میں ان سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے! یارسول اللہ ؐ آپ اگر ہمیں سمندر میں کود جانے کے لئے لے چلیں تو ہم آپ ؐ کے ساتھ سمندر بھی عبور کر جائیں گے اور اگر آپ ہمیں برک غماد لے چلیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ جائیں گے، ہم آپ سے یوں نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ ؑ سے ان کی قوم نے کہا تھا کہ جا تو اور تیرا رب دونوں لڑائی لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو آپ سے یہ کہیں گے چلیئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے سامنے، آپ کے دائیں اور آپ کے بائیں ہوں گے اور لڑیں گے۔" بدر میں پڑاؤ کرنے کے لئے بھی ان سے آپ نے مشورہ کیا تھا، منذر بن عمرو نے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا تھا، احد میں بھی ان سے آپ نے مشورہ کیا تھا کہ مدینہ میں رکے رہیں یا دشمن کے مقابلے کے لئے نکلیں، جمہور نے نکل کر مقابلہ کا مشورہ دیا تو آپ باہر چلے گئے، جنگ خندق میں مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ دے کر احزاب سے مصالحت کے لئے آپ نے مشورہ کیا مگر سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے نہ مانا چنانچہ آپ نے اس خیال کو بھی ترک کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے اہل و عیال کا رخ کرنے کے متعلق مشورہ چاہا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا تھا کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے عمرہ کی نیت سے آئے ہیں، حضورؐ نے یہ مشورہ بھی مان لیا تھا، تہمت باندھنے کے واقعہ کے سلسلے میں آپ نے

فرمایا تھا کہ اے گروہ مسلمانان! مجھے مشورہ دو ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے میرے گھر والوں پر تہمت باندھی اور الزام تراشی کی ہے اللہ کی قسم میں نے اپنے گھر والوں کے متعلق کوئی برائی نہیں دیکھی، انہوں نے یہ تہمت بھی کس کے ساتھ باندھی؟ اللہ کی قسم مجھے تو بھلائی کے سوا کچھ علم نہیں، حضرت عائشہؓ سے علیحدگی کے لئے آپ نے حضرت علیؓ اور اسامہؓ سے مشورہ کیا تھا، آپ جنگوں یا دیگر مسائل کے بارے میں بھی ان سے مشورہ کیا کرتے تھے، فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ مشورہ لینا آپ پر واجب تھا یا یہ مستحب کے ضمن میں آتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں"

یہاں ابن کثیر نے ان تمام مواقع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے جن پر آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا، مشاورت کے تمام مواقع کا یہ احاطہ تو نہیں ہے مگر ایک بات عیاں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مشاورت کی اہمیت اور ضرورت سے علامہ ابن کثیر پوری طرح آگاہ نظر آتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اسلام کے اولین دار الشوریٰ یعنی دار ارقم کے تاریخی کردار سے وہ آگاہ نظر نہیں آتے، تاہم ابن کثیر کے مشاورت کے متعلق ارشادات نبوی بھی نقل کئے ہیں جن میں العزم مشاورۃ اھل الرای ثم ابتاعھم (عزم نام ہے اہل رائے سے مشورہ لینے اور پھر اس پر عمل کرنے کا) اور المستشار مؤتمن (مشورہ دینے والے کی حیثیت امانت دار کی ہوتی ہے) بھی شامل ہیں ۳۰۔

ابو الفداء کا زمانہ اموی اور عباسی خلافتوں کے کھنڈرات پر قائم ہونے والی مطلق العنان بادشاہتوں کا زمانہ ہے، اس زمانے میں خلافت راشدہ کا شورائی جمہوری نظام محراب و منبر پر وعظ و نصیحت کے دوران دی جانے والی حسین مثال کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ اسلام کا شورائی جمہوری نظام ایک قصہ پارنیہ بلکہ ناقابل فہم کہانی بن چکا تھا، ایسے میں مشاورت کو محض باعث ثواب اور سنت نبوی کا ایک پہلو تصور کر لینا بھی بڑی بات تھی لیکن امرھم شوریٰ کا مکی زندگی سے تعلق ہونا، مشورہ کے لئے دار الشوریٰ کا ہونا یا دار ارقمؓ کا دار الشوریٰ اور دار الاسلام ہونا تو لوگوں کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔

قاضی ناصرالدین ابو سعید عبداللہ بن عمر شیرازی بیضاوی متوفی ۶۹۱ھ کی تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل جو تفسیر البیضاوی کے نام سے مشہور ہے، اور جسے زمخشری کی الکشاف کا جواب تصور کیا جاتا ہے، ایک بہت مقبول و متداول تفسیر ہے، علامہ بیضاوی سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت میں مذکور تینوں اوصاف یعنی استجابت دعوت حق، اقامت نماز اور شورائی نظام کے مطابق معاملات

نمٹانے کو انصار مدینہ کے لئے مختص تصور کرتے ہیں، چنانچہ وہ وامرھم شوریٰ بینھم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۳۱ ۔!

"ذو شوریٰ بینھم لا ینفردون برای حتی یتشاوروا و یجمعوا علیہ، وذلک من فرط تدبرھم و تیقظھم فی الامور وھی مصدر کالفتیا بمعنی التشاور! یعنی ان کے معاملات باہمی مشاورت والے ہوتے ہیں، کوئی ایک منفرد رائے نہیں قائم کرتے یہاں تک کہ باہم مشورہ کرنے اور اکٹھے ہونے کے بعد کوئی فیصلہ نہ کرلیں، یہ معاملات میں ان کے تدبر اور بیداری کی انتہا ہے، شوریٰ فتیا کی طرح مصدر ہے"

سورہ آل عمران کی آیت و شاورھم فی الامر کی قاضی بیضاوی نے یوں تفسیر کی ہے ۳۲ ۔!

"ای فی امر الحرب اذ الکلام فیہ او فیما یصح ان یشاور فیہ استظھارھم برایھم و تطیبا لنفوسھم و تمھید السنۃ المشاورۃ للامۃ (فاذا عزمت) فاذا وطنت نفسک علی شی بعد الشوری (فتوکل علی اللہ) فی امضاء امرک علی ماھوا صلح لک فانہ لا یعلمہ سواہ! یعنی ان سے مشورہ کیجئے جنگ کے معاملے میں، چونکہ گفتگو اسی سے متعلق ہے، یا ہر اس معاملے میں جس میں مشورہ کرنا درست ہو، ان کی رائے سے مدد لینے یا تائید کے لئے، ان کی دلجوئی کے لئے اور امت کے لئے مشاورت کو سنت بنانے کے لئے، سو جب آپ عزم کرلیں یعنی مشورہ کے بعد کسی بات پر آمادہ ہو جائیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے اور جو آپ کے لئے بہتر ہو وہ کر گزریئے، کیونکہ بہتری کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا"

زمخشری کی طرح قاضی بیضاوی بھی آیت شوریٰ کو انصار کے لئے مختص تصور کرتے ہیں تاہم مشاورت کو تدبر اور بیدار مغزی کی انتہا قرار دینا اسلام کے شورائی نظام کے لئے خراج تحسین ہے، اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم مشاورت کی حکمت تائید، دلجوئی اور امت کے لئے سنت قرار دینا بھی جہاں قاضی بیضاوی کے کمال اختصار کے لئے خراج تحسین ہے وہاں قرآن فہمی اور اسلام کے شورائی نظام سے آگاہی کی بھی دلیل ہے۔

اسلامی اندلس کے مفسرین میں ابو حیان الغرناطی متوفی ۷۵۴ھ کو ایک خاص مقام حاصل ہے، وہ سورت شوریٰ کی آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ الذین استجابوا (یعنی وہ لوگ

جنہوں نے دعوت حق پر لبیک کہا) اور وامرھم شوریٰ بینھم (ان کا نظام تو باہمی مشاورت والا ہے) انصار کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے دعوت اسلام پر لبیک کہا اور جب انہیں کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ باہم مشورہ کرتے تھے ۳۳۔ لیکن مکہ میں اسلام کے پروانے بننے والے اولین سابقین نے بھی تو دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہا تھا اور جیسا کہ آگے ابن اسحاق وابن ہشام وغیرہ کے حوالے سے آتا ہے یہ نفوس قدسیہ مکی عہد میں باہم مشاورت بھی کرتے تھے اس لئے میرے نزدیک مکی سورت میں مذکورہ فضائل سے ان مکی اسلاف ملت کو خارج سمجھنا ہرگز درست نہیں، اسی طرح یہ اوصاف اول تا آخر مکی عہد سے قیامت تک کے اہل اسلام کے لئے بھی عام ہیں کیونکہ شان نزول آیت کے سمجھنے کے لئے تو مفید و کارآمد ہو سکتا ہے مگر وہ کتاب اللہ کے حکم کو مقید اور محدود کرنے کا باعث نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی ابوحیان شوریٰ کے متعلق حسن بصریؒ کا قول بھی نقل کرتا ہے اور یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ حضورؐ جنگوں کے متعلق صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے، بعد میں صحابہ کرامؓ نے آپ کی اس سنت کو زندہ رکھا اور ارتداد کے متعلق مشورہ کیا، حضرت عمرؓ نے ہرمزان سے مشورہ کیا، حربی یعنی دشمن ملک والے کی میراث اور شراب خور کے لئے کوڑوں کی تعداد کے متعلق مشورہ ہوا لیکن یہاں اس کا یہ قول شوریٰ کی اہمیت کو خوب واضح ۳۴۔ کرتا ہے! "وفی الشوریٰ اجتماع الکلمہ والتحابی والتعاضد علی الخیر کہ شورائیت وسیلہ اتحاد بھی ہے، باہمی محبت اور بھلائی کے لئے ایک دوسرے کی تائید اور سہارا بننے کا موقع بھی ہے۔"

وشاورھم فی الامر کی تفسیر کے ضمن میں ابوحیان نے اسلامی نظام شوریٰ کے متعلق بہت قیمتی اور مفید ۳۵۔ باتیں کی ہیں مثلاً "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو صحابہ کرامؓ سے مشاورت کا جو حکم دیا ہے اس میں بہت سے فوائد ہیں، یہ لوگوں کی خوشدلی واطمینان کا باعث ہے، اس سے ان کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ ہوتا ہے کیونکہ یہ امر مشورہ لینے والے کی صاف دلی پر دلالت کرتا ہے جو انہیں مشورہ کا اہل تصور کر رہا ہے اور غزوہ احد میں لغزش کے بعد صحابہ کرامؓ کو پھر اپنے خواص میں شمار کرنے کی بھی دلیل ہے، اس سے بعد میں آنے والوں کے لئے قانون بنانا بھی مقصود ہے، جن امور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم نازل نہیں ہوا اس میں ان کی رائے سے تقویت و تائید بھی ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس دنیاوی معاملات کے متعلق مفید باتیں ہوں، ان کی عقول کی آزمائش سے ان کے مراتب کا تعین بھی ہو گا، انہیں فلاح وصلاح کے معاملات میں اجتہاد کرنے کا موقع بھی ملے گا، اس میں عربوں کی روایت پر عمل بھی موجود ہے جو امور میں مشورہ لینے کا معمول رکھتے تھے، اگر کسی کو مشورہ میں شریک نہ کیا جاتا تو اس سے اس کی دل شکنی ہوتی تھی اسی لئے تو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق انہیں مشاورت میں شریک کیوں نہیں کیا گیا؟"

ابن عطیہ کے حوالے سے ابو حیان کا یہ قول اسلام کے شورائی جمہوری نظام کی اہمیت کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ۳۶ ہے!

"وذکر المفسرون ہنا جملۃ مماورد فی المشاورۃ من الایات والاحادیث والاثار و ذکر ابن عطیۃ ان الشوری من قواعد الشریعۃ و عزائم الاحکام و من لایستشیر اہل العلم والدین فعزلہ واجب، ہذا مالا خلاف لہ، والمستشار فی الدین عالم دین وقل مایکون ذلک الافی عاقل! یعنی مفسرین نے اس آیت سورہ آل عمران کی تفسیر کے ضمن میں وہ آیات، احادیث اور اقوال نقل کئے ہیں جو مشاورت کے سلسلے میں وارد ہوئے ہیں ابن عطیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ شوریٰ اسلامی شریعت کے بنیادی اصولوں اور بڑے احکام میں سے ہے، جو حکمران اہل علم اور دیندار لوگوں سے مشاورت نہ کرے اسے معزول کرنا واجب ہے، یہ وہ بات ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، دینی معاملات میں مشیر وہی ہو گا جو عالم دین ہو گا اور دینی امور میں مشاورت صرف عاقل و دانا ہی دے سکتا ہے۔"

ہمارے علماء و مفسرین اس بات سے تو آگاہ ہیں کہ مشاورت سے گریز کرنے والا حکمران معزول ہونا چاہئے مگر حکمران کا تقرر و انتخاب کیسے ہو؟ اس پہلو پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی، دراصل ایک تو کوئی طریقہ انتخاب واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا دوسرے خلفائے راشدین کے انتخاب میں یکساں صورت قائم نہیں رکھی گئی تھی، حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے نامزد کرنے سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ کوئی حاکم اپنا جانشین خود بھی نامزد کر سکتا ہے، حالانکہ صدیقی طریقہ انتخاب ایک جدید ترین طریقہ انتخاب لگتا ہے، نامزد کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے کبار صحابہ کرامؓ سے کہا تھا کہ وہ لوگوں سے فرداً فرداً پوچھیں اور جب اکثریت کی طرف سے پسندیدگی کی اطلاع آئی تھی تو صدیق اکبرؓ نے اس پر بے حد خوشی واطمینان کا اظہار فرمایا تھا، یہ ایسے ہی ہے جیسے آج نامزدگی کے بعد عوامی رائے دہندگی کے مراحل مروج ہیں۔

ابن عطیہ کا یہ قول بھی قابل غور ہے کہ شورائیت قواعد شرع اور بڑے احکام میں سے ہے اور منکر مشاورت معزول و مردود ہے، اس کے بعد اسلام میں استبداد، آمریت، مطلق العنانی اور غاصب حکمرانوں کی گنجائش کہاں رہتی ہے؟!

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) نویں اور دسویں

صدی ہجری کے مفسر ہیں، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور منقولات پر مشتمل ان کی تصنیف ہے، انہوں نے سورہ شوریٰ اور سورہ آل عمران کی دونوں مذکورہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں احادیث و آثار اس طرح نقل کیے ہیں کہ مکی یا مدنی عہد سے متعلق ہونے کا بھی امتیاز مشکل ہے، یہاں پر راقم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیتی نظام کا حوالہ کہاں نظر آئے گا، تاہم سیوطی نے جس انداز سے یہ احادیث و اقوال بیان کئے ہیں اس سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ وہ جہاں مشاورت کو اہمیت دیتے ہیں وہاں نبوی نظام مشاورت کی اہمیت کا بھی واضح شعور رکھتے ہیں۔

سورہ شوریٰ کی آیت امرھم شوریٰ کے ضمن میں نقل شدہ احادیث میں سے ایک حضرت علیؓ والی حدیث ۳۷ ۔ بھی ہے، انہوں نے حضورؐ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ کے بعد کوئی ایسا مشکل مسئلہ درپیش ہو جس کے متعلق کتاب اللہ یا آپ کی سنت میں کچھ بھی نہ ملے تو کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا تھا! ایسی صورت میں میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کر کے انہیں مشورہ میں شامل کر لینا اور کوئی بات انفرادی رائے سے طے نہ کرنا، سیوطی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع حدیث بھی اسی ضمن میں نقل کی ہے کہ ۳۸ ۔!

"استرشدوا العقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا یعنی عقل سے رہنمائی لیتے رہنا ہدایت پاتے رہو گے، اور عقل کی نافرمانی نہ کرنا ورنہ تمہیں نادم ہونا پڑے گا"

سورہ آل عمران کی آیت وشاورھم کے ضمن میں سیوطی امام حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کرتے ۳۹ ۔ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا کہ آپ ان سے مشورہ کے محتاج نہیں ہیں مگر اس سے مقصود ربانی یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد آنے والوں کے لئے اپنی سنت چھوڑ جائیں، اور عمر بن الخطابؓ کے متعلق سفیان بن عیینہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ مشورہ آدھی عقل ہے اور عمر بن الخطابؓ تو عورتوں سے بھی مشورہ لیتے تھے، یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ جب وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تو اس مشاورت انسانی سے بے نیاز ہیں مگر میری امت کے لئے اس مشاورت کو اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے سو میری امت میں سے جو بھی مشورہ کرے گا وہ رہنمائی پانے سے محروم نہیں رہے گا اور جو یہ مشاورت ترک کر دے گا وہ گمراہی سے محفوظ نہیں ۴۰ ۔ رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم کی تشریح کرتے ہوئے یہ فرمانا بہت نمایاں اہمیت کا حامل ۴۱ ۔ ہے کہ!

"العزم مشاورۃ اھل الرای ثم اتباعھم یعنی اصحاب رائے سے مشورہ لینا اور پھر ان

کے اس مشورہ کا اتباع کرنا عزیمت ہے"

متاخر ادوار کے مفسرین اور خصوصاً دور غلامی اور نو آبادیاتی نظام کے دوران جن اہل علم نے تفسیر قرآن کے موضوع پر قلم اٹھایا وہ زیادہ تر تقلید اور نقل تک ہی محدود رہے ہیں، وہ نہ تو کوئی نئی بات کہہ سکے اور نہ مکی وحی ربانی اور دار ارقم ؓ کے حوالے سے مکی سورت شوریٰ کی اس اڑتیسویں آیت کی تفسیر و تشریح میں قدیم روایات کا جائزہ لے سکے، ظاہر ہے دور زوال وانحطاط میں ظاہر ہونے والوں سے ان باتوں کی توقع بھی نہیں ہونی چاہئے۔

ان احوال و ادوار کے نمائندہ مفسرین کے طور پر ہم یہاں دو ایسے مفسرین کے افکار پر ایک نظر ڈالیں گے جن کی تفسیریں اہل علم کے ہاں مقبول و معتبر تصور کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک تو علامہ محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ صاحب روح المعانی ہیں اور دوسرے نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، صاحب فتح البیان ہیں۔

آلوسی سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت کی تفسیر کے ضمن میں قدیم مفسرین کے اقوال و افکار نقل کرتے ہیں، البتہ ان کے ہاں ایک بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کا مدلول و مصداق انصار کو قرار نہیں دیا بلکہ ان کی یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ وہ شوریٰ کے بطور مصدر اور بمعنی وصف مدح و ستائش مستعمل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں (۴۲) کہ امرھم شوریٰ بینھم جملہ اسمیہ ہے جس کا عطف ایک جملہ فعلیہ پر ہے یہ جملہ اسمیہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مشاورت ان کا مسلسل معمول رہا تھا، اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی، سورہ آل عمران کی آیت کی تشریح میں آلوسی نے قنوجی کی طرح القرطبی اور ابن جریر کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے اور کسی نئی بات کا اضافہ نہیں کیا۔ نواب قنوجی نے تفسیر القرطبی کے حوالے سے سورہ شوریٰ اور سورہ آل عمران کی مذکورہ آیات کی تشریح و تفسیر ۴۳۔ کی ہے اور کسی نئی بات کا اضافہ نہیں کیا، اس لئے ان کا تکرار لاحاصل ہے۔

علامہ احمد مصطفیٰ المراغی صاحب تفسیر المراغی اگرچہ دور غلامی میں ہوئے اور سورہ شوری کی مشاورت کے متعلق آیت کی تشریح میں گزشتہ ادوار کے مفسرین خصوصاً طبری، قرطبی اور غرناطی وغیرہ کی خوشہ چینی کرتے ہوئے ہی نظر آتے ۴۴۔ ہیں مگر وہ مغرب کے پارلیمانی نظام سے آگاہ بھی نظر آتے ہیں اور اسے بنظر استحسان بھی دیکھتے ہیں، جب فرماتے ہیں کہ!

"ولامر ما اصبحت الحکومات فی العصر الحاضر لاتبت فی مہام الامور الا اذا عرضت علی مجالس الشوریٰ (البرلمان مجلس الشیوخ و النواب یعنی کسی نہ کسی وجہ سے (خلافت راشدہ کے شورائی نظام سے متاثر ہو کر؟!) عصر حاضر میں حکومتیں اہم

امور کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتیں جب تک انہیں مجالس شوریٰ (پارلیمینٹ، سینٹ اور ایوان نمائندگان) میں پیش نہ کریں"۔

سورہ آل عمران کی آیت وشاورھم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ۴۵۔ المراغی نے اسلام کے شورائی نظام پر بہت زور دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاقید اور تمیز جماعت صحابہ کرام ؓ کے مشوروں اور آراء کو ٹھنڈے دل سے سننا، ان پر عمل فرمانا اور امت کے اہل علم کا اس شورائی نظام کو سنت نبوی قرار دینا ان کے نزدیک بڑی مستحسن باتیں ہیں مگر اس پر وہ افسوس کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد کے خلفاء نے اس سنت نبوی کی پیروی نہ کی، بعد کے تمام ملوک اور حکام نے بھی اس سے روگردانی کی اور علمائے دین نے بھی اسے گوارا کر لیا جس سے غیر مسلموں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اسلام میں اقتدار حکومت استبدادی اور آمرانہ ہے اور شوریٰ تو اختیاری اور مرضی کی بات ہے حالانکہ یہ صحت وصواب سے بعید بات ہے، قرآن کریم تو شورائیت کی تصریح کر چکا ہے اور معصوم ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم بھی دیا گیا ہے، المراغی کا یہ قول تو سند ہونا چاہئے ۴۶۔!

"فالجماعة ابعد عن الخطاء من الفرد فی اکثر الحالات، ومایلنشاء من الخطر علی الامته بتفویض امرھا الی واحد، مھما حصف رایہ، اشد من الخطر الذی یترتب علی رای الجما یعنی اکثر حالات میں فرد کی نسبت جماعت غلطی سے زیادہ دور ہوتی ہے، فرد خواہ کتنا بھی صاف اور پختہ دماغ ہو امت کا معاملہ اس کے سپرد کرنے سے امت کو جو خطرہ ہوتا ہے وہ اس خطرے سے کہیں بڑا ہوتا ہے جو جماعت کی رائے کے نتیجہ میں سامنے آتا ہے۔"

علامہ المراغی کی یہ ۴۷۔ رائے قرآن فہمی کی معراج معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ؐ نے اس وقت شوریٰ کے لئے کوئی طے شدہ اصول اور طریقہ کار اس لئے نہ دیا تاکہ ہر زمان ومکان کے لوگ حسب موقع اسلام کے شورائی نظام پر عمل کے لئے بہتر سے بہتر صورت نکال سکیں!

اسلام کی معاصر علمی اور فکری تاریخ میں سید قطب مرحوم کا نام اور مقام بے حد نمایاں اور معتبر ہے، ان کی تفسیر فی ظلال القرآن کا ادبی اسلوب اور اس کے علمی نکات دونوں تسکین ذوق کا سامان بھی کرتے ہیں اور اسلام کی فکری راہوں کو بھی روشن کرتے ہیں، سید قطب نے اگرچہ دار ارقم ؓ کے حوالے سے تو کوئی بات نہیں کی مگر سورت شوریٰ کی اڑتیسویں آیت کی تفسیر کے ضمن میں ان کا یہ موقف منفرد اور قرآن فہمی کا نادر نمونہ نظر آتا ہے کہ شورائی نظام تو اسلامی جمعیت کے رگ وپے میں سمایا ہوا ہے، اسلام میں شورائی نظام محض نظم حکومت کی روح ہی نہیں جمعیت اسلام

کی عملی زندگی کی اساس اور امتیازی نشان بھی ہے، سید کے الفاظ ۴۸ ۔ ہیں!

"ومن ثم کان طابع الشوریٰ. فی الجماعۃ مبکرا، وکان مدلولہ اوسع واعمق من محیط الدولۃ وشئون الحکم فیہا، انہ طابع ذاتی للحیاۃ الاسلامیۃ وسمۃ متمیزۃ للجماعۃ المختارۃ لقیادۃ البشریۃ، وھی الزم صفات القیادۃ یعنی یہی وجہ ہے کہ اسلامی جماعت کے مزاج میں شورائیت کی چھاپ شروع ہی سے نمایاں تھی، شورائیت کی یہ چھاپ سلطنت اور اس کے انتظامی امور کے دائرے سے زیادہ وسیع اور گہری ہے، یہ چھاپ اسلامی جمعیت کی زندگی میں ایک جوہر اور روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس جماعت کی امتیازی نشانی ہے جسے انسانیت کی قیادت کے لئے چنا گیا ہے، نیز شورائیت کی یہ چھاپ قیادت کے لازمی اوصاف کی حیثیت رکھتی ہے۔"

سید قطب کے نزدیک شورائیت چونکہ اسلامی جماعت کی بنیاد، تانا بانا اور محور ہے جس کے گرد اس کی تمام زندگی گھومتی ہے، اس لئے یہ بھی قدرتی بات تھی کہ یہی فطرتی وصف شورائیت اس جماعت کی قائم کردہ حکومت کا محور اور اساس بھی قرار پائے، اسلامی حکومت اس اسلامی جماعت کا چونکہ حقیقی عکس اور قدرتی مظہر ہوتی ہے اس لئے اس میں بھی شورائیت کا نظام ہی کارفرما ہو گا، اسلامی معاشرہ کی طرح اسلامی حکومت کا بھی یہی فریضہ ہو گا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام کا عطا کردہ منہج اور نظام ہی جاری کرے۔

ان کے نزدیک شورائیت کا ڈھانچہ یا اس کی کوئی عملی شکل اسلام نے متعین نہیں کی بلکہ شورائی نظام کے لئے کوئی خاص تیار شدہ قالب مہیا کرنے کے بجائے اسے ہر زمانے کے اسلامی معاشرہ پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق جو شکل اور ڈھانچہ کھڑا کرنا چاہے کر سکے، اصلی مقصد یہ ہے کہ اسلام کی شورائی جمہوری روح کو زندہ و پائندہ رکھا جائے، یہاں پر سید قطب مرحوم و مغفور کے اپنے الفاظ مع ترجمہ پیش کرنے سے ان کے نزدیک اسلام کے عطا کردہ نظام حکومت کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد دیں گے، فرماتے ہیں ۴۹ ۔

"والنظم الاسلامیۃ کلہا لیست اشکالا جامدۃ ولیست نصوصا حرفیۃ، انما ھی قبل کل شئ روح ینشأ عن استقرار حقیقۃ الایمان فی القلب وتکییف الشعور والسلوک بہذہ الحقیقۃ یعنی اسلام کے عطا کردہ تمام نظام نہ تو کوئی جامد اشکال یا صورتیں ہیں اور نہ لفظوں میں بند کئے ہوئے خشک احکام ہیں بلکہ یہ تو ایک ایسی روح کے ترجمان ہیں جو دل میں ایمان کی حقیقت کے پختہ ہو جانے اور شعور و کردار کے اس حقیقت کے سانچے میں ڈھل جانے سے عبارت ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو سید قطب پر! جدید دور کی زبان میں بات کرتے ہوئے اور وحی ربانی کے حقائق کا ادراک کرتے ہوئے قرآن کریم کے عطا کردہ نظام زندگی، (شورائی جمہوری نظام جس کا ایک پہلو اور ایک حصہ ہے) کو اس طرح پیش فرمایا ہے کہ دارالاسلام دار ارقم ؓ کا نام لئے بغیر اس کے تاریخی بلکہ تاریخ ساز کردار کو اجاگر کر گئے ہیں، جس دین حق کی بنیاد اجتہادی آراء اور مختلف دماغوں کے نقطہ ہائے نظر کو شورائیت کے ذریعہ سامنے لاکر صحیح ترین اور سب سے زیادہ مفید فیصلے حاصل کرنے پر قائم ہو اس دین کے ماننے والے اگر ایک پرامن اور پرسکون پناہ گاہ میں ایک مدت تک اکٹھے رہے ہوں گے تو کیا وہ اس پناہ گاہ میں باہمی مشاورت نہیں کرتے ہوں گے؟!

سید قطب کی ان آراء کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام جس وسیع اور ہمہ پہلو محیط نظام زندگی کا علمبردار ہے اس میں کسی قسم کی استبدادی آراء اور آمرانہ روشوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں، ان آراء اور روشوں کا تعلق دین سے ہو یا سیاست سے، علم سے ہو یا فن سے کہیں بھی اپنی ضد کو ٹھونسنے اور دوسرے کی روشن دماغی کو دبانے یا کچلنے کا کوئی جواز نہیں ہے، یہاں سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس نظام زندگی میں کسی قسم کی گروہ بندی (سیاسی ہو یا دینی یا کوئی اور) کی قطعی گنجائش نہیں ہے، اور ہماری موجودہ تمام گروہ بندیاں اسلام کے نظام زندگی سے اعراض یا عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں، اور یہ گروہ بندیاں ختم بھی تب ہو سکتی ہیں جب اسلام کی حقیقی روح یعنی اختلاف امت کو صرف رحمت تصور کر لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تسلیم کر لیا جائے۔

سورہ آل عمران کی آیت وشاورھم فی الامر کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے سید قطب نے جہاں بڑی تفصیل اور زور دار اسلوب بیان سے اپنی بات کو قاری کے ذہن نشین کیا ہے وہاں اسلام کے شورائی جمہوری نظام کے اہم خدوخال کو بھی اس انداز سے واضح کر دیا ہے کہ کسی قسم کا شک و شبہ یا تشنگی باقی نہیں رہتی، اسلام کے سیاسی فکر کی تاریخ میں سید قطب کی یہ قیمتی آراء ایک سنگ میل ثابت ہوں گی، فی ظلال القرآن کے جنت نشین اور جلیل القدر مصنف نے لاملوکیۃ فی الاسلام (اسلام میں تو بادشاہت ہے ہی نہیں) کا مدعا خوب واضح کیا ہے اور امت اسلامیہ پر مسلط ہونے والے آمروں، مطلق العنان بادشاہوں اور استبدادی روش رکھنے والے حکمرانوں کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب اسلامی جمہوریت میں مسلم مفکرین کی آراء کا جائزہ لیتے ہوئے سید قطب کے متعلق جو لکھا تھا اس پر آج بھی سختی سے قائم ہیں اور اسے قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب بھی سمجھتے ہیں ۵۰۔

"سید قطب شہید ہمارے عہد کے عظیم المرتبہ سیاسی مفکر و مفسر قرآن ہیں آمرانہ طرز

حکمرانی کی شدید ترین مخالفت اور اسلام کے شورائی جمہوری نظام کی زور دار تائید میں ان کے برابر کا کوئی مفکر نہیں ہو گا، ان کی رائے یہ ہے کہ بڑی روشن خیال اور بیدار مغز انفرادی قیادت کا موجود ہونا اگر شورائی جمہوریت سے بے نیاز کر سکتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے بڑا قائد کون ہو سکتا ہے؟ آنحضرت ؐ کی موجودگی میں بلکہ نزول وحی کے عین عہد مبارک میں اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت امت اسلامیہ کی مشاورت کو مقدم رکھنے اور اسے اپنا کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کرنا ضروری سمجھتی ہے تو اس سے یہ اندازہ ہو جانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندگان حق کی رائے کے احترام کے کیا معنی ہیں، یہاں تک کہ احد کے موقع پر اسلام کے مستقبل کو خطرات سے دو چار کرنا بھی قدرت خداوندی کو گوارا تھا لیکن اکثریت کو رائے کے حق سے محروم کرنا مصلحت و منشائے ربانی نہ تھا سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۹ کی تشریح کے ضمن میں سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ اس نص قطعی (وشاورھم فی الامر) کی رو سے دین اسلام نظام حکومت کا ایک ابدی اصول دیتا ہے خواہ اس نظام حکومت کی سربراہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، یہ ایک ایسی نص قطعی ہے جو امت مسلمہ کے لئے اس بات میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتی کہ اسلام میں شورائی نظام حکومت ایک بنیادی اصول ہے اسلام کا نظام حکومت تو اس اصول کے سوا کسی اور اساس پر قائم ہی نہیں ہو سکتا، رہی شکل و صورت اور اس کی تکمیل کے وسائل تو یہ امت مسلمہ کے احوال و لوازمات زندگی کے مطابق بحث و تمحیص اور ارتقائی طریقہ کار کے محتاج رہیں گے ہر وہ شکل و صورت اور تمام وسائل تکمیل جن سے حقیقی، ظاہری نہیں۔ شورائی نظام کا قیام ممکن ہو وہی اسلام کے شورائی نظام کا مقصود ہو گا۔"

آپ نے دیکھا کہ مشاورت یا اسلام کے نظام شورائیت کے متعلق مفسرین کرام کی تاویلات اور شارحانہ موقف کچھ عجیب سا ہے، اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کی اکثریت نے وامرھم شوریٰ بینھم کی تشریح کے ضمن میں مکی عہد نبوت کے دوران میں اہل اسلام کے مشکل مراحل اور نازک مسائل کی طرف توجہ نہیں دی جو طویل مشاورت اور گہری سوچ بچار کے محتاج تھے، اگر مکی عہد کے واقعات سیرت کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر پر غور کیا جاتا تو پھر کاروان اسلام کی پہلی منزل دار ارقم ؓ کی طرف بھی دھیان ضرور جاتا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکی عہد کے واقعات آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہوں، اسی طرح وشاورھم فی الامر کی تفسیر کرتے وقت اس بات پر فقیہانہ توجہ تو مرکوز رہی کہ حضور ؐ کو یہ امر وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے اور یہ کہ مشاورت امور دین کے متعلق ہونا تھی یا صرف امور دنیا تک محدود تھی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شوروی اور خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں اس پر عمل اور نظام مشاورت کے حوالے

سے اسلام کے عظیم الشان شورائی نظام کی ترویج اور جمہور المسلمین کی طرف سے اپنے حکمران کے احتساب کے حوالے سے شاذ و نادر ہی بات کی گئی ہے، اکثر و بیشتر ہر متاخر اپنے سے متقدم کی نقل اور تقلید پر اکتفا کرتا رہا ہے، آیت شوریٰ کے شان نزول اور ان کے مصداق پر بہت توجہ صرف کی گئی، کسی بزرگ نے کہہ دیا کہ سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں آیت کے دو حصے جن میں سے ایک میں دعوت حق پر لبیک کہنے اور دوسرے میں مشاورت سے معاملات طے کرنے کا ذکر ہے ان دونوں سے مراد انصار کا طرز عمل ہے جو انہوں نے اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں اپنا رکھا تھا (حالانکہ جنگ بعاث کے واقعات، یہودیوں کی سازشوں اور حکم قرآنی کے مطابق ان کی عداوت باہمی کا آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ جانا قابل توجہ ہے) یا اس سے ہجرت نبوی سے قبل اور بیعت عقبہ کے بعد انصار مدینہ کا باہمی مشورہ مراد ہے، اس قول بزرگانہ میں عجیب بات یہ ہے کہ اس کی رو سے زمانہ جاہلیت کی مشاورت تو قابل ستائش ٹھہرتی ہے مگر تیرہ سالہ مکی عہد میں ہجرت سے قبل سابقین اولین مہاجرین کی مشاورت جسے مکی سورت شوریٰ میں وحی ربانی قابل ستائش قرار دے رہی ہے، وہ اس زمرے میں نہیں آ رہی!

بعض مفسرین نے شوریٰ کو شریعت کی بنیاد مانا ہے مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں سے مشاورت کو جس اہتمام کے ساتھ اپنا معمول بنایا پھر خلفائے راشدین نے اس سنت نبوی کو جس طرح حرز جاں بنایا اس سے ان اہل علم کا تسامح و اغماض اس بات کا غماز ہے کہ استبداد ملوکیت اور نطع و سیف کی دہشت نے شورائی جمہوری روح کو امت کے رگ و پے سے کھینچ نکالا تھا، بہت بعد کے جہابذہ تفسیر نے اس حقیقت کا ادراک کیا اور اس تسامح کی تلافی کی کوشش کی، ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ یہ اہل علم خلیفہ کو معزول کرنے یا اس منصب پر باقی رکھنے کی بات تو کرتے ہیں مگر قیام خلافت یا انتخاب و تقرر خلیفہ کا تذکرہ نہیں فرماتے، مسئلے کے اس پہلو سے چشم پوشی کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافت بھی ملوکیت کی طرح موروثی اور ولی عہدی کی رسوم کے تابع ہو چکی تھی اور اسے حضرت عمرؓ کی نامزدگی پر قیاس کر لیا گیا تھا، حالانکہ حضرت عمرؓ، حضرت صدیق اکبرؓ کے ولی عہد نہ تھے بلکہ انہیں نامزد کر کے اصحاب حل و عقد کی تائید حاصل کی گئی تھی پھر بیعت عامہ ہوئی تھی اس طرح یہ تو جدید ترین طریقہ انتخاب کے مطابق تھا۔

بہرحال اسلامی تاریخ کی چودہ صدیوں کے دوران امت مسلمہ میں پیدا ہونے والے ان مفسرین قرآن کی آراء اور نکات کا ایک خاکہ ہمارے سامنے ہے، ان بزرگوں میں سے اکثر نے تو امرھم شوریٰ کا مصداق انصار مدینہ کے سابقین اولین کو ٹھہرایا ہے کیونکہ ایک بزرگ نے فرما دیا تھا کہ نزلت فی الانصار (یہ انصار کے بارے میں اتری ہے) اس لئے سب نے اسی قول کی پیروی پر

اکتفا کیا، جب کہ مفسرین کی ایک معقول تعداد نے اس آیت شوریٰ میں مذکور دیگر اوصاف مومنین کی طرح باہمی مشاورت کے وصف کو بھی غیر مختص اور غیر مقید مانا ہے، گویا شورائیت کی صفت عام اہل ایمان کی صفت ہے جن میں مکہ و مدینہ کے سابقین اولین، خواہ مہاجر ہوں خواہ انصار یا بعد کے ادوار میں پیدا ہونے والے افراد امت ہوں، سب اس وصف کے حامل ہوں گے، لیکن بعض اہل علم ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے دیگر اوصاف کی طرح وصف شورائیت کا اولین مصداق سابقین اولین مہاجرین کو مانا ہے اور اسے امت مسلمہ کا ایک نہائت اہم اور امتیازی نشان تسلیم کیا ہے، تاہم ان بزرگوں میں سے کسی نے وامرھم شوریٰ کی تشریح و تفسیر دار الشوریٰ. الاولی دار ارقم ؓ کے حوالے سے نہیں کی اور نہ کسی نے یہ کہا ہے کہ امرھم شوریٰ کا اولین مدلول و مصداق وہ اہل ایمان ہیں جو دار ارقم میں مقیم ہوئے اور سابقین اولین مہاجرین کہلائے، اس بات کا تذکرہ بھی کسی نے نہیں کیا کہ مکی عہد نبوت کے دوران جس دار ارقم میں اہل ایمان اپنے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں مقیم تھے وہ اگر دار الاسلام یا مرکز دعوت اسلامیہ، حکمت نبوی کی تعلیم اور وعظ و تذکیر پیغمبرانہ کے لئے گوشہ امن و عافیت تھا تو وہ اسلام کا اولین دار الشوریٰ. کیوں نہیں ہو سکتا۔

لیکن ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکی عہد نبوت کے تیرہ سالہ دور میں اہل اسلام باہمی مشاورت سے کام انجام دیتے تھے اور ان کے ہاں مہمات الامور میں شورائی نظام کا رواج تھا اور مکی سورت شوریٰ. میں اس وصف کو اہل اسلام کے امتیازی اوصاف میں شمار کیا جانا اس بات کی قطعی دلیل ہے، پھر اشرف المخلوقات کے لئے احسن تقویم اور لقد کرمنا کے اعلان واجب الازعان سے آدمیت کا بول بالا کرنے والے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اہتمام سے مدنی عہد نبوت میں تمام مہمات الامور میں نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام ؓ کو شریک مشورہ رکھا بلکہ اکثر و بیشتر ان کے مشوروں پر عمل بھی فرمایا بلکہ ایسی کوئی مثال مشکل ہی سے ملے گی جب آپ ؐ نے اپنے جاں نثاروں کا مشورہ نہ مانا ہو، احترام آدمیت کے علمبردار اس رسول صادق و امین ؐ کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ مکی عہد میں سابقین اولین سے مشورہ نہ کرتے ہوں گے، یہ سوچنا بھی بعید از قیاس ہو گا کہ دار ارقم ؓ میں انفرادی و اجتماعی عبادت بھی ہوتی ہو، تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے مبلغین بھی تیار کئے جاتے ہوں، سرداران قریش میں سے بعض کے قبول اسلام کے لئے مشترکہ دعائیں بھی ہوتی ہوں، تعلیم و تربیت اور وعظ و تذکیر کے حلقات بھی منعقد ہوتے ہوں مگر دار ارقم میں فروکش جمعیت اسلام درپیش خطرات اور مسائل کے لئے مجالس مشاورت منعقد نہ کرتی ہو، جب کہ اس جمعیت میں صدیق اکبر ؓ، عثمان غنی ؓ،

عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ، مصعب بن عمیرؓ اور صہیب رومیؓ جیسے دانا و بینا یاران وفا اور سرکردہ لوگ موجود ہوں، خصوصاً ایسے حالات میں کہ دار ارقم میں فروکش یہ چھوٹی سے جمعیت قسم قسم کے فتنوں اور خطرات میں بھی گھری ہوئی ہو۔

مکی عہد کی وحی ربانی کی سورت شوریٰ کی زیر بحث آیات میں مذکور اہل ایمان کے اوصاف کا بیان پہلے گزر چکا، ان اوصاف میں سے ایک وصف شورائیت بھی تھا، اس عہد میں اہم معاملات کے متعلق باہمی مشاورت منعقد ہونے کے اشارات بھی آئے ہیں، اس صبر آزما عہد میں دار ارقمؓ کو جب دار الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہونا ثابت ہے تو اس دار الاسلام کے دار الشوریٰ ہونے کے امکان کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اذیت رسانی اور ستم رانی کے حد سے بڑھ جانے کے بعد گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا، یہ کام سوچے سمجھے بغیر انجام پانے والا بھی نہ تھا اسی طرح پہلی ہجرت حبشہ سے قبل سرزمین حبشہ کے حکمران کے متعلق معلومات کا ہونا بھی ضرورت کا تقاضا تھا ورنہ سابقین اولین کی جماعت کو خطرات سے دوچار کرنا بھی معقول بات نہ تھی، سیرت ابن ہشام کی صراحت کے مطابق صحابہ کرامؓ سے لسان نبوی کا یہ تخاطب اجتماعی اس بات کی بھی غمازی کر رہا ہے کہ یہ خطاب نبوی کسی اجتماع میں جماعت صحابہ کرامؓ سے ہو رہا ہے اور سرزمین حبشہ کو عدل و صدق کی سرزمین قرار دیا جا رہا ہے ۵۱۔ تو اس کے متعلق مکمل و مصدقہ معلومات بھی زیر بحث آئی ہوں گی چنانچہ فرمایا گیا۔

> "قال لهم لو خرجتم الی ارض الحبشة فان بها ملكا لا يظلم عنده احد وهي ارض صدق حتى يجعل الله لكم فرجا مما انتم فيه یعنی حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا! اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشکل سے نجات دلا دے جس میں تم گرفتار ہو۔"

ہجرت حبشہ (پہلی اور دوسری) کے واقعات دار ارقمؓ میں کاروان اسلام کے فروکش ہونے کے بعد کے واقعات ہیں، پانچویں یا چھٹے سال نبوت میں جب حضرت عمرؓ اسلام سے مشرف ہوئے تو ہجرت حبشہ وقوع پذیر ہو چکی تھی ۵۲۔ اور پیچھے رہ جانے والوں اور بعد میں اسلام سے مشرف ہونے والوں کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی تھی اس لئے یہ بات بعید از امکان معلوم نہیں ہوتی کہ ہجرت کا یہ اہم معاملہ بھی دار ارقم میں مشاورت سے ہی طے ہوا ہو گا۔ ۵۳۔

ایک غلط اطلاع کے نتیجہ میں مسلمان حبشہ سے واپس آ گئے اور دوبارہ ہجرت حبشہ ثانیہ کا

فیصلہ ہوا تو اس موقع پر جو تبادلہ خیال ہوا اس کی جھلک حضورؐ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان ہونے والے مکالمہ میں نظر آتی ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے ۵۴۔! "حضرت عثمانؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کے ملک میں ہم پہلی ہجرت کر چکے ہیں اور اب یہ دوسرا موقع ہے مگر اب کے بھی آپ ہمارے ہمراہ نہیں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ اور میری طرف سے ہجرت کرنے والے ہو، یہ دونوں ہجرتیں تو صرف تم سب کے لئے ہیں، تب حضرت عثمان نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اب ہمارے لئے یہی تسلی کافی ہے۔"

سرکار دوعالمؐ اور آپ کے جلیل القدر صحابی کی یہ گفتگو بھی مشاورت کا رنگ لئے ہوئے ہے اور کسی گزشتہ مشاورت کی غماز بھی ہے اس میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضورؐ نے کہیں اپنے صحابہ کرامؓ سے ہجرت کے متعلق پہلے تفصیلی گفتگو کی تھی اور کوئی فیصلہ ہوا تھا جس کا اور کہیں تو ذکر نہیں ملتا مگر حضرت عثمانؓ کی یہ گزارش کہ اس دوسری ہجرت میں بھی آپ ہمارے ساتھ نہیں، یہ ظاہر کرتا ہے کہ کبھی آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ ہجرت کرنے کا فیصلہ فرمار کھا تھا، یہ گفتگو اور یہ مشورہ بھی دارارقم میں ہونا قریب از امکان ہے۔

اب ہم سیرۃ ابن اسحاق سے ایک اقتباس پیش کریں گے جو اس حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کرتا ہے کہ مکی عہد نبوت میں شمع رسالتؐ کے پروانے کسی جگہ اکٹھے ہوتے تھے اور نازک سے نازک اور مشکل سے مشکل مسائل پر آزادانہ اظہار خیال ہوتا تھا یہاں مشاورت کے بعد بہترین رائے کو شرف قبولیت بخشا جاتا تھا، ابن اسحاق لکھتے ہیں۔ ۵۵۔

"یونس نے حبیب اسدی کی وساطت سے مسلم بن صبیح کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اب ہماری اچھی خاصی تعداد ہو چکی ہے اگر آپ ہم میں سے دس دس کے جتھے کو حکم دیں تا کہ وہ سرداران قریش میں سے ایک ایک آدمی کو راتوں رات لے آئیں اور پکڑ کر قتل کر دیں تو اس طرح دشمنوں کا صفایا ہو جائے گا اور صبح تک شہر میں ہمارا غلبہ ہو چکا ہو گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تجویز خوش کن تھی اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ہویدا ہو گئے، اس دوران میں حضرت عثمان بن عفان اٹھے اور عرض کیا۔ "یارسول اللہؐ یہ سرداران قریش ہمارے بیٹے، ہمارے باپ اور ہمارے بھائی بند ہیں" حضرت عثمانؓ اس فقرے کو لگاتار دوہراتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تجویز کو برا جانا اور ناراضی کے آثار آپ کے چہرہ مبارک پر نمودار ہوئے، پھر حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے۔" اب کوئی بھی منصف مزاج قاری اس عبارت کو پڑھنے کے بعد اس مجلس مشاورت کو اپنی چشم تصور سے دیکھ سکتا ہے جو مکہ مکرمہ کے کسی گوشہ عافیت میں منعقد ہے، سب پروانے شمع

رسالت کے گرد جمع ہیں، سیدنا عثمانؓ اٹھتے ہیں، اپنی رائے دیتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں چونکہ صائب مشورہ تھا اس لئے مان لیا گیا، وامرھم شوریٰ کی صداقت عیاں ہو گئی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ گوشئہ عافیت دار ارقم کے سوا اور کون ہو سکتا تھا لہٰذا یہاں سے اس تاریخ ساز مکان کے اسلام کا اولین دار الشوریٰ ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے، صحابہ کرامؓ کا اختلاف رائے کرنا، کھل کر بات کرنا اور اسے خندہ پیشانیوں سے برداشت کیا جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔

امر ھم شوریٰ اور دار الشوریٰ

۱ = تفسیر طبری ۲۵/۲۱

۲ = ایضاً

۳ = ایضاً ۴/۹۴

۴ = ایضاً

۵ = ایضاً

۶ = ایضاً

۷ = ایضاً

۸ = ایضاً

۹ = ایضاً

۱۰ = ایضاً

۱۱ = معالم التنزیل ۴/۱۲۷

۱۲ = ایضاً ۲/۴۳۸

۱۳ = ایضاً

۱۴ = ایضاً

۱۵ = الکشاف ۳/۴۷۲

۱۶ = ایضاً ۱/۴۷۲

۱۷ = مفاتیح الغیب ۲۷/۱۷۷

۱۸ = ایضاً ۹/۶۵ - ۶۷

۱۹ = ایضاً ۹/۶۶

۲۰ = مطبوعہ نسخہ میں وکان میلہ الیٰ ان یخرج غلط ہے لا یخرج ہونا چاہیے۔

۲۱ = مفاتیح الغیب ۹/۶۶

۲۲ = ایضاً ۹/۶۷

۲۳ = تفسیر القرطبی ۲۶/۳۶ - ۳۸

۲۴ = ایضاً ۴/۲۴۹ - ۲۵۳

۲۵ = ایضاً ۴/۵۱

۲۶ = تفسیر الخازن ۱/۱۲۷

۲۷ = ایضاً

۲۸ = تفسیر ابن کثیر ۴/۱۱۸

۲۹ = ایضاً ۱/۴۲۰ - ۴۲۲

۳۰ = ایضاً ۱/۴۲۰

۳۱ = تفسیر البیضاوی ۲/۱۹۶

۳۲ = ایضاً ۱/۷۹

۳۳ = تفسیر الخرناطی ۷/۵۲۳

۳۴ = ایضاً

۳۵ = ایضاً ۳/۹۸ - ۹۹

۳۶ = ایضاً ۲/۹۹

۳۷ = الدر المنثور ۶/۱۰

۳۸ = ایضاً

۳۹ = ایضاً ۲/۹۱

۴۰ = ایضاً

۴۱ = ایضاً

۴۲ = روح المعانی ۲۵/۴۲

۴۳ = فتح البیان ۲/۱۵۷، ۸/۲۸۲

۴۴ = تفسیر المراغی ۲۵/۵۲ - ۵۳ ۔۔۔ ۴۵ = ایضاً ۴/۱۱۳ - ۱۱۶

۴۶ = ایضاً ۴/۱۱۳ ۔۔۔ ۴۷ = ایضاً ۴/۱۱۴

۴۸ = فی ظلال القرآن ۲۵/۴۰ ۔۔۔ ۴۹ = ایضاً ۲۵/۴۷

۵۰ = اسلامی جمہوریت ص ۷۲ ۔۔۔ ۵۱ = سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۰۴
فی ظلال القرآن ۴/۱۱۲

۵۲ = الکامل فی التاریخ ۱/۲۰۴، اسلامی جمہوریت ص ۵۰، بذل القوۃ ص ۱۶

۵۳ = اسلامی جمہوریت ص ۵۰ - ۵۱ ۔۔۔ ۵۴ = ایضاً

۵۵ = اردو ترجمہ سیرۃ ابن اسحاق نقوش رسول نمبر ۱۱/۲۰۳

دار ارقمؓ مکی عہد نبوت کے بعد

مکی عہد نبوت و رسالت کے بعد اولین دار الاسلام (اسلام کے مرکز یا گھر) یعنی دار ارقمؓ کے حوالے سے اب دو باتیں قابل غور اور تحقیق و مطالعہ کی مستحق ہیں ایک تو یہ ہے کہ خود اس عمارت پر کیا بیتی جو کہ صفا کے دامن میں واقع تھی اور قبیلہ بنو مخزوم کے ایک ایسے پر جوش، پر عزم اور عاقل و دانا نوجوان کی ملکیت تھی جسے حافظ شمس الدین ذہبی جیسا جلیل القدر محدث عقلائے قریش میں شمار کرتا ہے (۱) لیکن خود اسے اور اس کے نامور خاندان کو اپنے سابع الاسلام (یعنی اسلام قبول کرنے والا ساتواں آدمی) ہونے پر فخر تھا (۲) یہ فخر و اعزاز جاوداں سیدنا ارقم بن عبد مناف مخزومیؓ کو حاصل ہوا جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا تن من دھن حتیٰ کہ اپنی عظیم الشان حویلی (دار ارقم) بھی اسلام اور اہل اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔

اس اولین دار الاسلام کے حوالے سے دوسری اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ جس بے مثال و بینظیر تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور شاندار شورائی، جمہوری روایت، اخوت و مساوات اور مسلم معاشرہ کی ذمہ دارانہ اجتماعی خبر گیری کی بنیاد اس دار ارقم میں پڑی تھی بعد میں اس نظام لاثانی کے تسلسل یا انجام کی کیا صورت رہی؟ ہجرت کے بعد اسے مزید پھلنے پھولنے اور پنپنے کا کس طرح موقع ملا اور بالآخر اس پر استبداد و جہالت نے کس طرح دبیز پردے ڈال کر اسلام اور امت اسلام کو نقصان پہنچایا؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو یہ حقیقت تو ہم جان ہی چکے ہیں کہ ہجرت کے بعد محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاقل و دانا، پرجوش و پرعزم مگر مخلص و جاں نثار صحابی کی قدر شناسی و عزت افزائی فرماتے ہوئے مدینہ منورہ کے ایک خاص علاقے میں ایک الگ قطعہ زمین عطا فرما

دیا تھا جہاں مکہ مکرمہ والے دار ارقم ؓ کی حسین یاد اور شاندار روایت کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے مدینہ منورہ میں بھی ایک دار ارقم ؓ تعمیر کیا گیا جو مدتوں اسی نام سے تاریخ میں مشہور و متعارف رہا اور ان کی آل و اولاد کے لئے مرکز و پناہ گاہ کی حیثیت سے باقی رہا، (۳) تاھم مکی دار ارقم کے مقابلے میں مدنی دار ارقم کو نہ تو تاریخ ساز کردار سونپا گیا اور نہ اسے اتنی اہمیت حاصل ہوئی کیونکہ مدینہ منورہ میں دار ارقم کا کردار صفہ اور مسجد نبوی کو سونپ دیا گیا تھا، تو گویا مدنی دار ارقم کو جب تاریخ ساز کردار نہ ملا تو اسے مکی دار ارقم والی اہمیت بھی حاصل نہ ہو سکی، تاہم یہ مدنی دار ارقم جب تک باقی رہا، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی احسان شناسی اور اسلام کے اصولوں بل جزاء الاحسان الاالاحسان (احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہوتا ہے) (۴) کی یاد دلاتا رہا۔

مکی دار ارقم چونکہ تاریخ اسلام کی اولین وقف عمارت تھی جس کے لئے قدرت نے ایک تاریخ ساز کردار مقدر کر دیا تھا اس لئے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے اس حویلی کو وقف علی الاولاد قرار دیتے ہوئے یہ وصیت فرمادی تھی کہ چونکہ یہ دار الاسلام بیت اللہ کے قرب و جوار میں واقع ہے اور تحریک اسلامی سے اس کا تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز تعلق ہے اس لئے اس مکان کی خرید و فروخت ممنوع ہوگی۔ (۵) علامہ محمد بن سعد لکھتے ہیں کہ انہوں نے وقف کی تختی خود دیکھی تھی جس پر لکھا تھا "ہذا ما قضی الارقم فی ربعہ ماحاز الصفا انہا محرمتہ بمکانہا من الحرم لا تباع ولا تورث" یعنی یہ فیصلہ ارقم نے اپنی اس حویلی کے بارے میں کیا ہے جو صفا کے مقابل واقع ہے کہ حرم کے پاس ہونے کے باعث یہ بھی محترم ہے، نہ فروخت ہوگی نہ کسی کو ورثہ میں ملے گی۔" (۶)

ایک طویل مدت تک سیدنا ارقم ؓ کی اس وصیت پر عمل ہوتا رہا اور اس میں ان کی آل و اولاد کے لوگ مقیم رہے اور اس عمارت سے انہیں مالی منفعت بھی میسر آتی رہی مگر عباسی عہد میں سیاسی ہیر پھیر کے باعث دار ارقم کی قدیم حیثیت باقی نہ رہنے دی گئی۔ ابن سعد (۷) نے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب فریضہ حج ادا کیا تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے اسے حضرت ارقم کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض بچوں کی حرکات ناگوار محسوس ہوئیں، سعی کرنے والی جگہ پست تھی اور مکان بلندی پر واقع تھا، مکان کی چھت پر سے بچے اسے دیکھتے اور گھورتے رہے، شاھانہ مزاج اس گستاخانہ حرکت کی تاب کہاں لا سکتا تھا، منصور نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ یہ مکان اولاد ارقم کے قبضہ میں نہیں رہنے دیا جائے گا، چنانچہ حضرت ارقم ؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان بن ارقم کو ایک الزام میں گرفتار کرا کر مدینہ منورہ کے جیل خانہ میں بند کرا دیا اور رہائی کے لئے ایک شرط یہ رکھی کہ وہ کچھ رقم لے کر دار ارقم میں اپنا حصہ عباسی خلیفہ کو فروخت کر دیں، یوں وہ سترہ ہزار دینار میں یہ حصہ خریدنے میں کامیاب ہو گیا، بعد میں خاندان کے دیگر افراد نے

بھی اپنے حصص منصور کے ہاتھ فروخت کر دیئے، عباسی خلیفہ مہدی نے یہ مکان اپنی چہیتی بیوی ملکہ خیزران کے نام کر دیا جو خلیفہ ہارون الرشید کی ماں تھیں، پس دار ارقم پر دار الخیزران کی تختی لگ گئی اور یوں استبداد ملوکیت اسلام کی ایک شاندار روایت مٹانے اور تاریخ کو مسخ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ (۸)

بیت اللہ شریف کی تاریخ کو حفاظت و ترتیب کے ساتھ ریکارڈ کرنے میں مسلمان اہل علم و دانش نے بڑی عقیدت و اہتمام سے کام لیا ہے، ان میں سب سے پہلا نام علامہ ابو الولید محمد بن عبداللہ ازرقی متوفی ۲۲۳ھ کا ہے۔ ان کی تصنیف "اخبار مکہ وماجاء فیہما من آلاثار" اولین و معتبر ماخذ شمار ہوتی ہے، قدیم شہر مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں پہاڑوں، محلوں، مکانات اور گلی کوچوں کے متعلق مستند معلومات وہ اس میں جمع کر گئے ہیں۔ وہ قبیلہ بنو مخزوم کی ایک شاخ بنو عائذ کے ڈیروں اور ٹھکانوں کا ذکر کرتے ہوئے دار ارقم کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ۹۔

"ربع (حویلی یا ڈیرہ) آل ارقم بن ابی ارقم (اور ابو ارقم کا نام عبد مناف بن ابی جندب اسد بن عداللہ بن عمر بن مخزوم ہے) اب بھی صفا کے پاس موجود ہے اور دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ایک مسجد ہے جہاں نماز ادا کی جاتی ہے، یہ مسجد پہلے گھر تھا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی آنکھوں سے اوجھل یکسو ہو کر رہتے تھے، آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم یہاں حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم کے ہاں اکٹھے ہوتے، آپ انہیں قرآن کریم پڑھاتے اور ان کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے، اسی جگہ حضرت عمر بن الخطاب بھی مشرف بہ سلام ہوئے تھے۔"

اسی کتاب کا فاضل محقق دار ارقم کا ان الفاظ میں مختصر ذکر کرتا ہے۔

"دار ارقم بن ابی ارقم صفا کے علاقے میں واقع ہے اور یہ وہی حویلی ہے جہاں بعثت نبوی کے آغاز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام تک مسلمان نماز ادا کیا کرتے تھے" معلوم ہوتا ہے کہ شفاء الغرام باخبار البلد الحرام کے مصنف امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المکی متوفی ۸۳۲ھ کے عہد تک مکہ میں عہد نبوی کے کئی آثار مساجد اور زیارت گاھوں میں بدل گئے تھے وہ لکھتے ہیں (۱۱)

"مکہ مکرمہ میں آثار و زیارت گاھوں میں سے ایک دار ارقم مخزومی بھی ہے جو صفا کے پاس واقع ہے اور اب دار الخیزران کہلاتا ہے، یہاں مرکز زیارت وہ مسجد ہے جو اس حویلی میں ہے اور مشہور ہے، یہ ان مساجد میں سے ایک ہے جن کا

تذکرہ علامہ ازرقی نے کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یکسو ہو کر رہتے تھے، یہیں حضرت عمرؓ اسلام لائے۔"

سرزمین سندھ کے نامور سپوت اور علوم عربیہ و اسلامیہ کے مایہ ناز عالم مولانا محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی رحمتہ اللہ نے اسلام کی اس عظیم الشان روایت کو استبداد شاہی کی دبیز چادر کے نیچے چھپے ہوئے دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں۔ (۱۲)

"دار ارقم مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے قریب کوہ صفا سے متصل اب تک موجود ہے اور آج کل دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے، ہارون الرشید کی والدہ خیزران حبشیہ نے اس کی جدید تعمیر کرائی تھی اور بطور تبرک اسے مسجد کی شکل دے دی تھی، راقم الحروف جب ۱۱۳۵ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوا تو دار ارقمؓ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔"

ہمارے عہد سے تقریباً ایک صدی قبل ہی مصر کے بادشاہ عباس حلمی پاشا دوم نے ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں جب حج کیا تو ایک مصری دانشور محمد لبیب بتنونی بھی اس کے قافلہ حج کے ہمراہ تھا، بتنونی نے الرحلہ الحجازیہ کے نام سے جو سفرنامہ حج لکھا ہے اس میں دار ارقم کے متعلق بھی کچھ تفاصیل دی ہیں اور دار ارقم پر موجود بعض کتبات کی عبارات بھی نقل کی ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا! اس مصری دانشور نے بڑی باریک بینی سے کام لیتے ہوئے اور آثار اور مقامات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اپنا یہ سفرنامہ بڑی محنت سے مرتب کیا ہے (۱۳) بتنونی نے دار ارقم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ مکان بھی دیکھا تھا جو سعی کرنے والے جب مروہ کی سمت جاتے ہیں تو ان کی دائیں جانب پڑتا تھا" (۱۴) حرم شریف کے شمال مشرق میں اسے ابو سفیان بن حرب کا وہ مکان بھی نظر آیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر محترم و محفوظ قرار دیا تھا مگر اب وہ ویران پڑا تھا، فاضل دانشور کو شکایت تھی کہ اس پر بلدیہ مکہ مکرمہ نے کوئی کتبہ تک لگانا مناسب نہ سمجھا، (۱۵) مگر اسے اب کون بتائے کہ آج یہ تمام آثار و مقامات جدید تمدن اور تعمیر و ترقی نے ہمیشہ کے لئے نگل لئے ہیں اور فنا کے قبرستان میں دفن کر دیئے ہیں حتی کہ ان کا پتہ بتانے والا بھی اب کوئی نہیں، یہی دار ارقم جس کا وہ بڑی دلچسپی اور اہتمام سے ذکر کرتا ہے، دار الخیزران بنا پھر مسجد کی شکل میں ایک زیارت گاہ ٹھہری اور آج مکتبہ الارقم (ارقم لائبریری) ہے مگر بہت جلد یہ لائبریری بھی کتم عدم کو سدھارنے والی ہے کہ اب شاہی محلات کی سیکورٹی اور تحفظ کے نئے انتظامات اسے ہمیشہ کے لئے نگل جائیں گے!

دار ارقم کی لفظی تصویر پیش کرتے ہوئے محمد لبیب بتنونی لکھتا ہے۔

"جہاں تک دار ارقم کا تعلق ہے، جواب دار الخیزران کہلاتا ہے، تو یہ ایک گلی میں واقع ہے جو بائیں جانب کوہ صفا کے پاس سے اوپر کو جاتی ہے۔ یہ وہی حویلی ہے جس میں آغاز بعثت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ پوشیدہ طور پر یک سو ہو کر رہتے تھے، یہیں پر یہ لوگ پوشیدہ طور پر نمازیں ادا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا، اس سے اہل اسلام کو تقویت ملی اور اعلانیہ نماز کے علاوہ اپنے مسلمان ہونے کو بھی انہوں نے عیاں کر دیا۔

اس حویلی کا دروازہ مشرق کی جانب کھلتا ہے، یہاں سے داخل ہونے کے بعد آدمی کھلے آسمان کے نیچے آ جاتا ہے اس کے صحن کی لمبائی تقریباً آٹھ میٹر اور چوڑائی چار میٹر ہوگی۔ اس صحن کی بائیں جانب ایک مسقف ایوان ہے، صحن کی دائیں جانب والی دیوار کے وسط میں ایک دروازہ ہے جو ایک آٹھ میٹر لمبے اور چار میٹر چوڑے کمرے میں کھلتا ہے جہاں چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں، اس کے جنوب مشرقی کونے میں سنگ مرمر کی دو تختیاں لگی ہیں، ان میں سے ایک پر لکھا ہے "اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے، گھروں کے متعلق اللہ نے یہ اجازت دی ہے کہ یہ بلند کیے جائیں، ان میں اس کا ذکر ہو، اس کی تسبیح بیان ہو صبح و شام، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوشیدہ طور پر رہنے کی جگہ ہے۔ دار الخیزران ہے، یہی اسلام کا نقطہ آغاز ہے، اس کی تجدید کا حکم اپنے مولیٰ کے فقیر امین الملک مصلح نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے دیا، حسن عمل کا مظاہرہ کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔" دوسری تختی پر یہ لکھا ہے! "اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھپنے کی جگہ ہے جو دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے، اسے بنانے اور تعمیر کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے محتاج بندے جمال الدین شرف الاسلام ابو جعفر محمد بن علی بن ابی منصور الاصفہانی وزیر شام و موصل نے دیا جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا طالب، اس کی رحمت کا امیدوار ہے، اپنی اطاعت میں اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور دارین میں اس کی آرزوئیں پوری کرے۔ یہ ۵۵۵ھ کی بات ہے۔"

یہ بڑی سعادت و مسرت کی بات ہے کہ ترکوں کی محبت رسولؐ اور مومنانہ عقیدت و اخلاص کے طفیل محفوظ شدہ آثار نبوی میں سے جن آثار کو دیکھنے کا شرف راقم سطور کو نصیب ہوا ان میں دار ارقم کی وہ شکل بھی شامل ہے جو اس مکان والی جگہ مکتبہ الارقم یا ارقم لائبریری قائم ہونے

سے پہلے تھی، ۱۹۷۰ء کی دہائی میں یہ لائبریری قائم کی گئی یہ ان علوم و معارف کے فیض نبوی کی یاد دلاتی ہے جو دار ارقم ؓ میں تربیت و تزکیہ نفس سے مشرف ہونے والے نفوس قدسیہ کا مقدر تھی، اسی طرح یہ لائبریری لفظ ارقم کے ایک معنی (قلم) کی ترجمان بھی دکھائی دیتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب جبل ابوقبیس اور حرم پاک کے ارد گرد کا علاقہ ابھی شاہی محلات و قصور کی آماجگاہ نہ بنا تھا، یہ لائبریری (مکتبہ الارقم) جنوری ۱۹۹۲ء میں بھی قائم ہے جب راقم کو اپنی رفیقہ حیات کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کا شرف حاصل ہوا، مگر اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ لائبریری بھی معدوم ہونے والی ہے، حج کے موقع پر بعض بدبختوں نے حرم پاک کے آس پاس بموں کے شرمناک دھماکے کئے تھے انکے نتیجے میں اب امن و سلامتی اور تحفظ کی خاطر نئے انتظامات و تعمیرات ارقم لائبریری کو بھی گوارا نہیں کر سکیں گے!

اب ہم مکی عہد نبوت کے بعد دار ارقم ؓ کے حوالے سے سامنے آنے والے دوسرے سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس قدسی حویلی میں قائم ہونے والی روایات کا کیا بنا؟ خصوصاً تربیت و تزکیہ نفوس اور وامرھم شوریٰ بینھم کے اصول پر وجود میں آنے والا نظام شورائی جمہوریت اور احترام آدمیت کی امین عالمگیر اسلامی اخوت مساوات اور وحدت نسل انسانی کے تصور نے عالم انسانیت کو کیا کچھ دیا؟ اور کس رنگ میں دیا؟

سابقین اولین کے تزکیہ نفس اور عملی تربیت کا کام دار ارقم ؓ کے کمبل پوش و بوریا نشین ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل ہی مکمل فرما دیا تھا نئے حلقہ بگوشوں کی ہر قسم کی روحانی اور عملی تربیت کے لئے صفہ اور مسجد نبوی کی عظیم تربیت گاہ وجود میں آ گئی تھی، دار ارقم ؓ سے نکل کر مدینۃ النبی ؐ میں آنے کے بعد ملت اسلامیہ کو عملی جہاد کے لئے اب صرف اذن ربانی کی دیر تھی۔ ۱۸، سپاہ اسلام سرفروشی و جاں نثاری کے لئے پہلے ہی تیار تھی، نشہ درویشی کے ساتھ دمادم کی ضرب دل دوز کے بجائے سلطنت جم پر ٹوٹ پڑنے کا مرحلہ قریب تھا، اب طریقہ نبوی یہ تھا کہ اسلامی تربیت میں بگاڑ پیدا کرنے یا کوئی ہنگامی مسئلہ سامنے آنے کی صورت میں مسجد نبوی میں جمع ہونے کی خاطر "الصلاۃ جامعۃ" (نماز سب کو اکٹھا کرنے والی ہے) کا اعلان ہو جاتا اور پھر منبر نبوی سے معارف کا فیضان شروع ہو جاتا، بات کو واضح کرنے کے لئے یہاں ایک مثال کافی ہو گی۔

امام ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں ایک واقعہ قلمبند کیا ہے کہ مدینۃ النبی ؐ کی شفقت و رحمت بھری فضا تھی، یاران نبی ؐ ایک حلقے میں جمع تھے، اخوت و مساوات کا سرمدی ساماں تھا، کوئی بندہ تھا نہ کوئی بندہ نواز، قریش عرب کے ابوبکر ؓ و عمر ؓ بھی تھے اور عثمان ؓ و علی ؓ بھی، انصار

مدینہ کے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ بھی تھے اور یورپ، افریقہ اور ایشیا کی نمائندگی کے لئے صہیبؓ رومی، بلال حبشیؓ اور سلمان فارسیؓ بھی موجود تھے، باتیں ہو رہی تھیں انسانیت کی دنیا و آخرت میں فلاح کی، اسی اثنا میں ایک نو مسلم بدو کا ادھر سے گزر ہوا جو ابھی دار ارقمؓ کی جگہ لینے والی تربیت گاہ صفہ و مسجد نبوی کے فیضان سے محروم تھا، ان مختلف اللون مگر یک دل و یک جان اور یک جہت اخوان اسلام کی ان پیار بھری باتوں پر حیرت زدہ ہو کر بولا! یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ مکہ و یثرب کے عرب اس رسول عربیؐ کے جاں نثار و پیروکار کیسے اور کیوں بن گئے مگر یہ عجمی لوگ یہاں کیا لیتے ہیں۔ ؟ (۱۹)

سرعنوان اجتہاد اسلامی سیدنا معاذؓ بن جبل نے اس بدو کی یہ جاہلانہ باتیں سنیں تو نہ رہ سکے، اسے گریبان سے پکڑا اور کھینچتے ہوئے دربار نبوی میں لے گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس شخص کا جاہلانہ نشہ ابھی تک نہیں اترا، نشہ قومیت اور حسب و نسب میں بدمست جاہلیت کی طرف سے اسلامی اخوت و مساوات پر آپؐ نے اسے شدید حملہ اور اپنے نظام تربیت میں زبردست رخنہ اندازی خیال فرمایا چنانچہ مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم ہوا اور آپ فرش پر گرتی اور گھسٹتی ہوئی چادر مبارک سے بے نیاز چل پڑے، راوی کا بیان ہے کہ میں نے پہلے آپؐ کو اس قدر ناراض کبھی نہیں دیکھا تھا، آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نسل پرستی کی جڑ کاٹتے ہوئے کہا! "لوگو! تم سب تو ایک ہو، تم سب کا رب بھی ایک ہی ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، جو خاک سے پیدا کئے گئے، عربی تو ایک زبان ہے نہ یہ کسی کی ماں ہے نہ باپ ہے، جو بھی عربی بولے گا یا جس کے والدین اسلام قبول کر چکے ہوں گے تو ان دونوں کا مسلمان بیٹا بھی عرب ہی ہو گا۔ " (۲۰)

دار ارقم سے نکل کر میثاق مدینہ کی بنیاد پر تاریخ انسانی کی سب سے پہلی دستوری جمہوری ریاست کی بنیاد رکھنے والا کاروان اسلام دنیا کو ایک ایسا نظام معاشرہ اور طرز حکومت دے گیا جو رہتی دنیا تک کے لئے ایک بے نظیر و لاثانی نظام رہے گا۔ مشرق و مغرب کے پاس اس نظام معاشرہ اور اس طرز حکومت کے سوا اور کوئی عملی مثال ہی نہیں ہو گی جس کے لئے دعوت دی جا سکے یا بطور نمونہ اسے دنیا کے سامنے رکھا جا سکے۔

لیکن یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام میں افراد و اماکن کو بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ اصول و مبادی اور مقاصد و عواقب کو ہی اولیت حاصل ہے، جس طرح بیت اللہ سے انسانیت کی وحدت و مرکزیت، عظمت ربانی کا اعتراف اور توحید خالص کا شعور و ایمان وابستہ ہے اور حرم نبوی دراصل اس نظام تربیت کا امین ہے جو صفہ

پاک اور مسجد نبوی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں پروان چڑھا، اسی طرح دار ارقم بھی ایک بے مثال و مستحسن روایت، ایک عملی درس حیات اور ایک زندہ جاوید اور اعلیٰ و برتر نظام زندگی کا امین ہے، اگر یہ روایت، یہ درس حیات اور یہ نظام زندگی جاری و ساری رہتا ہے اور اس سے انسانیت کے لئے فلاح دارین کا سامان ہوتا ہے تو یہی زندہ جاوید دار ارقمؓ ہو گا اور عہد نبوی کے بعد دار ارقم سے جب بھی بحث ہوگی تو اس میں مقصود اصلی اور ہدف اولین اسی روایت کی پاسداری ہوگی۔

گویا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد نہ صرف یہ کہ نور نبوت و وحی ربانی کے سایہ میں پروان چڑھنے والی دار ارقم کی روایت کو جاری رکھتے ہوئے انہیں صفہ اور مسجد نبوی کے واسطہ سے مزید جلا بخشی بلکہ ظاہری طور پر بھی ایک قطعہ زمین پر دار ارقم قائم کرنے کی اجازت فرما کر اس تاریخی بلکہ تاریخ ساز مکان کے نام اور کام دونوں کو زندہ جاوید بنانے کی عملی مثال قائم فرمائی (۲۱) پھر خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں بھی دار ارقم کی روایات کو نہ صرف یہ کہ قائم رکھا گیا بلکہ انہیں مزید آگے بڑھانے کے لئے عملی خطوط بھی مہیا کئے گئے اور خلفائے راشدین کی اپنی توجہ کے علاوہ اس پر بیت المال کا سرمایہ بھی صرف کیا گیا، مکہ و مدینہ کے علاوہ تمام شہروں اور بستیوں میں تعلیم و تربیت اور مسلم معاشرہ کی صحیح نشوونما اور تعمیر و ترقی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ وامرھم شوریٰ بینھم (ان کے معاملات تو باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں) اور وشاورھم فی الامر (انہیں امور حکومت میں شریک مشورہ کیجئے) (۲۲) پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ خلفاء کا انتخاب عام مسلمانوں کی رضامندی اور بیعت سے ہی انجام پایا جو اس وقت کے معروضی حالات میں عوامی رائے دھندگی اور نمائندگی کی ممکن صورت ہو سکتی تھی بلکہ انتخاب کے بعد بھی دار ارقم میں شروع ہونے والی اس شورائی جمہوری روایت کو قائم رکھا گیا اور اس پر سختی سے عمل ہوا۔ (۲۳)

دار ارقم کی قائم کردہ روایت میں وامرھم شوریٰ بینھم کے حکم ربانی کے مطابق باہمی تعاون و مشاورت اور امور حکومت میں عملی مشارکت کو محور و مرکز اور سرعنوان کی حیثیت حاصل رہی جو سلطانی جمہور اور احترام آدمیت کے لئے نوید اول تھی۔

اس طرح نور نبوت کے زیر سایہ یہ روایت پروان چڑھی اور مزید آگے بڑھی، وامرھم شوریٰ بینھم کے بعد وشاورھم فی الامر کا فرمان صریح سلطانی جمہور کے لئے مہر تصدیق کا حکم رکھتا ہے۔ غزوات بدر، احد اور خندق کے دوران میں وحی ربانی اور نبوت کے مبارک عمل نے دار ارقم میں شروع ہونے والے اسلام کے شورائی جمہوری نظام کے خط و خال مزید واضح کر دیئے، یہ حقیقت

روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ گئی اور کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش بھی باقی نہ رہی کہ رحمت للعالمین ؐ ابن آدم کا بول بالا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، آپ کی بعثت کا مقصد نہ تو عجمی شہنشاہیت اور نمرود اور فرعون کے استبدادی طرز حکمرانی کو آگے بڑھانا تھا اور نہ عرب کے خانہ بدوش قبائل کا نظام باقی رکھ کر انتشار و افراتفری کا مہیب خلا پیدا کرنا تھا بلکہ مشاورت و مشارکت باہمی کی بنیاد پر تمام افراد معاشرہ کو نظام حکومت میں شریک کرنا تھا، یہی اسلام کا شورائی جمہوری نظام تھا اور اس طرز حکمرانی کو ہی سلطانی جمہور کا نام زیب دیتا ہے۔

جنگ احد میں اپنے خواب اور بزرگ صحابہ کی رائے کے مقابلہ میں شوق شہادت اور جوش جہاد سے سرشار انصاری نوجوانوں کی اکثریت کی رائے کو آپ نے ترجیح دینا مناسب بلکہ ضروری خیال فرمایا، اگرچہ اس رائے پر عمل کرنے کا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ رئیس المنافقین ابن ابی اپنے ساتھیوں سمیت لشکر اسلام سے الگ ہو گیا اور پھر تیر اندازوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی مگر آنحضرت ؐ نے منشائے خداوندی کے مطابق آدمیت کے احترام، اکثریت کی رائے پر عمل اور ہر فرد معاشرہ کو حکومت کے معاملات میں شرکت کا احساس دلانے والے اس شورائی نظام کو ہر قیمت پر جاری رکھا جس کی بنیاد وامرھم شوریٰ بینہم کے حکم ربانی کے مطابق دار ارقم میں پڑی تھی، مدنی عہد میں اللہ رب العزت نے مزید حکم فرمایا کہ وشاورھم فی الامر (یعنی معاملات حکومت میں امت اسلامیہ سے مشاورت کے سلسلے کو جاری رکھئے) چنانچہ جنگ احد میں اکثریت امت کی رائے کو ترجیح دی گئی۔ اب خدشہ یہ تھا کہ اکثریت کے احترام اور مشاورت سے کہیں منع نہ فرما دیا جائے مگر غزوہ احد کے بعد بھی یہی حکم ربانی نازل ہوتا ہے کہ اے محمد ؐ! شورائی جمہوری سلسلہ کو جاری رکھئے (۲۵)

پھر خلفائے راشدین کے عہد میں بھی دار ارقم کی روایت کو زندہ و پائندہ رکھتے ہوئے مشاورت اور اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا گیا جو سلطانی جمہور کا حقیقی محرک اور زندہ شعار ہے۔ ایک معمولی آدمی بھی آزادانہ مشورہ اور رائے دینے کا حق رکھتا تھا خلفائے راشدین نے ہر فرد ملت کو اپنے محاسبہ کا بھی حق دے رکھا تھا ہر فرد کو امور خلافت میں مشارکت کا احساس تھا اور احترام آدمیت کو ہر حال میں مقدم رکھا جاتا تھا۔ (۲۶)

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ دار ارقم میں قائم ہونے والی روایت شورائی جمہوریت کو بعد میں پس پشت ڈال دیا گیا اور عجمی انداز شہنشاہیت کا نام خلافت رکھ دیا گیا جہاں آزادیٔ رائے، احترام فرد اور بالآخر اجتہاد بھی بیکار بلکہ جرم قرار پایا، پھر یوں ہوا کہ دار ارقم بھی ذہنوں سے اوجھل ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ دار ارقم کی روایت بھی فراموش کر دی گئی اگر ابن سعد وغیرہ ابتدائی عہد

کے اہل علم دار ارقم کے متعلق معلومات کو محفوظ نہ کرتے تو بعد کے ادوار نے تو اسلام کی ان شاندار و قابل فخر روایات کو پردہ عدم کی چادر پہنادی تھی!

آج جو لوگ عوام کی رائے لینے اور انہیں آزادی رائے کا حق دینے کو غیر اسلامی اور بے فائدہ کام تصور کرتے ہیں وہ دار ارقم کی شورائی جمہوری روایات، جنگ بدر، جنگ احد، غزوہ خندق اور صلح حدیبیہ کے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمہوری انداز کار اور انسانی عقلوں سے مشورہ لینے کے عمل سے عدم واقفیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس وقت کے معروضی حالات میں عامۃ المسلمین کی نمائندگی یا حق رائے دہی کی جو ممکن صورت ہو سکتی تھی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا، (۲۷) آپ نے اپنے عمل سے یہ ثابت فرمادیا کہ اکثریت کی رائے کا احترام ہر حال میں واجب ہے، فرد کی اہمیت اور احترام سے انکار انسانیت کی توہین ہے اور اس مشن سے بے خبری کی دلیل ہے جو آدمیت کا بول بالا کرنے والے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا تھا۔

دار ارقمؓ اور دار الندوہ کا تقابلی مطالعہ اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک چند باتیں واضح طور پر ذھن نشین نہ ہو جائیں، پہلی بات یہ ہے کہ ان دو تاریخی مکانات میں سے کسی ایک کا بھی آج وجود باقی نہیں ہے، تاریخی آثار ہر ملک اور ہر قوم کے لئے ذریعہ شناخت، سرمایہ فخر اور وسیلہ ظفر ہوتے ہیں، ان تاریخی آثار کا تعلق اگر دین ومذہب کی روایات سے وابستہ ہو تو نہ صرف یہ کہ ان سے آنے والی نسلوں کو زندہ جاوید شہادت ملتی رہتی ہے اور عقیدت کو ولولہ تازہ ملتا رہتا ہے بلکہ ان سے اس دین و مذہب کے بعض اہم روحانی اور جذباتی پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں مگر اب بلاد مقدسہ میں دین اسلام کے تاریخی آثار کے تحفظ کو سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی، عثمانی ترکوں نے تو اس ضمن میں بہت عمدہ کام کئے اور قابل فخر روایات قائم کی ہیں مگر بعد کے ادوار میں ایسا نہیں ہو سکا، وجوہات و اسباب سے بحث کا یہ موقع نہیں، بہرحال دار ارقمؓ اور دار الندوہ کے آثار اگر محفوظ رہ سکتے تو زندہ تاریخی شواہد کا کام دیتے۔

دوسری بات یہ بھی واضح رہنی چاہئے کہ ان دو تاریخی مقامات کے متعلق مآخذ و مصادر میں پائی جانے والی تمام معلومات کا استیعاب اور احاطہ یہاں نہ مقصود ہے اور نہ کیا جا سکتا ہے، خصوصا دار الندوہ کے ساتھ چونکہ جاہلی عہد کی بھی بہت سے روایات وابستہ تھیں اس لئے کتب تاریخ سے لے کر منابع ادب تک ہر جگہ ان معلومات کا اجمالی یا تفصیلی ذکر موجود ہے، تاہم دار ارقمؓ کے متعلق ان تمام مآخذ و منابع میں اس کثرت اور تفصیل کے ساتھ معلومات و اذکار دستیاب نہیں ہیں، بظاہر اس کے تین اسباب سمجھ میں آتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ دار الندوہ کی تاریخ

بت طویل اور وسعت پذیر رہی ہے جو کئی صدیوں پر محیط ہے اسی لئے اس سے وابستہ روایات کثرت کے ساتھ ہر کہہ و مہ کے ذہن میں رچ بس گئی تھیں لیکن دار ارقم ؓ کا تاریخی کردار چند سالوں سے عبارت ہے، نیز اس کی روایات ایک نہائت قلیل و مختصر سی جماعت تک محدود تھیں۔ جو اس تاریخ ساز مکان کے متعلق اپنی معلومات ریکارڈ کرائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ دار الندوہ تو شعراء و ادباء اور اہل دانش کی ذہنی تخلیقات و بیانات میں بھی اپنا تذکرہ محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں جب تصنیف و تالیف کا عہد شروع ہوا تو مصنفین و مولفین کو طوعاً و کرہاً ان ذہنی تخلیقات اور بیانات کو اپنی تحریر و گفتار میں جگہ دینا پڑی۔ اس کے برعکس دار ارقم کی چند سالہ تاریخ، جو اخفاء اور دباؤ کی زد میں بھی رہی، اس کا شعرو ادب یا اہل علم و دانش کی تحریر و گفتگو میں جگہ نہ پانا واضح طور پر سمجھ میں آنے والی بات ہے، تیسرا اور اہم سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے مہاجرین مکہ کی املاک اور تیرہ سالہ مکی تاریخ اسلام سے وابستہ معاشرتی اور ثقافتی روایات کو محفوظ رکھنا اور انہیں مکمل طور پر آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا ممکن نہ ہو سکا، ہجرت کے فوراً بعد غزوات و سرایا کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا اور ایک ہنگامہ خیز زندگی نے مہاجرین مکہ کو اپنے مکی عہد اسلام کی بہت سی باتیں زبان پر لانے کی مہلت اور موقع نہ دیا، جو ذہن اور نفوس ان تاریخی آثار و روایات کے امین تھے وہ بھی سب کے سب اس ہنگامی دور سے نکلے تو فتوحات کے ہنگامی دور کی زد میں آ گئے پھر جب تصنیف و تالیف کا مرحلہ آیا تو ان آثار و روایات کے امین نفوس قدسیہ ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، یوں دار ارقم سے وابستہ روایات و معلومات ہم تک نہ پہنچ سکیں، حتیٰ کہ دار ارقم کو دار الاسلام کہے جانے کا ذکر بھی کسی شاعر یا ادیب کی زبان تک راہ نہ پا سکا بلکہ کسی مصنف یا مولف کو دار الاسلام کی وجہ تسمیہ پر توجہ مبذول کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

اس سلسلے کی تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اموی خلفاء کا دار الندوہ پر توجہ مرکوز کرنا اور اسے خریدنے پر دولت نچھاور کرنا، پھر اس کے مقابلے میں خلفائے بنی عباس کا دار ارقم کو اپنی توجہ کا مرکز بنانا اور اسے خریدنے کے لئے جتن کر کے اسے دار الخیزران اور ایک مقدس زیارت گاہ میں بدل دینا خالی از علت نہیں ہو سکتا، بنوامیہ کو دار الندوہ سے جو دلچسپی تھی اس کی علت تو ظاہر ہے کہ بدر و احد کے بعد قریش مکہ کی قیادت ابو سفیان کے ہاتھ میں آ گئی تھی اس لئے دار الندوہ کی صدارت و سرپرستی کا آخری اعزاز بھی خاندان بنوامیہ کو حاصل ہو گیا تھا، اس لئے اس مشہور و معروف تاریخی عمارت پر پانی کی طرح روپیہ بہانا ان کی قدرتی مجبوری بن گئی تھی۔

اگر دار الندوہ سے بنوامیہ کا تعلق قدرتی جذبات کی پیداوار تھا تو پھر دار ارقم سے بنو ہاشم کا

قدرتی و جذباتی تعلق سمجھنے میں بھی کوئی مشکل یا دقت باقی نہیں رہتی، بنو عباس چونکہ اپنے آپ کو خاندان نبوت اور بنو ہاشم کا وارث تصور کرتے تھے اس لئے بنو امیہ کے مقابلہ میں دار الاسلام کی تاریخی عمارت کا ابو جعفر منصور عباسی کے لئے دلچسپی کا باعث بننا ایک قدرتی بات تھی، حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے ایک پڑپوتے محمد بن عمران بن عثمان بن ارقم رضی اللہ عنہ کا یہ قول جسے ابن سعد اور امام حاکم نے نقل کیا ہے، ان کا ذاتی تاثر یا محض قیاس آرائی ہے کہ! (۲۸)

"انی لاعلم الیوم الذی وقعت (وقع؟) فی نفس ابی جعفر، انہ لیبسعی بین الصفا و المروۃ فی حجۃ حجہا د نحن علی ظہر الدار فی فسطاط فیمر تحت نالو اشاء ان آخذ قلنسوتہ لاخذتہا! یعنی مجھے بھی خوب پتہ ہے کہ ابو جعفر کے دل پر کیا گزری، وہ حج کے دوران صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا ہم دار ارقم کی چھت پر ایک ٹینٹ میں تھے، وہ ہمارے نیچے سے یوں گزرتا تھا اگر میں اس کے سر کی ٹوپی پکڑنا چاہتا تو پکڑ سکتا تھا۔"

سوال کیا جا سکتا ہے کہ ابو جعفر منصور جیسا صاحب رعب و جلال اور جابر و قاہر خلیفہ چھت پر ٹینٹ میں بیٹھے ہوئے چند بچوں کو دیکھ کر چڑ گیا تھا؟ اور انہیں روکنے یا سزا دینے کے لئے صرف یہی راستہ نظر آیا کہ یہ مکان ہی کسی طرح خرید لیا جائے؟ آخر اس جگہ اور بھی تو مکانات تھے جن کی چھت پر کبھی بچے ٹنٹ لگا سکتے تھے؟ کیا خلیفہ نے ہر سال حج پر آنا تھا اور اسے ناپسند تھا کہ بچے اسے چھت پر بیٹھے نظر آئیں؟ پھر سعی تو حالت احرام میں ہوتی ہے تو ابو جعفر نے سر پر ٹوپی کیسے پہن رکھی تھی؟

یہ قیاس آرائی اس حد تک تو درست ہو سکتی ہے کہ ابو جعفر جیسا صاحب عقل و دانش خلیفہ دار ارقم رضی اللہ عنہ کی حیثیت اور کردار سے آگاہ ہونے کے باعث وہاں سے گزرتے ہوئے دار ارقم کو غور سے دیکھتا ہو گا اور شاید بچوں کو گھور کر دیکھا بھی ہو اور کسی بچے کے دل میں یہ خیال بھی شاید گزرا ہو کہ ہمارے نیچے سے گزرتے ہوئے اس گھورنے والے کے سر پر ایک ٹوپی ہو تو ہم نوچ سکتے ہیں مگر ابو جعفر محض بچوں سے چڑ کر اس قدیم عمارت پر قبضہ کرنے کو مسئلے کا حل تصور نہیں کر سکتا تھا، دراصل مکان کو دیکھتے ہی جابر و مستبد حکمران کے سامنے دار ارقم کی تاریخ گھوم گئی ہو گی اور دار الندوہ سے بنو امیہ کی دلچسپی کا بھی اسے خوب علم تھا اس لئے اس کے دل میں امنگ نے چٹکی لی ہو گی کہ کیوں نہ اسے خرید لیا جائے، خلیفہ منصور جہاں دار الندوہ کی تاریخ سے آگاہ تھا وہاں اسے دار ارقم کے تاریخی کردار کا بھی علم تھا، دونوں مقامات کا ایک مشترکہ مصرف اور ہدف دار الشوریٰ کا کردار تھا لیکن بنو ہاشم کے لئے دار ارقم رضی اللہ عنہ کی عظمت و اہمیت اور شرف و تقدس زیادہ تھا، اموی

خلافت کے بانی نے چونکہ دار الندوہ کی عمارت خریدنے کا فخر حاصل کیا تھا اسی لئے عباسی خلافت کے عظیم الشان دار الحکومت بغداد کے بانی کے لئے دار ارقم خرید کر تفاخر و مقابلہ کی دوڑ میں تفوق و برتری حاصل کرنا شاید ضروری ہو گیا تھا! بہر حال یہ دونوں مقامات تاریخی کردار رکھتے ہیں جن میں سے دار الندوہ کے کردار پر تو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بعض اہم تفاصیل جمع کی ہیں مگر دار ارقم ؓ کے متعلق انہوں نے بھی خاموشی کو ترجیح دی ہے (۲۹) ۔

دار ارقم مکی عہد نبوت کے بعد

۱ = سیر اعلام النبلاء

۲ = طبقات ۳/۲۴۳

۳ = ایضاً

۴ = سورت الرحمٰن آیت ۶۰

۵ = طبقات ۳/۲۴۳

۶ = ایضاً

۷ = ایضاً

۸ = ایضاً

۹ = اخبار مکہ ۱/۲۶۰

۱۰ = مقدمہ اخبار مکہ

۱۱ = شفاء الغرام ۱/۲۷۴

۱۲ = بذل القوۃ ص ۳۰

۱۳ = الرحلۃ الحجازیہ ص ۶۶

۱۴ = ایضاً

۱۵ = ایضاً

۱۶ = سورت النور آیت ۳۶

۱۷ = الرحلۃ الحجازیہ ص ۶۷

۱۸ = سورت الحج آیت ۳۹

۱۹ = اقتضاء الصراط المستقیم ص ۷۳

۲۰ = ایضاً

۲۱ = طبقات ۳/۲۷۵

۲۲ = سورت آل عمران آیت ۱۵۹

۲۳ = اسلامی جمہوریت ص ۲۲۵

۲۴ = سورت آل عمران آیت ۱۵۹

۲۵ = اسلامی جمہوریت ص ۲۲۶

۲۶ = ایضاً

۲۷ = ایضاً

۲۸ = طبقات ۳/۲۷۵

۲۹ = دیکھئے عہد نبوی کا نظام حکومت از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب،

آخری بات

"دار ارقمؓ" کے ساتھ تاریخ نے بڑی بے رخی اور اعراض و چشم پوشی کا برتاؤ کیا، بلکہ مکی عہد کی تاریخ اسلام اور سیرت پاک کی فصول اور ابواب بھی ادھورے اور تشنہ تکمیل ہیں، لیکن اس مرحلے کے متعلق خود تاریخ جن حادثات المناک سے دو چار ہوئی انہیں بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

کسی شہر یا کسی خطے کی معاشرتی زندگی میں اگر تسلسل رہے تو اس کی روایت و واقعات کافی مدت سینہ بسینہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اور یاد رہ جاتے ہیں، بہت سے سینے اور بہت سے حافظے جب مل جائیں تو یادیں تازہ بھی ہوتی رہتی ہیں اور محفوظ طور پر آئندہ زمانوں اور نسلوں کو دور دور تک پہنچتی بھی رہتی ہیں، مثلاً لاہور کی تو بہت سی روایات و واقعات آج بھی سینوں اور حافظوں میں زندہ و باقی ہیں مگر اس کے مقابلے میں ۱۹۴۷ء سے پہلے والی اسلامی روایات اور واقعات جو بھارت کے کسی شہر سے وابستہ تھے وہ زیادہ دیر نہ تو زندہ رہیں گے اور نہ محفوظ طور پر لوگوں تک پہنچ سکیں گے، ان کو محفوظ کرنے والے سینے اور حافظے جب رخصت ہو جائیں گے تو روایات و واقعات بھی ان کے ساتھ رخصت ہو جائیں گے، رہے ان کے بچے اور نئی نسل تو وہ تو اپنے پاکستانی شہر کی مقامی روایات پر زیادہ توجہ دیں گے!

مکی عہد نبوی کی اسلامی تاریخ اور سیرت طیبہ کے واقعات و روایات کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا، سابقین اولین مہاجرین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے گئے تو مکی عہد کے واقعات یا تو بھول گئے، یا بیان کرنے کا موقع نہ مل سکا، حضرت خباب بن ارتؓ، حضرت عمرؓ کو اپنی جلی ہوئی کمر اگر نہ دکھاتے اور مدنی نسلوں کے حافظوں میں یہ واقعہ منتقل نہ ہوتا تو آج کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ خباب

بن ارت ؓ کو انگاروں پر بھی لٹایا جاتا تھا! جو لوگ ہجرت کر کے گئے وہ نئے وطن میں ایسے محو ہوئے کہ پرانے وطن کی یادوں کو دوھرانا بھی ممکن نہ ہوا، غزوات، جنگوں، فتنوں اور فتوحات نے کبار صحابہ ؓ کو مکی روایات اور تاریخی واقعات بھلا دیئے یا آگے منتقل نہ ہو سکے اور وہ یا شہید ہوتے گئے یا اللہ کو پیارے ہوتے گئے، جب تاریخ نویسی اور تدوین علوم کا مرحلہ آیا تو سب کچھ بدل چکا تھا سب کچھ محو ہو چکا تھا یا استبداد نے دبا دیا تھا۔

رہے مکی لوگ تو فتح مکہ کے بعد جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ان واقعات ظلم کو دوھرانے سے بھی شرماتے تھے جو مسلمانوں کے خلاف روا رکھے گئے تھے، پھر رسول اکرم ؐ اور مسلمانوں سے دور ہونے کے باعث اسلام اور اہل اسلام کی بہت سی باتیں ان سے پوشیدہ بھی تھیں، اس پر جب استبداد ملوکیت نے امت کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تو تدوین علوم کا مرحلہ آیا، تربیت و تزکیہ اور شورائیت کو استبداد کیا جانے؟ یوں نہ صرف دار ارقم کی صحیح تاریخ بلکہ مکی عہد کی پوری اسلامی تاریخ اور وقائع سیرت نبوی کی بہت سے فصول و ابواب تشنہ بھی نظر آتے ہیں اور ان کے متعلق مکمل معلومات آج دستیاب نہیں ہیں۔

مکی عہد نبوت صبر و عزیمت کے ساتھ چپ چاپ کام سے کام رکھنے کا عہد تھا، اس عہد میں مسلمان ایک نوخیز اقلیت تھے، ایک ایسی اقلیت جو عظیم الشان اور بے پایاں وسعتوں کے حامل مستقبل کے لئے تیار ہو رہی تھی، ایسی اقلیت کو جس رہنما کی ضرورت ہوتی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال و بینظیر قیادت تھی، جس ضابطہ حیات اور دستور العمل کی ضرورت تھی وہ قرآن کریم کی شکل میں وحی ربانی مہیا کر رہی تھی اور جس پر سکون و محفوظ مرکز کی ضرورت تھی وہ دار ارقم کی صورت میں اس نوخیز اقلیت کو میسر تھا، اس اقلیت کے مقاصد جلیل اور ارادے عظیم تھے، قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو روند کر ظلم کا سر کچلنا اور عدل و مساوات کی بنیاد پر ایک نیا عالمی نظام قائم کرنا اس قوم کے مقاصد اور ارادوں میں سر فہرست تھا۔ (۱)

دار ارقم ؓ کے عہد درویشی میں جن لوگوں نے نبوت خاتمہ کی زیر نگرانی تربیت پائی تھی خلافت راشدہ قائم کرنے والے اور عدل و انصاف کے سپاہیانہ اسلوب سے شام، عراق، فلسطین، اور ایران کو فتح کرنے والے وہی تھے، ان کے بعد جو خلافتیں قائم ہوئیں وہ استبدادی ملوکیت کی بدترین شکلیں تھیں اور جو جنگیں لڑی گئیں ان میں شہادت مطلوب نہ تھی بلکہ مال غنیمت اور کشور کشائی مقصود تھی۔

اس عہد درویشی کے دوران میں تربیت پانے والوں میں جو نام ہیں ان کے کارناموں پر ایک نظر سے اس دعوے کی تصدیق ہو جائے گی، چاروں خلفائے راشدین ؓ اسی عہد میں اسلام سے

مشرف ہوئے اور دار ارقم میں تربیت سے سرفراز ہوئے۔ امین الامت ابو عبیدہؓ ابن الجراح اور سعدؓ بن ابی وقاص نے فتوحات فلسطین، شام، عراق اور ایران کے سلسلے میں جو عسکری کارنامے انجام دیئے اور جو مومنانہ مواقف اختیار کئے وہ تاریخ اسلام کے روشن ابواب ہیں، فقہی احکام اور قرآن فہمی میں عبداللہ بن مسعودؓ اور زہد و تقویٰ میں ابوذر غفاریؓ کے مقام سے کسے انکار ہوگا، شرحبیل بن حسنہ، عتبہ بن غزوان، جعفر طیار، عبدالرحمن بن عوف، مقداد ابن عمرو اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہم ایسے ایسے نجوم ہدایت ہیں جن سے ایک دنیا نے فیض پایا اور جن کے شاندار کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے، ان سب نجوم ہدایت کا کردار دار ارقم میں ڈھلا اور مسجد نبوی میں پروان چڑھا تھا (۲)

انسان کی نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی مجبوریوں، خواہشوں اور ضرورتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان سب کا نچوڑ اور خلاصہ عزت، آزادی اور افلاس سے نجات میں مضمر نظر آتا ہے، ہمیشہ کی طرح آج کا انسان بھی فقر و افلاس سے چھٹکارا پانے، آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہونے اور عزت کی زندگی گزارنے کا آرزو مند نظر آتا ہے، یہ انسانی فطرت کا تقاضا اور بنیادی ضرورت بھی ہے، انسان کو ہر قسم کی آزادی نصیب ہو، فقر و افلاس کے ہاتھوں اپنی خواہش اور آرزو کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہونے کے بجائے فراخی و خوشحالی میسر ہو ضروریات زندگی پوری ہوتی ہوں اور اس کے ساتھ عزت و وقار اور محبت و احترام کا ماحول بھی مل جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے، یہی تو وہ زندگی ہے جس کا جنت سے نکالے جانے والے آدم سے وعدہ کیا گیا تھا (۳)

> "ان لک الا تجوع فیہا ولا تعری وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی یعنی اے آدمؑ تیرا یہ حق ہے کہ اس جنت کی زندگی میں نہ تجھے بھوک ستائے اور نہ تجھے ننگا رہنے کی فکر ہو، نہ تجھے پیاس ستائے اور نہ دھوپ جلائے (طہٰ آیت ۱۱۸ - ۱۱۹)

آفتاب رسالت جب غار حرا سے طلوع ہوا اور وحی ربانی کی پہلی کرنوں نے انسانی دنیا کو جگمگایا تو رب کائنات کے کرشمہ تخلیق کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ علم اور قلم کی عظمت و تقدیس بھی بیان فرمائی گئی مگر سورہ علق کی ان ابتدائی آیات کے فوراً بعد جس بات کی زور دار تاکید و تنبیہ آتی ہے وہ قابل توجہ ہے کیونکہ اس میں اس روئے زمین پر انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی اور تمام بیماریوں کی جڑ کا انکشاف فرمایا گیا ہے (۴) کلا ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی ان الی ربک الرجعی (خبردار غور سے سنو، یہ پکی بات ہے کہ انسان اسی وقت سرکشی پر اتر آتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ مالدار ہو گیا ہے، بلاشبہ (یہ سب کچھ چھوڑ کر انسان نے بالآخر) تیرے رب کے پاس ہی تو لوٹنا ہے)، جیسا کہ دار ارقم کے حوالے سے مکی وحی ربانی کے ضمن میں آپ دیکھ چکے

ہیں، قرآن کریم نے انسان کی اس بیماری کی تشخیص کے بعد اس کا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ انسان مال و دولت کے لالچ میں سرکشی اور دیوانگی کے بجائے اپنی زندگی کا مشن اور مقصد یہ سمجھے کہ وہ انسانوں کی آزادی کے تحفظ اور اپنے ابنائے جنس کو بھوک اور افلاس سے نجات دلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس کا کام دوسرے کی آزادی سلب کرنا یا اس کے منہ سے لقمہ چھیننا نہیں ہے بلکہ اس کی آزادی کا تحفظ کرنا اور اپنا لقمہ بھی اپنے اس بھائی کے منہ میں ڈالنا ہے۔ (۵)

ہر انسان عزت کا بھوکا ہے اور احترام مانگتا ہے مگر دوسرے کی عزت کرنا یا اسے احترام دینا گوارا نہیں کرتا، اسلام کا پیغام یہ ہے کہ پہلے دوسرے کا احترام کرو، اسے عزت دو تمہاری عزت و احترام میں خود بخود اضافہ ہو جائے گا، فرض ادا کرنا حق مانگنے سے مقدم ہے، جو ہم دوسروں سے مانگتے ہیں وہی عزت و احترام انہیں پہلے دیں، پہلے ہم دوسروں کی آزادی کا تحفظ کریں، انہیں بھوک اور افلاس سے نکالیں، اس ایثار کا ثمرہ خود بخود ہمارے سامنے ہو گا یوں اسلام انسانی آزادی کے تحفظ، بھوک اور افلاس کے خاتمے اور عزت و احترام کو عام کرنے کا حکم دیتا ہے، یہی وہ پیغام ہے جو دار ارقمؓ سے انسانیت کے نام جاری ہوتا ہے۔

تاریخ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور انہیں آزاد کرنے کو ایک نیکی اور کار خیر قرار دینے کی بات پہلے کبھی نہیں سنی تھی مگر دار ارقمؓ کی مختصر سی جمعیت انہیں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہونے کے مواقع کی تلاش میں رہتی تھی، گناہوں کا بہترین کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا قرار پایا تھا، انہیں عقیدہ توحید سے فولادی عزم کے چٹانوں میں بدل دینے کا کام ہوتا تھا، اب وہ انگاروں اور تپتی ریت پر جھلستے اور جلتے ہوئے بھی "احد احد" کا نعرہ بلند کرتے تھے، دار ارقم کی اسلامی جمعیت کے ارکان کے پاس جو دولت تھی وہ بھی اس کار خیر کے لئے وقف تھی، ان صاحب ثروت لوگوں میں صدیق اکبرؓ سرفہرست تھے اور اس کار خیر پر عتیق کا لقب پا چکے تھے۔ (۶)

تاریخ میں یہ منظر بھی کسی نے نہ دیکھا تھا کہ غلاموں کی آزادی کو نیکی اور کار خیر قرار دینے والا اور آدمیت کا بول بالا کرنے والا پیغمبر حق ؐ ان آزاد شدہ غلاموں کو قریش کے معزز مسلمانوں کے ہم پلہ و ہمسر بنا دے گا اور انہیں اپنے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر شریک طعام فرمائے گا ابو جہلوں کو یہ بات انتہائی ناگوار محسوس ہوئی اور وہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اس حسن سلوک اور اخوت و مساوات پر جل اٹھے تھے (۷)

مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بریک خواں نشست
قدر احرار عرب نشناختہ — با کلفتان حبش در ساختہ

احمراں با اسوداں آمیختند آبروئے دودمانے ریختند

کیا عجب منظر تھا! آزاد شدہ غلام زید بن حارثہ معزز ترین ہاشمی خاندان کی ایک محترمہ خاتون زینب کا شوہر بن رہا ہے، اسی آزاد کردہ غلام کا بیٹا اسامہ ہے جو تاجدار مدینہ کے آخری لشکر جرار کا سپہ سالار بن کر وقت کی سب سے بڑی طاقت شہنشاہ روم کے لشکر کا منہ پھیرنے کے لئے روانہ ہو رہا ہے اور قریش کے مسلمان سردار ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہ اس کے ادنیٰ سپاہی ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول میں کسی انسان کے وھم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آزادئ رائے اور ضمیر کی آواز کو حکومتوں کے قیام و بقا میں کبھی بنیادی حیثیت حاصل ہو جائے گی، یہ وہ وقت تھا کہ دار ارقم اور صفہ و مسجد نبوی میں تربیت پانے والی جمعیت آزادئ رائے اور ضمیر کی آواز کی حقیقت سے آگاہ ہو کر اس کا عملی مظاہرہ کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی، داخلی اور خارجی عوامل نے اگرچہ اسلام کی شورائی جمہوری روش کو پنپنے اور آگے نہ بڑھنے دیا مگر ایک بے مثال و بے نظیر نمونہ قائم ہو گیا اور بالآخر آج کے انسان نے اس حقیقت کو از سر نو پالیا ہے، اس میدان میں بھی گویا سبقت رسول عربیؐ اور آپ کے جانثاروں کے حصے میں آئی، سفید انسان کا یہ آزادی و حقوق کا واویلا اور صدارتی و پارلیمانی جمہوریت کے چونچلے خلافت راشدہ کے شورائی جمہوری نظام کے چربے ہی تو ہیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام کے عطا کردہ نظام میں منافقت، ریا کاری، دولت اور مکاری کو مسترد کر دیا گیا ہے جب کہ عصر حاضر کے ہاں انسانی آزادی و حقوق اور جمہوری نظام کی بنیاد اور مظہر میں یہی منافقت، ریاکاری، دولت کی دھونس اور مکارانہ حیلہ گری ہے۔

بعثت محمدیؐ سے پہلے جزیرہ عرب نے صحرانوردی کی قبائلی زندگی کے پرفتن و پر آشوب اور باہم متصادم ماحول کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا، ظہور حق کے ان جان بخش و جاوداں لمحات سے قبل دنیا نے نمرودوں، فرعونوں، قیصروں، کسراؤں اور مطلق العنان و مستبد ابلیسوں کے سوا کسی اور نظام حکمرانی کا نام نہ سنا تھا، یونان کا ورثہ اسکندریت تھا، روم کا طرہ امتیاز قیصریت تھی اور فارس صرف کسراویت سے آشنا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحدت و مساوات اور شورائی جمہوریت اور اخوت اسلامی کے علمبردار آدمی کا بول بولا کرنے والے رسول عربیؐ کی بعثت انسانیت کو کون سا نظام حکمرانی دینے کے لئے آئی تھی؟ کیا قیصر کا حق قیصر کو اور آسمانی باپ کا حق آسمانی باپ کو دینے والی روایت کی بقاء اور اس کا احیاء مقصود تھا؟ شہنشاہیت و استبداد کے نظام باطل کو علیٰ حالہ چھوڑنا اور خلافت کے نام سے نئی موروثی آمریت کو جنم دینا تھا؟ عرب کو پہلے والی قبائلی زندگی اور

انتشار کے سپرد کرنا تھا؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر وہ نظام حکمرانی کیا تھا جو دار ارقمؓ اور مسجد نبوی کی تیس سالہ پیغمبرانہ جدوجہد نے عطا فرمایا؟! یہ نظام وہی تھا جو تیئیس سال میں پروان چڑھا، ہر فرد کو احترام کامل، امرھم شوریٰ کے مطابق مشارکت کلی اور آزادی رائے کے احساس کے ساتھ وشاورھم فی الامر کے حکم ربانی کے مطابق اکثریت کی رائے کو تسلیم کرنا لازم تھا کہ یداللہ علی الجماعہ (جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے) اور اجماع امت غلط بات پر ناممکن ہے۔ اختلاف رائے برحق ہے۔ یہی نظام تھا جس کی تربیت نبوت نے تیئیس سال میں فرمائی۔

امرھم شوریٰ. اور وشاورھم فی الامر کے ارشادات ربانی کی روشنی میں تربیت دینے والے کو یہ فرمادیا گیا تھا کہ شورائی سنت قائم کر دیجئے اور اس تربیت یافتہ جماعت کو آزادئی رائے اور ضمیر کی آواز کے حوالے کر دیجئے اور آپ نے ایسا ہی کیا، جو جماعت تیار ہوئی تھی وہ یکے بعد دیگرے صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ اور علیؓ کو یہ بار امانت اٹھانے کے لئے آگے لاتی رہی، تاریخ انسانی نے پہلی بار دیکھا تھا کہ امور سلطنت کے لئے موروثی ولی عہدی نہیں بلکہ شوریٰ. وبیعت کا اصول برتا گیا، کرسی کے لئے کوئی دوڑا نہیں بلکہ بوجھ اٹھانے کے لئے اسے آگے لایا گیا، حکمران نے خود کو آقا نہیں، خادم تصور کیا، حکومت سنبھال کر عیاشی نہیں کی صرف خدمت انجام دی، خلفائے راشدین کے انتخاب میں اس وقت کے معروضی حالات میں رائے عامہ کو مقدم و برتر رکھا گیا، پہلے خلیفہ راشد نے منتخب ہونے کے بعد اپنا پالیسی بیان دیتے ہوئے فرمایا تھا (۸)!

"ایہا الناس قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی، و ان صدفت فقومونی، الصدق امانۃ والکذب خیانۃ، والضعیف فیکم قوی عندی حتیٰ آخذلہ حقہ، والقوی فیکم ضعیف عندی حتیٰ آخذ الحق منہ، ان شاء اللہ، لایدع احد منکم الجھاد فانہ لایدعہ قوم الا ضربہم اللہ بالذل، اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ فلاطاعۃ لی علیکم یعنی اے لوگو مجھے تمہارا والی اور سرپرست بنایا گیا ہے جبکہ میں تم میں سے افضل نہیں ہوں، اگر میں حسن عمل کا مظاہرہ کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں حق سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کر دینا، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے، تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک کہ میں اسے اس کا حق دلاتا رہوں، تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق دلا دوں، ان شاء اللہ تم میں سے کوئی جہاد نہ ترک کرے، کیونکہ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں، میں اللہ اور رسول کی

اطاعت کروں تو میری اطاعت کرنا، اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں"

یہ تھا سابقین اولین کا اول، ثانی اثنین فی الغار ۹ ۔ اور دار ارقمؓ سے غار ثور تک اور بدر سے قبر تک طویل ترین صحبت و تربیت نبوی سے فیض پانے والا عظیم انسان جس نے وفات نبوی کے صدمہ سے نڈھال امت کو بھی سنبھالا، اسلامی ریاست کو بچایا اور شورائی سنت نبوی کو نبھایا، جو خود کو عوام کے احتساب کے لئے پیش کر رہا ہے، قیام عدل کا ذمہ لے رہا ہے اور قانون سے سرموانحراف نہ کرنے کا اعلان کر رہا ہے، یہی بات شورائی سنت قائم کرنے اور آدمی کا بول بالا کرنے والے رسول عربیؐ کو اللہ رب العزت نے سمجھا دی تھی، اسی لئے وہ خلافت کو مشاورت کے سپرد کر گئے تھے، ورنہ مکہ کے ابو جہلوں کو خاطر میں نہ لانے والا، دشمن کے نرغے میں انا النبی لا کذب کہنے والا اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر قوت باطل کو تہ و بالا کرنے والا خلافت کو مشاورت پر کیسے اور کیوں چھوڑ سکتا تھا؟!

انسانیت کے نام دار ارقم کے پیغام کے حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ کچھ اپنوں کی نادانی اور جہالت سے اور کچھ دشمنان اسلام کی عیاری و دسیسہ کاری سے دنیا کے سامنے اسلام اور مسلمان کی جو تصویر کھڑی کی گئی ہے وہ بڑی بھیانک، نفرت انگیز اور شرمناک ہے، اسلام کی تصویر کے نمایاں رنگ علم و ہنر، سائنس، تمدن اور ٹیکنالوجی سے عناد و عداوت، تعدد ازواج و کنیز بازی، جہالت و پسماندگی قتل و غارت گری، خوں خواری اور لوٹ مار پر زور ہے، مسلمان کی تصویر ایک انسان دشمن، خون خوار بھیڑیئے کی تصویر ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن ہے، یا قرآن کو مانو یا گردن کٹواؤ، تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہے، اسلام اور مسلمان کی یہ تصویر مغرب اور دوسری اسلام دشمن دنیا کے مفاد پرستوں کی تیار کردہ ہے جو اسلام کو اچھی طرح سمجھتے اور جانتے ہیں مگر اصل سچائی اور حقیقت کو چھپاتے اور اسے سامنے نہیں آنے دیتے کیونکہ اس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے، مگر مغرب اور دوسری اسلام دشمن دنیا کی غالب اکثریت محض جہالت اور عیاروں کی ملمع سازی کے باعث اسلام اور مسلمان کی اصل تصویر اور اس کے حقیقی اہداف سے ناآشنا ہے، خود اسلامی دنیا کا المیہ یہ ہے کہ سیاسی قائدین بزدلی اور خود غرضی کے باعث اندھے، اہل علم و دانش عاجز و بے بس ہیں مگر مسلمانوں کی اکثریت جاہل و پسماندہ ہے۔

گویا اسلام کو دو گروہ سمجھتے ہیں، ایک مغرب اور دوسری اسلام دشمن دنیا کا دانشور اور سیاست باز طبقہ جو اسلام کے قانون عدل و مساوات میں اپنے مفادات کی موت تصور کرتا ہے، دوسرا مسلم اہل علم و دانش کا طبقہ ہے جو اسلام کے فطرتی و ابدی اصول انصاف و مساوات کو پیش

کرنے سے عاجز ہے ۱۰۔ مگر مسلم و غیر مسلم دنیا کی غالب عوامی اکثریت اسلام کے ان اصولوں سے ناواقف و محروم ہے، جب تک یہ صورت حال نہیں بدلتی اس وقت تک نہ تو اسلام انسانیت کے دکھوں پر مرہم رکھنے کا مقرر شدہ کردار ادا کر سکتا ہے اور نہ روئے زمین کے گوشے گوشے میں جہالت و عیاری کی چیرہ دستیوں کی زد میں آئی ہوئی امت مسلمہ کے لئے دنیا کی غالب اکثریت کے دلوں میں کوئی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے، یہود و ہنود کی عیاری نے خداوندان صلیب کو ساتھ ملا کر دنیا کی غالب اکثریت کو اسلام کے قریب آنے اور اسے سمجھنے سے روک رکھا ہے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کو مار پڑ رہی ہے، سچائی کے گرد باطل کے اس حصار کو توڑنے اور دنیا کی غالب اکثریت کا اسلام سے رشتہ جوڑنے کے بعد ہی بات بن سکتی ہے اور اب شاید یہ حصار توڑنے اور یہ رشتہ جوڑنے کا وقت آ گیا ہے، اب روشن ضمیر دنیا کو اسلام کے عقیدہ توحید، فرزندان آدم کی وحدت و مساوات اور اجتماعی اصول انصاف سے زیادہ دیر دور نہیں رکھا جا سکے گا، اسلام کے یہی عقائد و اصول ہیں جو انسانیت کے نام دار ارقم کے پیغام کی اساس ہیں، یہی وہ عقائد و اصول تھے جو مکہ مکرمہ کے مشرکین و مستکبرین کو ناگوار تھے اس لئے انہوں نے دار ارقم کی اسلامی جمعیت کو جلاوطن کر دیا اور پھر اس جمعیت کو یثرب میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، یہی عقائد و اصول تھے جو عرب کے مغرور و آدم آزار یہودیوں کے لئے ناقابل برداشت تھے، اسی لئے یہود و مشرکین نے کاروان اسلام کی راہ روکنے کے لئے دنیا کو گمراہ کر کے ساتھ ملایا اور ایک ایسا طوفان بلاخیز برپا کیا جو چودہ صدیوں سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جاری ہے۔

دار ارقم کے حوالے سے یہ بات سمجھنا سمجھانا بھی بہت ضروری ہے کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں قرآن والی تصور مسلمان کی مکمل تصویر نہیں ہے، یہ تو تصویر کا صرف ایک رخ ہے، قتال فی سبیل اللہ مومن کا ایمان ہے، بلکہ مومن کی آن بان اور شان بھی ہے لیکن مومن کا قتال فی سبیل اللہ محض خون خرابے یا کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہوتا، جہاد اسلامی کی یہ صورت فقط ظلم اور بدی کا سر کچل کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، یہ ایمان اور یہ جذبہ مومن کو فتح و شکست سے بے نیاز کر دیتا ہے، ایمان کا یہ جذبہ اور بے نیازی کی یہ شان مرد مجاہد کو مال غنیمت اور ذاتی مفاد سے برتر و بیگانہ بنا دیتی ہے ۱۱۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی!

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا تاریخی واقعہ مرد مجاہد کی اس بے نیازی اور جذبہ ایمان کی تفسیر و تشریح کرتا ہے، میدان کارزار میں جب انہوں نے اپنے حریف کو زمین پر پٹخ دیا اور کام تمام کرنے

لگے تو بد باطن دشمن نے شیر خدا کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینک دی، آپ نے زیر شدہ دشمن کو وہیں چھوڑ کر اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا مگر مسلمان سپاہی کی نمائندگی کرتے ہوئے حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر شکست خوردہ دشمن کو مرعوبیت کی آخری حد تک پہنچا دیا کہ پہلے میں تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ظلم و سرکشی کا مزہ چکھانے والا تھا مگر اب تیری کمینگی کے بعد اگر میں تجھے قتل کرتا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ ذاتی انتقام ہو گا!

مسلم فاتحین نے مفتوحہ شہر کے لوگوں سے جزیہ وصول کر لیا تھا مگر عسکری چال کے پیش نظر یہ شہر دوبارہ دشمن کے لئے خالی کرنا پڑ گیا تو وصول شدہ جزیہ یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ اب چونکہ ہم تمہارے دفاع کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہیں اس لئے یہ جزیہ اب مسلمانوں کے بیت المال میں نہیں جائے گا!

یہ مثالیں اس لشکر بے مثال و بے نظیر کے کردار کی نمائندگی کرتی ہیں جو اس تربیت سے تیار ہوا تھا جو دار ارقم اور مسجد نبوی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں انجام پائی تھی!

دار ارقم اور مسجد نبوی میں نگاہ نبوت کی زیر نگرانی طویل ترین تربیت حاصل کرنے والا اور تمام زندگی صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے والا جب خلیفۃ الرسول رضی اللہ عنہ بنا اور سب سے پہلا لشکر جہاد فی سبیل اللہ پر روانہ کرنے لگا تو اس نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس سے پہلے اور بعد کی انسانی تاریخ خالی پڑی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لشکر مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا ۱۲۔

"لوگو! ٹھہر جاؤ میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں، انہیں یاد رکھنا، خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، چوری نہ کرنا، مقتولوں کو مثلہ نہ بنانا، بچے بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، پھل والا درخت نہ کاٹنا، کھانے کی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ کسی وجہ سے بھیڑ، گائے یا اونٹ کو ذبح نہ کرنا، تم ایسے لوگوں کے پاس سے گذرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے اور وہ دن رات وہاں عبادت کرتے رہتے ہیں، تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا، کھانا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا اور اپنی حفاظت اللہ تعالیٰ کے نام سے کرنا۔"

تاریخ میں کسی لشکر کو محاذ پر روانہ کرتے وقت کسی حاکم وقت نے اس قسم کے احکام کبھی صادر نہیں کئے، یہ وہی بنیادی فرق ہے، جو دار ارقم اور صفہ مسجد نبوی میں تربیت پانے والوں کو دیگر اہل مناصب سے ممتاز کرتا ہے، اور یہ عملی مثالیں واضح طور پر بتاتی ہیں کہ جہاد اسلامی محض خون

خرابے، قتل و غارت گری، کسی ذاتی مفاد یا جوع الارض کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو مال غنیمت کے لئے بھی نہیں ہوتا، اس میں تو صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے!

لہٰذا اسلام اور مسلمان کی جو تصویر مغرب اور دیگر بد خواہوں نے بنائی ہے وہ سراسر بہتان اور دجل و فریب ہے، یہ ان لوگوں نے بنائی ہے جو اسلام کے تصور جہاد سے پوری طرح واقف و آگاہ ہی نہیں یا وہ بدباطن شکل بگاڑ کر دانستہ طور پر اسلام کو بدنام کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اسلامی جہاد کو رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک نے جہاد اکبر سے تعبیر کیا ہے جس کا دائرہ عملی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے، قتال فی سبیل اللہ اسی جہاد اکبر کا ایک پہلو یا ایک فرع ہے، مگر جہاد اکبر کا دائرہ فرد اور معاشرہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، جن میں دینی اور دنیاوی تمام معاملات شامل ہیں، دین و سیاست کے میدان میں اجتہادی اور علمی کوششوں سے لے کر اکتساب رزق حلال، معاشرے کی خدمت و اصلاح اور تزکیہ نفوس کی مہتمم بالشان سرگرمیوں تک پھیلا ہوا ہے، یہ جہاد اکبر ہی وہ روح رواں ہے جو مسلم معاشرہ کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے، یہی وہ انقلاب آفرین اصول جاودانی ہے جو ہمہ گیر انقلابی تبدیلیوں کا ضامن اور پھر ان تبدیلیوں کو ہمیشہ تعمیری رخ پر قائم و دائم رکھنے کا وسیلہ ہے، یہی وہ مومن کا نعرہ جہاد اکبر ہے جو سدا بہار اور دائمی ہے، بہار ہو کہ خزاں ہر حال میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ہوئے جاری و ساری رہتا ہے، اسی جہاد اکبر کے وہ غیر فانی چھ قواعد ہیں جو سورہ نحل میں بیان ہوئے اور دار ارقم کی مختصر سی اسلامی جمعیت کی عملی تربیت کی بنیاد بنے بلکہ ان پر عمل سے ہی ایک ذمہ دار اور بہی خواہ اسلامی معاشرہ کا تصور ابھرا، اس جہاد اکبر کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر وقت اور ہر آن تیار ایک تربیت یافتہ اور ہمہ تن جوش عمل اور سراپا اخلاص ہو کر کام کرنے والی چنی ہوئی جماعت درکار تھی، یہی جماعت اب سیاسی قائدین، سالاران لشکر، مصلحین، و معلّمین قوم اور اعیان و عمائد حکومت کی شکل اختیار کر چکے ہیں، اگر یہ سرکردہ جماعت نیت کے اخلاص، وعزیمت و ہمت اور عقل و ذھن کی تخلیقی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں لاتے ہوئے سرگرم عمل رہے تو معاشرہ میں آنے والی انقلابی تبدیلیوں کا تعمیری رخ قائم و دائم رہتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم ؓ اور پھر صفہ و مسجد نبوی میں ایسی ہی سرکردہ جماعت تیار فرمائی، اس جماعت کا ہر گروہ اپنے کام میں یکتا اور عزم و ہمت میں لاثانی تھا، "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون ۱۲" یعنی تم میں سے ایک منتخب جماعت تیار ہونا چاہئے (جس میں سیاسی قائدین، سالاران لشکر، مصلحین و

معلمین قوم اور اعیان و عمائدین حکومت سب شامل ہیں) جو اپنے اپنے متعلقہ میدان میں بھلے کاموں کی دعوت، معروف کا حکم اور منکر سے منع کرتے رہیں، یہی لوگ ہوں گے جو کامیابی سے اپنا فرض نبھا کر سرخرو ہوں گے " جس ملک اور جس قوم کی ایسی سرکردہ جماعت کا ہر گروہ اور ہر فرد اس اصول پر کاربند رہے گا اس کی کامیابی کی اللہ رب العزت نے ضمانت دی ہے!

یہی وہ انقلاب آفرین اصول ہے جو رسول عربیؐ نے عطا کیا، یہی وہ عقیدہ ہے جو نکتہ وروں سے کھل نہ سکا مگر ایک کملی والے نے ایک اشارے سے حل کر کے ذہنوں میں نقش کر دیا، اور یہی وہ راز ہے جو دار ارقم اور صفہ مسجد نبوی میں تربیت پانے والی جماعت کی کامیابی و سرفرازی کا ضامن تھا!

اب دار ارقم محض کسی مکان یا جگہ کا نام نہیں رہا، نہ یہ اب کسی شخصیت کا تذکرہ، حوالہ یا داستان کا نام رہا ہے، اب تو دار ارقم ایک نظریہ حیات، ایک تحریک اور ایک پیغام کا عنوان بن گیا ہے، یہ نظریہ حیات عقیدہ توحید وحدت نسل انسانی اور احترام آدمیت سے عبارت ہے، احترام آدمیت اصل آدمیت ہے!

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

یہ تحریک دنیا سے ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کے لئے ہے اور اس پیغام کی روح اور جڑ یہ ہے کہ ہر نظریہ حیات اور ہر تحریک اپنے عملی سفر میں تربیت یافتہ افراد اور ارکان کی محتاج ہوتی ہے، دار ارقم میں (اور بعد میں صفہ و مسجد نبوی میں) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی ایک جماعت تیار کی، اس کی کایا پلٹی، دنیا بدل کر رکھدی اور انہیں صبغۃ اللہ میں ڈھال کر میدان عمل میں اتار دیا، عقیدہ توحید سے سرشار تحریک عدل کا علمبردار بن کر نکلنے والوں نے صرف ربع صدی میں جزیرہ عرب کے گنواروں کو انسانیت کا بہترین قائد بنا دیا، قائدانہ کردار ادا کرنے والی اس امت نے اس وقت کی دو بڑی جابر سلطنتوں کو تہ و بالا کر ڈالا، قافلہ انسانیت کو علم کی روشنی میں دنیا و آخرت میں کامیاب زندگی کی راہ پر ڈال دیا۔

اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی و رسول مبعوث فرمائے جن کا منصب رسالت درس توحید، انسانوں کی ہدایت اور دنیا و آخرت میں ان کی بھلائی تھا، مگر موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور عیسیٰؑ بن مریم اپنے اپنے وقت میں وہ نہ کر سکے جو محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربع صدی سے بھی کم عرصہ میں کر دکھایا، ایک در یتیم نے ریت کے ذروں سے ایک امت تیار کی اسے ایک کام سونپا اور وہ امت اسے انجام دے کر سرخرو ہوئی۔ کیوں! اس لئے کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان تیار کیے نہیں بلکہ ڈھال کر بنائے۔ یہ ڈھلے اور بے ہوئے انسان جوش ایمان سے اٹھے، دنیا کا رنگ ڈھنگ بدل ڈالا اور تاریخ کا رخ ہی نہیں موڑا بلکہ زمانے کا چلن بھی بدل ڈالا۔ اب اگر کوئی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان نہیں بلکہ تاریخ ساز انسان مانتا ہے تو اسے اپنے وقت کا منصف ہی کہا جائے گا!

دنیا میں جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ کوئی کر سکا نہ کر سکے گا، جو کچھ انہوں نے دیا وہ نہ کوئی دے سکا اور نہ دے سکے گا، وہ خود بے مثال، ان کا کام بے نظیر اور ان کی عطا یکتا و لاثانی ہے، نہ کوئی ان سا ہوا نہ ہو گا، وہ کسی شاہی خاندان کے فرد نہ تھے بلکہ ایک در یتیم تھے، نہ دولت کے ڈھیر تھے نہ جائیداد کی فراوانی کچھ بھی نہ تھا مگر سب کچھ کر دکھایا، دنیا میں کوئی یتیم ایسا انقلاب برپا کر سکا نہ کر سکے گا جو آمنہ ؓ کے لال نے برپا کر دکھایا!۔

آخری بات

١ = سیرۃ ابن ہشام ١/٢٠٢

٢ = جوامع السیرۃ ص ٥٥ - ٦٢

٣ = سورت طٰہٰ آیت ١١٨ - ١١٩

٤ = سورت علق آیت ٦

٥ = سورۃ بلد آیت ١١

٦ = طبقات ٣/٣٢٣

٧ = کلیات اقبال فارسی ص ٤٨٠

٨ = تاریخ طبری ٣/٢٢٣، تاریخ الامم الاسلامیہ ١/٢٧٠

٩ = سورت التوبہ آیت ٤٠

١٠ = الاسلام بین جہل اعداۂ و عجز ابنائہ

١١ = کلیات اقبال اردو ص ١٥٣

١٢ = سورت آل عمران آیت ١٠٤

● ”دارارقم تاریخ کے آئینے میں“ سیرت نبویؐ پر ایک تحقیقی کاوش ہے جو ایک نہایت اہم مگر قدرے فراموش شدہ پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔

● حضرت ارقمؓ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کا ایک پرجوش نوجوان تھا، اسی قبیلے کے سردار کو تاریخ ابو جہل کے نام سے جانتی ہے، دارارقم مکہ مکرمہ کے محلہ بنی مخزوم میں ایک کشادہ حویلی تھی جو حضرت ارقمؓ نے خدمات اسلامی کے لئے وقف کر دی تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی وقف عمارت ہے۔

● اس حویلی کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ارقمؓ واحد صحابی ہیں جنہیں ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فرمان کے ذریعہ ایک قطعہ زمین عطا فرمایا کہ یہاں پر مدینہ منورہ کا دارارقم تعمیر کیا جائے جو مکہ مکرمہ کے دارارقم کی یاد دلاتا رہے، جس طرح اموی خلفاء مکہ مکرمہ کے دارالندوہ کا تحفظ کرتے رہے اسی طرح عباسی خلفاء نے دارارقم پر توجہ ضروری خیال کی۔

● مکی عہد نبوت میں دارارقم اہل اسلام کے لئے وہی حیثیت رکھتا تھا جو قریش مکہ کے لئے دارالندوہ کو حاصل تھا، ابتدائی دور میں مسلمان اس حویلی میں خفیہ طور پر جمع ہوتے اور آفتاب رسالتؐ کی نظر عنایت سے تربیت پاتے تھے، تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کا یہی مرکز تھا، یہیں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقین اولین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ جماعت تیار کی جس نے ربع صدی کے اندر ایک بینظیر و بےمثال انقلاب برپا کر دیا اور تین براعظموں پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض سلطنت قائم کر دی، دارارقم ایک نظام تربیت، ایک مرکز تحریک اور ایک دارالشوریٰ کا نام ہے جسے مکہ والے ”دارالاسلام“ کے نام سے پکارتے تھے، یہ مختصر کتاب اس دارالاسلام کی داستان ہے اور اس موضوع پر پہلی منفرد کاوش ہے۔